تاریخ اسلام

محمد احسن

جغرافیہ عرب

جغرافیہ عرب

وجہ تسمیہ : اہل لغت کے نزدیک عرب اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں۔ چونکہ عرب نہایت فصیح اللسان اور زبان آور تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے اپنا نام عرب رکھا۔ اور دنیا کی اقوام کو عجم کے نام سے پکارا عجم کے معنی ژولیدہ اور گونگے کے ہیں۔

دوسری رائے کے مطابق لفظ عرب عربہ سے نکلا ہوا ہے جس کے معنی صحرا کے ہیں۔ چونکہ اس ملک کا زیادہ تر حصہ ریگستان پر مشتمل ہے اس لئے سارے ملک کو عرب کہا جانے لگا۔

حدود وسعت عرب عرب یا جزیرۃ العرب تین براعظموں یعنی ایشیاء یورپ اور افریقہ میں مرکز کے طور پر ہے اور تین طرف سے سمندر سے گھرا ہوا ہے۔ مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان جنوب میں اور بحر ہند مغرب میں بحر احمر عرب خشکی اور تری دونوں راستوں سے دنیا کو اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔

عرب کی پیمائش حقیقی طور پر نہیں ہوئی وہ ہندوستان سے بڑا ہے اور ملک جرمن اور فرانس سے چار گنا ہے۔ طول تقریباً چودہ سو میل اور عرض مختلف جنوب میں زیادہ اور شمال میں کم ہوتا گیا ہے۔ مجموعی رقبہ ۱۰ لاکھ مربع میل ہے۔

اس ملک کا ایک بڑا حصہ ریگستان ہے۔ شمالی حد میں شام اور عرب کے درمیان ایک ریگستان ہے جس کو بادیہ شام یا بادیہ عرب کہا جاتا ہے۔ جنوبی حد میں یمن، عمان اور یمامہ کے درمیان ایک وسیع صحرا ہے جس کو الدھنا یا ربع خالی کہا جاتا ہے۔

اس ملک میں سب سے بڑا طویل السلسلہ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ ہے۔

اس طرح حجاز کا سب سے بڑا پہاڑ جبل الھدیٰ طائف کا جبل الکرا نجد کا جبل عارض وطریق اور یمن کا جبل کوکبان ہے۔ ملک عرب میں کوئی دریا نہیں ہے۔ پہاڑوں سے چشمے جاری

رہتے ہیں، کبھی کبھی یہ چشمے پھیل کر تھوڑی دور تک ایک مصنوعی دریا بن جاتے ہیں پھر ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں یا سمندروں میں گر جاتے ہیں۔

عرب کے وہ حصے جو سواحل بحر پر واقع ہیں وہ سرسبز و شاداب اور زرخیز ہیں۔ خاص طور پر یمن کا صوبہ بہت ہی زرخیز ہے۔ عمان۔ حضرموت۔ نجد۔ حجاز میں طائف عرب کے شاداب و سرسبز علاقے ہیں۔

اقطاع عرب

عرب کا ایران سے ملتا ہوا حصہ عراق عرب کے نام سے مشہور ہے جس میں بصرہ اور کوفہ کے مشہور اسلامی شہر آباد ہیں۔ شام سے ملتا ہوا حصہ عرب شام کہلاتا ہے اور حلب تک چلا گیا ہے۔ موجودہ ملکی تقسیم میں عرب سے الگ نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ عرب حسب ذیل چار صوبوں میں منقسم ہے۔ عروض۔ نجد۔ یمن اور حجاز۔ آگے ہر صوبہ متفرق چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہے۔

عروض: مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے اس صوبہ میں یمامہ۔ بحرین۔ عمان تین اقطاع ہیں۔

نجد: وسط عرب میں ایک سرسبز، شاداب زرخیز اور بلند قطعہ ملک ہے۔ تین طرف سے صحراؤں سے محیط ہے۔ شمال میں صحرائے شام مغرب میں صحرائے حجاز مشرق میں صحرائے دھنا اور جنوب میں صوبہ یمامہ ہے۔ یہ صوبہ سطح سمندر سے ۱۲۰۰ میٹر بلند ہے۔ آجکل نجد، شمر، قصیم اور عارض تین حصوں میں منقسم ہو کر دوشیرج کے زیر حکومت ہو گیا ہے۔ نجد کے گھوڑے اور اونٹ بہت مشہور ہیں۔ ہر قسم کے میوے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت ہوتی ہے۔ قبائل غطفان اور سلیم وغیرہ اس جگہ آباد تھے۔

یمن: عرب کا سب سے زیادہ زرخیز، سرسبز اور آباد علاقہ ہے جو اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد بھی علم و ہنر کا مرکز رہا۔ محققین آثار قدیمہ نے یہاں سے ایسے آثار پائے ہیں جو قدیم تمدن کا پتہ دیتے ہیں۔ یمن کو مندرجہ ذیل اقطاع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ حضرموت احقاف۔ صنعاء۔ نجران۔ عسیر۔ علی الترتیب مشرقی جنوبی حدود یعنی حضرموت سے جنوب مغربی حدود یعنی حجاز تک ساحل بحر احمر پر واقع ہیں۔ احقاف وہی حصہ ہے جہاں کبھی عاد کی زبردست قوم آباد تھی جس کی تباہی کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔ سبا کی قوم ایک زمانہ میں یہیں آباد تھی۔

حجاز: مغرب میں بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل کی شکل میں حجاز کا مشہور پہاڑی علاقہ

ہے۔ جس میں مکہ مدینہ اور طائف کے مشہور شہر آباد ہیں۔ اس کی دو بڑی بندرگاہیں ہیں جدہ جہاں سے مکہ معظمہ کو جاتے ہیں۔ ینبوع جہاں سے مدینہ منورہ کو جاتے ہیں۔ مکہ حجاز کا دارالخلافہ ہے۔ یہ ایک بے آب و گیاہ آبادی میں واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف خشک پہاڑیاں ہیں۔ اس کے تین نام ہیں۔ مکہ۔ ام القریٰ اور البلد۔ اس کی آبادی کی ابتدا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے سے ہے۔ اسی شہر میں سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ اسی شہر میں خانہ کعبہ ہے جس کے معمار دو نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ اسی سے دنیا کی روحانی پیاس کو بجھانے کے لئے توحید کا چشمہ جاری ہوا۔ اور تا ابد جاری رہے گا اور دلوں کی خشک کھیتیوں کو سیراب کرتا رہے گا۔ ظہور اسلام کے وقت عرب مستعربہ میں سے قبائل بنو کنانہ، قبائل ہذیل، قبائل ہوازن، بنو قحطان اور ازد آباد تھے۔

مدینہ: مدینہ کا پرانا نام یثرب ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کرکے یہاں تشریف لائے تو اس کا نام مدینۃ النبیؐ پڑ گیا۔ بعد میں صرف مدینہ کہلانے لگا۔ بعض تاریخی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی تعمیر ۱۶۰۰ ق م قبل مسیح اور ۲۰۰۰ قبل مسیح کے درمیان ہوئی سب سے پہلے عمالیق آباد ہوئے۔ عمالیق کے بعد یہاں سب سے پہلے یہود آکر آباد ہوئے۔ اس کے بعد قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج آباد ہوئیں۔ اسلام کا سب سے پہلا دارالخلافہ بنا۔ مدینہ مکہ سے ۲۷۰ میل شمال کی جانب ہے۔ یہاں زراعت ہوتی ہے۔ میوہ دار درخت پائے جاتے ہیں۔

طائف: حجاز کی جنت ہے۔ بہت زرخیز اور شاداب علاقہ ہے۔ رؤساء حجاز عموماً گرمیوں کا موسم یہیں بسر کرتے تھے۔ یہ مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف قدرے جنوب کو واقع ہے۔ سمندر سے پانچ ہزار فٹ بلند ہونے کی وجہ سے یہاں پانی عام ہے اس لئے پھل اور سبزیاں بہت ہوتی ہیں۔ ابتداً قبیلہ عدوان کا مسکن تھا۔ بعد میں قبیلہ ثقیف کے قبضہ میں آگیا۔ ہجرت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت اسلام دینے کو یہاں تشریف لائے۔ اہل طائف نے غرور کے نشہ میں بدمست ہو کر دعوت حق کو قبول نہ کیا۔ ۸ ہجری میں آپؐ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ ۹ ھ کو سردار ثقیف عروہ بن مسعود نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اس سال وفد ثقیف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔

ازمنہ قدیم کی تہذیبیں

ظہورِ اسلام سے قبل دنیا کے مختلف ممالک کی سیاسی، اقتصادی اور مذہبی حالت کا تنقیدی جائزہ

ظہورِ آل اسلام سے قبل چھٹی صدی مسیحی بلا اختلاف انسانی تاریخ کا تاریک ترین دور تھا۔ دنیا بھر کے لوگوں کی حالت ہر لحاظ سے دگرگوں تھی۔ ہر سو نشتت و انتشار کا دور دورہ تھا لوگوں کے قلوب میں جان و مال اور آبرو کا احترام مٹ چکا تھا، توحید کا چراغ جو مختلف انبیاء علیہم السلام نے مختلف ادوار میں روشن کیا تھا۔ گل ہو چکا تھا کہیں بھی صحیح عقیدہ موجود نہ تھا۔ دین دار اشخاص مذہبی عقائد کی بنیاد پر زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر دیر و کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔

غرض کہ دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں اجتماعی بے نظمی انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال اور دینی غفلت رونما تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ تمام ممالک تنزل و انحطاط اور شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک کے حالات کا جائزہ لینے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ کس طرح اسلامی تعلیمات سے روشناس ہونے کے بعد ان ممالک کے باشندے اپنی معاشرتی، سیاسی، مذہبی اخلاقی حالت درست کر کے ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے اس وقت تک قدیم تمدنوں کے تین بڑے خطے قرار دیئے گئے ہیں۔

اوّل: مشرقی بحر روم کے نواح کا خطہ جس میں مصر، بابل، کریٹ، فلسطین، ایران، روم وغیرہ شامل ہیں کہا جاتا ہے کہ اگر جزیرہ قبرص (CYPRUS) کو مرکز قرار دے کر اس کے گرد دو ہزار میل کے نصف قطر سے ایک دائرہ کھینچا جائے تو اس کے اندر یہ سب

ملک آجائیں گے ان ممالک میں جس ملک کو زیادہ عروج ہوا وہ تقریباً باقی ماندہ سب ممالک پر حکمران ہوگیا۔

دوم قدیم تمدن کا دوسرا خطہ چین، ہندوستان اور تاتار پر مشتمل ہے، یہاں کے قدیم حالات بمقابلہ خطہ اوّل کے کم معلوم ہیں۔

تیسرا خطہ:۔ امریکہ کے پرانے باشندوں کا ہے اور اس تمدن کے حالات سب سے بعد میں کمی کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں [1]

مصر

حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے سام، حام، یافث، سام سے سامی نسل چلی یعنی عرب یہودی وغیرہ یافث ترکوں اور دوسری عجمی قوموں کا بزرگ تھا۔ حام کی نسل بر اعظم افریقہ میں پھیلی، حام کے دوسرے فرزند کا نام "مصر" تھا جسے عبرانی میں "مصرائم" کہتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ مصر یا مصرائم نے اپنی اولاد کے لئے وہی خطہ سنبھالا جسے ہم مصر کہتے ہیں۔ (مختصر تاریخ اسلام مصنفہ مولانا غلام رسول)

بحر روم سے متصل اور جانب جنوب "مصر" واقع ہے۔ جب سے انسان نے اجتماعی زندگی شروع کی تو انہیں زندگی کا کاروبار چلانے کے لئے حکومت کا انتظام کرنا پڑا اور بادشاہیوں کی بنیاد پڑی۔ مصر میں کئی کئی چھوٹی چھوٹی شہری حکومتیں قائم ہوگئیں اور وہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتی تھیں۔ اس لئے طاقتور حکومتیں کمزور کو ہضم کرتی گئیں۔ یہاں تک کہ وہاں صرف دو حکومتیں باقی رہ گئیں ایک بالائی مصر اور دوسری وسط مصر، بالآخر وسط مصر کی حکومت غالب آگئی دوسری شہری حکومتیں مرکزی حکومت کی باج گزار بنتی گئیں جس سے نظام جاگیرداری کی ابتدا ہوتی بالائی اور وسط مصر کے بعد وہ رقبہ آباد ہوا جہاں نیل کی سات شاخیں ہوجانے سے چھ مثلث بنتے ہیں جو زیریں مصر کہلاتا ہے۔ مصر میں ابتداء سے لے کر سکندر یونانی کے زمانے تک یکے بعد دیگرے اکتیس خاندانوں نے حکومت کی۔

مصری تہذیب کا خاکہ

شاہی اختیارات و طرز حکومت:۔ مصری حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ تمام اختیارات کا منبع اور مصدر بادشاہ کی ذات ہوتی تھی وہ اپنا جانشین نامزد کرتا تھا اور اپنے بیٹوں میں سے کسی کو اپنی زندگی میں ہی شریک حکومت کر لیتا تھا عموماً بڑا بیٹا ہی اس کا جانشین ہوتا تھا بادشاہ خود

[1] قدیم شہنشاہیاں مولفہ مولانا سید طفیل احمد منگلوری ص۱۰

سپہ سالار، عدالت کا قاضی اور انتظامیہ کا حاکم اعلیٰ ہوتا تھا اس کا فیصلہ آخری فیصلہ تھا اور اس کا حکم قانون تھا۔ دستوری طور پر اس کے اختیارات کی کوئی حد بندی نہیں کی جا سکتی تھی۔

مصری بادشاہ کا لقب "فرعون" "فرو" (PHARAOH OR PHERO) تھا جس کے معنی ہیں بڑے محل میں رہنے والا یہ لقب خود ہی بادشاہ کی اعلیٰ حیثیت اور عوام پر اس کی برتری کو ظاہر کرتا ہے اور حقیقتاً وہ سب سے بڑے محل میں رہا کرتا تھا۔ شان و شوکت تزک و احتشام حشم و خدم اور سطوت و جلال کے اعتبار سے کوئی اس کا مد مقابل نہ تھا۔

نظام مملکت بادشاہ کے بعد دوسرا اہم رکن وزیر تھا۔ وزارت کا عہدہ چوتھے خاندان کے حکمرانوں نے قائم کیا اوائل میں صرف ولی عہد اس منصب پر فائز ہوتا تھا پھر رفتہ رفتہ غیر شاہی خاندان کے افراد بھی اس عہدے پر مقرر کئے جانے لگے۔ نوعیت کار کے لحاظ سے وزیر تمام محکموں کا حاکم اعلیٰ تھا خزانہ، مالیات اور عدلیہ براہ راست اس کے پاس تھے وزیر کے علاوہ دوسرے بڑے عہدیدار اور بے شمار محرر تھے جن سے متعلق مختلف محکمے تھے

عدالت و قوانین مقدمات کے فیصلہ جات کے لئے ہر جگہ عدالتیں قائم کی تھیں عدلیہ انتظامیہ میں مدغم تھی۔ انتظامیہ کے حکام ہی عدلیہ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ وزیر مملکت ملک کا سب سے بڑا قاضی تھا جس کے فیصلے پر نظر ثانی کا اختیار صرف بادشاہ کو حاصل تھا۔

مصر کے تعزیراتی اور دیوانی قوانین واضح اور متعین تھے۔ ترکے اور میراث کے قوانین بھی وضع ہو چکے تھے۔ دروغ حلفی، قتل اور چوری کی سزا قتل تھی، جلا وطنی کی سزا بھی عام طور پر دی جاتی تھی۔ بغاوت اور اس طرح سے سنگین جرائم میں پھانسی دینے اور زندہ جلا دینے کی سزائیں دی جاتی تھیں، عدالت کے اندر امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ قوانین کی توضیح کے لئے وکلاء مقرر تھے مجرم کو صفائی کا پورا موقع دیا جاتا تھا۔ تمام شواہد اور بیانات کو غور کرنے کے بعد قاضی اپنا فیصلہ صادر کرتا تھا۔ بعض مواقع پر قاضیوں کی ایک جماعت مقدمہ کی سماعت کے لئے مقرر کر دی جاتی تھی اس کے حدود متعین کر دیئے جاتے تھے۔

فوج حکومت کا دوسرا اہم محکمہ فوج کا تھا۔ ابتداء میں مصری فوجیں صرف پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھیں۔ ہکسوس کے دور میں گھوڑے استعمال کئے گئے۔

لے مختصر تاریخ اسلام مصنفہ مولانا غلام رسول مہر ص۱۷

مذہب اخلاق اور رسم و رواج

قدیم مصر کا مذہب شرک و بت پرستی کی بنیادوں پر قائم تھا آسمان زمین آفتاب ماہتاب ستارے ہوا پانی حیوانات سب کے سب دیوتا اور دیوتیاں تھیں اجرام فلکیہ صرف اجرام نہ تھے بلکہ طاقتوں کے مظہر تھے اخلاق کا رشتہ مذہب سے نہایت گہرا ہے جیسے عقائد ہوں گے ویسے اعمال ظہور پذیر ہوں گے۔ مصر کے اندر سب سے مضبوط مذہبی طبقہ پروہتوں اور کاہنوں کا تھا وہ عیش میں ڈوبے ہوتے اور دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہے تھے وہ جادو منتر ٹوٹکے اور ہدایت ناموں کے اجراء میں مشغول رہے تھے

عورت کی حیثیت اور غلام

مصر میں قحبہ گری تھی۔ مصری فراعنہ کے حرم میں بے انتہا عورتیں ہوتی تھیں اکثر وہ اپنی سگی بہنوں سے شادی کرتے تھے اور کبھی کبھی بیٹیوں سے بھی محرکات کے اندر صرف سگی ماں داخل تھی۔ بلکہ ان میں شرفا کی بیٹیاں اور وہ عورتیں بھی شامل تھیں جو تحفہ بادشاہ کے پاس بھیجی جاتی تھیں۔ مصر میں غلامی کا عام رواج تھا غلام بادشاہوں کے محلوں، کاہنوں اور سپہ سالاروں کے گھروں میں موجود رہتے جنگ میں جو قیدی بنائے جاتے وہ حکومت کے غلام متصور ہوتے، سب کی ضرورتوں کے مطابق کام انجام دیتے یا ملک کی آرائش اور اس کے حسن کی تشکیل کے متقاضی فرائض کی تکمیل کیا کرتے تھے اس کے علاوہ قومی مصلحتوں اور عام حاجتوں کو بھی پورا کیا کرتے تھے۔

تعمیرات

مصریوں نے تعمیرات میں کمال حاصل کر لیا اہرام جیسی عمارتیں دنیا بھر میں کہیں نہیں ملتیں، بادشاہوں کے مقبرے ہیں عجائبات کی چیزوں میں سے ایک ابوالہول ہے ایک بہت بڑا بت ہے جس کا دھڑ شیر کا ہے اور سر انسان کا،

فن تحریر

مصریوں نے تحریر کا فن تین ہزار سال قبل مسیح ایجاد کر لیا۔ مصریوں نے ایک خاص قسم کا کاغذ ایجاد کر لیا جو ان کا شاندار کارنامہ ہے۔

وادی دجلہ و فرات کی تہذیب (سمیری تہذیب): مشرق کی دوسری قدیم تہذیب تاریخ میں سمیری تہذیب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ تہذیب دجلہ اور فرات کی وادی میں پھلی پھولی۔ وادی دجلہ اور فرات میں ان کی آمد کا زمانہ تو صحیح طور پر نہیں بتایا جا سکتا مگر ۴۵۰۰ ق۔م سے ان کے شہر کے نشانات ملتے ہیں یہ کہاں سے آئے اور کس نسل سے تعلق رکھتے تھے؟ یہ بھی معلوم نہیں چونکہ ان کی تحریروں سے پہاڑوں کا تذکرہ ملتا ہے اور ان کی زبان قدرے منگولی زبان سے ملتی جلتی

ہے اس لئے قیاس کیا جاتا ہے وہ منگولی النسل تھے اور کوہ قاف، وسطی ایشیا یا ارمینیا کے پہاڑی علاقوں سے ترک وطن کرکے یہاں آئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد انہوں نے چند شہر آباد کئے جن میں کش، نفر اروخ، اُر، لغاش، اُمّا اور لرسا نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ ابتدا میں ان میں شہنشاہیت کا رواج نہ تھا اور نہ وہ سیاسی زندگی سے واقف تھے ان کے قبیلے کے ممتاز لوگ جو زیادہ تر کاہن اور پجاری ہوتے تھے شہر کی دیکھ بھال اور اس کا انتظام کرتے تھے۔ جنگ کی ضرورت نے ملک کی فوجی سپہ سالاروں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا تھا اس لئے ان کے اقتدار میں رفتہ رفتہ کمی ہوتی گئی بالآخر فوجی سالاروں نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر شہری ریاستوں کی بنیاد رکھ دی ان شہری ریاستوں میں جو سمیری سالاروں نے قائم کیں پہلا نام کش کا آتا ہے جس کے پہلے حکمران کا نام مسیلم تھا اور جن کی اطاعت غالباً جنوب کے حکمرانوں نے قبول کر لی۔

اس عہد میں کش کے بعد جس کی ریاست نے زیادہ طاقت و شہرت حاصل کی وہ لغاش کی ریاست تھی جس کے نامور حکمرانوں میں لوغل شاغنغر د (LUGAL-SHA GENGUR) سب سے پہلے آتا ہے اس کے بعد ارنین کا نام ملتا ہے ارنین کے بعد ایک حکمران اروج آغن (URUKAGINA) کا نام ملتا ہے جس کا نام زمانہ ۲۸۰۰ ق م کے قریب متعین کیا گیا ہے یہ ایک مصلح اور شریف النفس فرمانروا تھا جس نے اپنی سلطنت کے اندر اہم اصلاحات نافذ کیں، فرامین کے ذریعہ پروہتوں اور دولت مندوں کے اختیارات کو محدود کرکے عوام کو ان کے دست برد سے بچایا۔ ترفین کی فیس میں تخفیف کی اور مذہبی طبقہ کو مندروں کی آمدنی سے محروم کر دیا چونکہ اصلاحات زیادہ تر مذہبی طبقے کے خلاف تھیں انہوں نے اروج آغن کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں شروع کر دیں اس سے ملک میں انتشار اور افتراق پیدا ہو گیا اس داخلی انتشار سے فائدہ اٹھا کر اُمّا کے حاکم لوغل زغیشی (LUGAL-ZAGGISI) نے لغاش پر حملہ کر دیا اور بادشاہ اور اس کے مخالفین دونوں کا خاتمہ کر دیا اس کے بعد خلیج فارس سے لے کر بحیرہ روم تک کے تمام علاقے کو روند ڈالا۔ اس کے بعد اس کا سیاسی زوال شروع ہوا ایک سامی النسل قوم نے جو اکادمی (AKKADANS) کے نام سے موسوم ہے لوغل زغیشی کو شکست دے کر سمیری سلطنت پر قبضہ کر لیا اس طرح تقریباً ۲۸۵۰ ق م میں خالص سمیری حکومت و تمدن ختم ہوا۔ ایک مخلوط تہذیب وجود میں آئی جس کو سمیری اکادمی تہذیب کہتے ہیں

معاشرتی تقسیم: معاشرہ مندرجہ ذیل طبقات پر مشتمل تھی۔

۱۔ فرمانروا :- اس طبقہ کے ہاتھ میں ہی زمام حکومت تھی۔ اسے قانون بنانے نافذ کرنے اور حکومت کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

۲۔ کاہن و پجاری : وہ مذہبی طبقہ تھا جو عوام اور خواص کا مرجع اور علوم و فنون کا واحد اجارہ دار تھا۔ سیاسی اور مذہبی اختیارات کی علیحدگی نے گو مندروں اور محلوں کو دو مخالف مرکزوں میں تقسیم کر دیا تھا پھر بھی فرمانرواؤں کو اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے پجاریوں کے سامنے جھکنا پڑتا تھا

۳۔ امراء :- یہ طبقہ بڑے بڑے زمینداروں، تاجروں اور ساہوکاروں پر مشتمل تھا۔ ملک کے تمام مادی وسائل پر قابض تھا اس وجہ سے اس کا اثر و نفوذ پورے معاشرہ پر گہرا تھا۔

۴۔ اہل ہنر و اہل پیشہ۔ اس طبقہ میں اطباء، قانون گو، صناع اور ملازمین شامل تھے۔ سمیری معاشرہ کا یہ بھی ایک با اثر طبقہ تھا۔

۵۔ زرعی مزدور و کاشت کار :- یہ طبقہ تہی دست و مفلس تھا۔ اس کی حالت غلاموں سے بہتر نہ تھی۔ اپنی عرق ریزیوں کا معاوضہ اتنا کم پاتا تھا کہ اپنے اہل و عیال کو فاقے سے بچانا بھی اس کے لئے دشوار تھا۔

۶۔ غلام :- معاشرہ کا سب سے گرا ہوا اور پست طبقہ تھا اس طبقہ میں زیادہ تر اسیران جنگ شامل تھے مجرم اور مقروض بھی اکثر غلام بنائے جاتے تھے اور اس طبقے میں شامل کر دیئے جاتے تھے جو تمام انسانی اور شہری حقوق سے محروم تھا سمیری عدالت اور مذہب سے ان کو تمام حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔

مذہب مصریوں کی طرح سمیری بھی مظاہر قدرت اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ چاند، سورج، زمین اور ستارے سب کے سب دیوتا اور دیوی خیال کئے جاتے تھے۔ آفتاب کی پرستش کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

شاہی اقتدار سمیری بادشاہ مطلق العنان ہوا کرتے تھے ان کی حکومت تمام قیود سے آزاد اور ان کی ذات تمام غلطیوں سے پاک سمجھی جاتی تھی وہ خدا کے نائب ہی نہیں بلکہ اس کے شریک سمجھے جاتے تھے ان کو عدالت اور فوج پر پورا اختیار حاصل تھا۔

عدالتیں اور قانون مقدمات کے فیصلہ جات کے لئے شہروں میں عدالتیں قائم تھیں سمیری قانون کی نظر میں تمام باشندے بھی یکساں نہ تھے ایک ہی جرم کی سزا مجرم کی حیثیت بدلنے سے بدل جاتی ہے مجرم اگر غریب ہوتا تو اس کو سخت سزائیں دی جاتیں

اور اگر امیر ہوتا تو محض جرمانہ وصول کر کے رہا کر دیا جاتا۔

عورت کی حیثیت عورت اپنے جہیز پر پورا اختیار رکھتی تھی۔ شوہر اور بیٹے کی غیر موجودگی میں اپنی املاک کا انتظام بھی کر سکتی تھی اسے تجارت اور کاروبار کرنے کی بھی اجازت تھی مگر عام طور پر ان کی حالت بہت ہی گری ہوئی تھی مرد عورتوں کا نگران اور مالک سمجھا جاتا بعض حالتوں میں وہ اپنی بیوی کو بیچ بھی سکتا تھا مردوں کے لئے زنا قابل تلافی جرم تھا مگر زانیہ کی سزا قتل تھی بانجھ بیوی بغیر کسی مزید سبب کے علیحدہ کی جا سکتی تھی۔

علوم و فنون شہروں میں متعدد مدرسے تھے جہاں بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ سمیری علم ریاضی کے ابتدائی اصولوں سے واقف تھے۔ فن طب کی طرف توجہ دی۔ سمیریوں نے لکھنے کا فن بھی ایجاد کر لیا تھا۔

اکادی تقریباً ۲۸۵۰ ق۔م میں سمیری حکومت ختم ہوئی تو اکادی قوم وادی دجلہ و فرات میں چھا گئی۔ اکادی سامی النسل تھے۔ صدیوں پہلے جزیرہ نما عرب سے نقل مکانی کر کے وادی دجلہ و فرات کے شمال مغربی گوشہ پر ایک شہر اکدہ (AGADE) بسا کر رہنے لگے تھے اکادی چونکہ غیر مہذب اور وحشی تھے اس لئے سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے بعد بھی سمیریوں کے دست نگر رہے اور ان کے تہذیبی اثرات کو قبول کرنے پر مجبور ہوئے یہی وجہ ہے کہ مورخین نے اکادی تہذیب کو خالص اکادی تہذیب کہنے کے بجائے سمیری، اکادی تہذیب کے نام سے موسوم کیا ہے اکادی قوم کے زوال کے بعد کوہ قاف کا ایک قبیلہ گوتیاں نے (GUTIANS) وادی دجلہ و فرات پر قبضہ کیا اور تقریباً سو سال تک اس علاقے کو لوٹتے رہے پھر جب ان کی طاقت کو بھی زوال آیا تو سمیری اکادی خاندان سے مختلف سرداروں نے مختلف شہروں پر تسلط قائم کر کے نئی ریاستوں کی بنیاد رکھی اور ایک نئے دور میں آغاز کیا جو "نیا سمیری دور" کہا جاتا ہے اس دور کے مشہور حکمرانوں میں پہلا نام جودیا کا آتا ہے جس نے اپنی دینداری اور مذہبی رجحان کی وجہ سے وہ قدر و منزلت حاصل کی کہ اس کی موت کے بعد اس کی قوم اس کو دیوتا کی طرح پوجنے لگی اس حکومت کے بعد عیلامی برسر اقتدار آئے عیلامیوں کے زوال کے بعد اموری خاندان برسر اقتدار آیا۔ اموری خاندان کے چھٹے بادشاہ حمورابی (HAMMURABI) نے دریائے دجلہ اور فرات کی تمام طاقتوں کو زیر کر کے ایک مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی اور شہر بابل کو وہ عظمت اور رونق عطا کی جو اس سے پہلے شاید ہی کسی شہر کو حاصل ہو سکی ہے حمورابی کے جانشین نا اہل تھے اس لئے حمورابی کی وفات کے بعد

دوسرے قبیلوں نے اس وادی کو اپنے حملوں کی آماجگاہ بنایا۔ شمال کی طرف آشوریوں نے ایک حکومت کی بنیاد رکھی اور جنوب و مشرق میں ایک قبیلہ کاسی نامی نے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کرلی اور بابلی حکومت کے جنوبی حصے کو اپنی ریاست میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ پھر حطیوں (HiTTiTES) نے حملے کر کے اموری خاندان کی حکومت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ حطیوں کے زوال کے بعد کاسی، سمیری، اکادی شہروں پر غالب آگئے کاسیوں نے تقریباً چھ سو سال تک وادی دجلہ و فرات میں حکومت کی ان کے طویل دور میں عام طور پر امن و امان رہا، صنعت تجارت اور زراعت کو ترقی ہوئی۔

چھ سو سال بعد میتانی ( ) عیلامی ( ) آرمینی ( ) قبیلہ ناشی ( ) نے کاسیوں پر حملے شروع کر دیئے اور ان کی طاقت کو پارہ پارہ کر دیا مگر یہ نئے حملہ آور خود بھی کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہ کر سکے اس لئے کاسیوں کی شکست کے بعد یہ علاقہ بدنظمیوں کا شکار ہوتا رہا اور تقریباً چار سال تک ایک طرح کی طوائف الملوکی پھیلی رہی اس دور کے حالات پردہ تاریک میں ہیں۔

اس خلفشار کے بعد تقریباً ۵۰۷ ق م جب آشوریوں نے طاقت پکڑی تو انہوں نے تمام طاقتوں کا قلع قمع کر کے شہر بابل پر قبضہ کرلیا اور قدیم سمیری اور اکادی شہروں و علاقوں کو اپنی سلطنت میں ملا لیا اور اشوری سلطنت کے زوال کے بعد ایک اور طاقتور سامی قبیلہ جو کلدانی بادشاہ نے میدیوں کی مدد سے آشوری دارالحکومت نینوا ( ) پر قبضہ کرلیا آشوریوں کی شکست کے ساتھ اس علاقہ کی تمام طاقتیں کلدانی اقتدار کے آگے سرنگوں ہوگئیں۔ کلدانیوں کے زوال کے بعد ایرانی بادشاہ خورس اعظم ( ) نے میدی حکمران استیاغیس ( ) کو مغلوب کر کے بابل پر چڑھائی کی اور دریائے دجلہ و فرات کی سرزمین ایران کی وسیع مملکت کا ایک جزبن گئی۔ ایرانیوں کا عروج تقریباً دو سو سال رہا اس کے بعد سکندر اعظم ( ) نے ایرانی شہنشاہ دارا سوم ( ) کو زیر کر کے ایران کو مع عراق یونانی سلطنت میں ضم کرلیا۔

عراق یا وادی دجلہ و فرات کا سیاسی پس منظر بیان کرنے کے بعد بابلی اور آشوری تہذیب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بابلی تہذیب

دنیا کے قدیم شہروں میں شہر بابل (BABYLON) ایک اہم تہذیب اور طویل تاریخ کا مالک ہے حضرت مسیح سے تقریباً تین ہزار سال پیشتر یہ شہر کلدانیوں کے نام سے مشہور رہا ہے شمالی علاقوں پر حملہ آور ہوا

دریائے فرات کے بائیں جانب آباد ہوا۔ لفظ بابل دو لفظ "باب" بہ معنی دروازہ اور "ایل" بہ معنی اللہ سے مرکب ہے (یعنی اللہ کا دروازہ) چونکہ یہ دونوں الفاظ سامی (یا قدیمی عبرانی) ہیں اس لیے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے اس کو آباد کرنے والے سامی النسل لوگ ہیں۔

حمورابی کا قانون

جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اکادیوں کے بعد اموریوں نے وادی دجلہ فرات پر تسلط قائم کیا ان کے ایک سردار سوموابو (SUMU-ABU) کی سرکردگی میں کش تک پھیل گئے اور ایک غیر معروف شہر بابل پر تسلط قائم کر کے ایک نئے شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔ جو بابل کا پہلا شاہی خاندان کہلاتا ہے اسی خاندان کے اندر تقریباً ۲۱۰۰ق م حمورابی (HUMMARABI) پیدا ہوا جو اس خاندان کا چھٹا بادشاہ سمجھا جاتا ہے اس نے اپنی فوجی عظمت اور طاقت سے تمام مخالف طاقتوں کو زیر کر کے ایک مضبوط شہنشاہیت کی بنیاد رکھی حمورابی کی اہمیت اور شہرت محض فوجی معرکوں اور فتوحات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا عظیم الشان کارنامہ وہ قوانین ہیں جو اس نے وضع کر کے اپنی سلطنت میں نافذ کیے۔

یہ ضابطہ قانون پورے کا پورا ۱۸۹۱ء میں شہر سوسہ کی کھدائی کے سلسلہ میں ایک پتھر پر کندہ دستیاب ہوا ہے یہ پتھر مخروطی ستون کی شکل کا ہے اس کی لمبائی سات فٹ چار انچ اور دو فٹ چوڑا ہے پتھر کی دونوں اطراف پر بابل کے قدیم میخی رسم الخط میں قانون کندہ ہے۔ یہ ستون آج کل پیرس کے مشہور لوور میوزیم (LOUREMUSEUM) میں رکھا ہے۔ حمورابی کے قوانین میں کمہار، درزی، معمار، ملاح اور انسانوں کے ڈاکٹر اور مویشیوں کے ڈاکٹر وغیرہ کی کم سے کم اجرتیں مقرر کر دی ہیں۔ نیز مویشیوں اور کشتیوں تک کا کم سے کم کرایہ مقرر کر دیا ہے تاکہ غریبوں پر کوئی شخص زیادتی نہ کر سکے اور ان سے کم اجرت میں یا بلا اجرت کام نہ لے سکے اسی شخصی حکومت کے زمانہ کا مقابلہ آج کل دنیا کی جمہوری اور مہذب حکومتوں سے کیا جائے جن کے زیر سایہ اب تک بیگار کا سلسلہ جاری ہے اور غریبوں کی حالت کسمپرسی کی ہے بابل میں غلام کو اجازت تھی کہ اپنی کمائی سے اپنی قیمت اپنے مالک کو ادا کر کے آزاد ہو جائے اور خود جائیداد کا مالک بنے اس قانون کی رو سے بیوی کو شوہر سے علیحدگی کا حق مردوں کے برابر ہے اور جائیداد کی ملکیت اور دیگر اختیارات سے عورتوں کا مرتبہ اس قدر بلند ہے یورپ کی عورتوں کو اس کی مانند صرف انیسویں صدی سے حاصل ہوا ہے بے حیائی اور زنا کی سزائیں

نہایت سخت تھیں بدکار مرد و عورت دونوں کو پانی میں ڈبو دیا جاتا تھا ایک پجاری عورت اگر شراب کی دکان پر چلی جائے تو اُسے زندہ جلا دیا جاتا۔ اس قانون کی وضاحت و متعلق قوانین مزید میں زراعت آب پاشی، پٹہ، بٹائی، باغبانی، چراغ اور سود وغیرہ سے دنیا کے اس سب سے پہلے لکھے ہوئے قوانین کا جو اس وقت چار ہزار سال پرانا ہے اس زمانہ کی کتاب توریت سے جو حضرت موسٰی پر کئی صدی بعد نازل ہوئی مقابلہ کر کے دکھایا گیا ہے کہ حمورابی کے احکام کی ۲۳۲ دفعات میں سے ۱۴۲ دفعات یعنی توریت میں ملتی ہیں۔

شاہی اختیارات اور نظام حکمرانی بابلی حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی بادشاہ تمام قوانین سے بالا سمجھا جاتا تھا دستوری طور پر اس کے اختیارات کی حد بندی نہیں کی جاسکتی تھی ریاست کے اندر اس کی ذات سب سے بلند اور مقتدر تھی وہ عدالت کا حاکم اعلیٰ فوج کا سردار اعلیٰ اور مذہبی پیشوا تھا اس کے رہنے کے لئے پایۂ تخت میں بڑے بڑے محلے تھے جہاں وہ شان و شوکت اور دبدبہ کے ساتھ رہتا تھا۔

ملکی انتظام کے لئے ریاست صوبوں اور ضلعوں میں منقسم تھی جس کے اعلیٰ حکام کو خود بادشاہ مقرر کرتا تھا اعلیٰ حکام مقامی سرداروں اور زمینداروں کی مدد سے اپنے علاقے کا انتظام کرتے تھے ہر صوبے میں فوج کا ایک دستہ بھی ہوتا تھا جس کا خرچ صوبے کے خراج سے پورا کیا جاتا تھا بعض علاقوں میں جاگیردار اور زمیندار ہی نظم و نسق کا کام انجام دیتے تھے۔ صوبائی حاکم جملہ شاہی مطالبات اور محصولات وصول کر کے بادشاہ کے پاس بھیجتا تھا۔ خراج اور محصول نقد اور جنس دونوں کی شکل میں ادا کئے جاتے تھے۔

فوج بابلی فوج جنگی رتھ اور پیادہ سپاہ پر مشتمل تھی ہر سپاہی کے پاس کم از کم تین اوزار، بھالا، تیر اور خنجر ہوتا تھا

عدالتیں بابلی عدالتیں تین قسم کی تھیں مذہبی عدالتیں، (۲) سرکاری عدالتیں (۳) پنچائتیں، آغاز میں مذہبی رسوم کے علاوہ مقدمات کے فیصلے بھی کاہن اور پروہت ہی کرتے تھے۔ بعد میں سرکاری عدالتیں قائم ہوئیں ان عدالتوں میں ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت ہوتی تھی اور یہاں کے قاضی بادشاہ کے مقرر کردہ ہوتے تھے پنچائتی نظام بہت ہی قدیم ہے بابل میں بھی پایا جاتا تھا تقریباً ہر آبادی میں پنچائتیں تھیں جو مقامی مقدمات کی سماعت کرتی تھیں اور ان کے فیصلے بالعموم تسلیم کر لئے جاتے تھے۔ پنچائتوں اور عدالتوں کے فیصلے کے خلاف اپیل کی اجازت بھی تھی اپیل صوبائی اور مرکزی عدالتوں میں ہوتی تھی بادشاہ خود بھی اہم مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔

قوانین

حمورابی کے قانون کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے یہ ضابطہ قانون کلدانی عہد تک ملک میں نافذ رہا، بعض بادشاہوں کے دور میں اس میں خفیف رد و بدل اور ترمیم بھی ہوئی بعض احکام منسوخ بھی ہوتے پھر بھی مجموعی طور پر اس ضابطہ کو ملکی قانونی حیثیت حاصل رہی

اہل بابل کا مذہب

بابلی مذہب کی اساس شرک و بت پرستی پر قائم تھی۔ مختلف کاموں کی انجام دہی پر مختلف دیوتا مقرر تھے۔ قبیلوں اور شہروں کے معبود جدا جدا تھے پھر بھی چند ایک ایسے تھے جو اپنی عالمگیر طاقت کے باعث پوری آبادی کے معبود سمجھے جاتے تھے سب سے بڑا دیوتا "ای" تھا جو عموماً "مچھلی نما" ہوتا تھا۔ سامی زیادہ تر "ای" کے بیٹے "مردوک" کے پجاری تھے۔ مردوک کے علاوہ شمس یعنی سورج اور دوسرے ستاروں اور سیاروں کی بھی پوجا بھی ہوتی تھی جس کی وجہ سے وہ لوگ صابئی یعنی ستارہ پرست کہلاتے تھے بارہ برج کی مناسبت سے "اینو" "ای" اور "بعل" کی تثلیث قرار دی گئی تھی۔ ستارہ پرستوں کی عبادت کا جزو اعظم غسل تھا وہ دن میں تین بار نہا کر عبادت کرتے تھے ان کی عبادت کے اوقات یہ تھے۔

اوّل صبح صادق سے طلوع آفتاب تک، دوسرے دوپہر کو آفتاب کے عین زوال کے وقت تیسرے شام کو آفتاب غروب ہونے تک ان کا قبلہ قطب ستارہ تھا۔ اسی طرف رخ کر کے دعائیں مانگتے تھے اور وہ روزہ رکھتے تھے مگر ان کا روزہ یہ تھا کہ کوئی جانور نہ ماریں اور نہ گوشت کھائیں لگر فاقہ کرنا ان کے یہاں ممنوع تھا۔ اس لئے وہ اور غذائیں خوب کھاتے اور دن بھر آرام کرتے یہی ان کا روزہ تھا۔ یہ لوگ بھوت پریت اور جادو سے بہت ڈرتے تھے ان سے بچانے کے لئے جادوگر اور عامل ان کے لئے تعویذ بناتے تھے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ برائی کرنے پر آسمان کے دیوتا ناراض ہو جاتے تھے اور دنیا پر بیماری قحط نازل ہوتی ہے اس لئے وہ برائی سے اجتناب کرتے تھے۔

اہل بابل کے نزدیک ستاروں کا اثر انسانوں کی قسمتوں پر پڑتا ہے اس لئے ستاروں اور سیاروں کی حرکت کا مطالعہ کرنے کے لئے بلند مندر بنائے جاتے تھے۔

اخلاق

عقائد اور اخلاق کا گہرا رابطہ ہے۔ عقائد میں جتنا خلوص اور عقلی پاکیزگی ہو گی اخلاق میں ویسی ہی شائستگی شرافت اور لطافت نظر آئے گی، بابلی مذہب کی بنیاد شرک بھی تھی اور شرک ہی تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس وجہ سے اہل بابل ہر قسم کی برائی میں ملوث تھے مذہبی راہنما عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے تھے عیاشی اور شراب نوشی مذہبی اور قانونی طور پر جائز تھی عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول میں کوئی شے حائل نہ تھی ہر مندر

سے کنیز عورتیں وابستہ تھیں جو پروہتوں کی بیویاں اور لونڈیاں سمجھی جاتی تھیں ملک میں کثرت سے شراب خانے تھے جن کو عورتیں چلاتی تھیں۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے لوگوں میں خوش وضعی اور بانکپن پایا جاتا ہے مردوں کے فیشن پر نسوانیت غالب تھی نوجوان بالوں کو رنگ لیتے تھے اور عورتوں کی طرح جوڑا باندھتے تھے۔ سرخ غازہ ملتے تھے۔ ہار، کنگن، بالیاں اور اسی طرح کے زیورات پہنتے تھے۔ شریف گھرانے کی عورتیں زیادہ سے زیادہ حسین بن کر دوسروں کے سامنے نمائش کرتی تھیں، رنگ رلیاں منانے کے لئے ہزاروں اڈے قائم تھے۔ اہل بابل نے عیاشیوں کے اتنے طریقے ایجاد کر لئے تھے کہ ان کو دیکھ کر سکندر بھی حیران رہ گیا تھا۔

عورتوں کی حیثیت اور غلامی

قدیم قوموں کا یہ نظریہ تھا کہ بیٹی باپ کی جائیداد کا ایک حصہ ہے اسے بیٹی کو بیچنے کا حق ہے بابل میں بھی یہی نظریہ کارفرما تھا۔ لڑکے کے نکاح کی ذمہ داری باپ پر تھی وہ اس کے لئے کوئی لڑکی خرید کر لے آتا تھا اور اس سے اس کی شادی کر دیتا تھا عام رواج یہ تھا کہ لڑکے کا باپ لڑکی کے باپ کے پاس جاتا اور اس کی قیمت طے کرتا اور قیمت طے ہو جاتی تو باضابطہ ایک معاہدے کے ذریعے نکاح نامہ تحریر کر دیا جاتا جس پر متعلقہ اشخاص اور گواہوں کی مہریں ثبت کر دی جاتیں۔ باپ کی جائیداد پر جہیز کے علاوہ کوئی اور حق نہیں رکھتی تھی وہ قانونی اور مذہبی طور پر ترکہ اور میراث سے محروم تھی۔ مرد کو طلاق دینے کا حق حاصل تھا وہ کسی عذر اور کسی بنا پر بیوی کو علیحدہ کر سکتا تھا اسے بیوی کو فروخت کرنے اور رہن رکھنے کا بھی حق حاصل تھا عورت کسی حالت میں بھی اپنی خوشی سے شوہر سے علیحدہ نہیں ہو سکتی تھی اسے خلع کا حق حاصل نہ تھا۔ اگر غلطی سے بھی وہ شوہر سے کہہ دیتی کہ "تم میرے شوہر نہیں ہو" تو اسے بڑا جرم سمجھا جاتا اور اس جرم میں اسے ڈبو دیا جاتا۔

بابل میں کثرت ازدواج کا بھی رواج تھا بیویوں، لونڈیوں کی تعداد مرد کی مالی حالت پر منحصر تھی بابلی شہروں میں غلاموں اور عورتوں کی خرید و فروخت کے لئے بازار لگتے تھے ان بازاروں میں باپ اپنی بیٹیوں کو بیچنے کے لئے لے جاتے تھے اور زیادہ داموں پر انہیں فروخت کرنے کی کوشش کرتے اس طرح کی خرید و فروخت مذہبی اور قانونی طور پر جائز تھی۔

تحریر و ادب

بابلی رسم الخط میخی [illegible] تھا بائیں سے دائیں جانب لکھا جاتا تھا بابلی زبان میں ہجے نہ تھے بلکہ ہجا (SYLLABLES) تھے تقریباً تین سو ہجا ایجاد کئے جا چکے تھے۔ بابلی ادب میں جانوروں کی کہانیاں، افسانے اور نظمیں ملتی ہیں مذہبی نظموں میں عروض کی سختی سے پابندی کی گئی ہے نظموں میں سب سے دلچسپ جلجمش کی رزمیہ نظم ہے جو بارہ شکستہ

تختیوں پر لکھی ہوتی ہے۔

بابل کا تاریخی ادب تختیوں پر موجود ہے جو شاہی فتوحات، معبد کی تبدیلیوں اور شہر کے اہم واقعات پر مشتمل ہے۔

سائنس

اہل بابل نے علم نجوم، ریاضیات اور علم ہیئت کے مبادیات سیکھے تھے اپنے دور عروج میں ان شعبوں کو انہوں نے مزید ترقی دی۔ علم نجوم اور علم ہیئت سے ان کو خاص لگاؤ تھا اسی سائنس کی وجہ سے قدیم دنیا میں ان کو شہرت تھی۔

بخت نصر کے عہد تک وہ آفتاب ماہتاب اور زمین کے محور سے واقف ہو چکے تھے اور سب سے پہلے اہل بابل نے ستاروں اور سیاروں کا فرق بتایا تھا اور وہ سیاروں کی چال سے اس حد تک واقف تھے کہ گرہن کا ٹھیک ٹھیک وقت بتا دیتے تھے انہوں نے وقت کی پیمائش کے لئے دھوپ گھڑی ایجاد کر لیا تھا بابلی سال قمری تھا جو بارہ قمری مہینوں میں منقسم تھا اہل بابل نے طب کی طرف بھی توجہ دی تھی مگر اس سائنس کو زیادہ ترقی نہ دے سکے۔

صنعت، دست کاری اور فنون لطیفہ

اہل بابل نے صنعت، دست کاری اور فنون لطیفہ میں خوب ترقی کی انہوں نے سوتی اور اونی کپڑے کے کارخانے قائم کئے اور طرح طرح کے رنگ وضع سے کپڑے بنانے لگے وہ ظروف، زیورات اور پتھر کی اینٹوں پر جلا دینا جانتے تھے اس فن میں بھی انہیں مہارت حاصل تھی ان کے بڑھئی عمدہ عمدہ کرسیاں، میزیں، مسہریاں اور دوسرے چوبی سامان تیار کرتے تھے اور ان پر رنگ چڑھانا جانتے تھے ان کو زیورات اور نگینہ سازی سے بھی لگاؤ تھا اہل بابل کے صناعوں، دھات پگھلانا صاف کرنا اور ڈھالنا جانتے تھے۔

بابلی تہذیب میں گانے بجانے اور ناچنے کا بھی رواج تھا ان کے سازوں میں سارنگی، بانسری، بربط، شہنائی، ڈھولک، طبلہ، باجا، ناقوس اور تنبورے شامل تھے۔ مصوری اور سنگ تراشی کا شوق بابل میں پایا جاتا تھا۔

تعمیرات

اہل بابل نے تعمیرات میں بہت ترقی کی بابل کی تمام عمارتیں اینٹوں کی بنی ہوتی تھیں عمارتوں میں سب سے بلند اور جاذب نظر وہ مینارہ ہے جو تاریخ میں مینارہ بابل کے نام سے مشہور ہے یہ مینارہ ۶۵۰ فٹ بلند اور سات منزلوں پر مشتمل ہے مینار بابل کے شمال میں تقریباً چھ سو گز کے فاصلے پر بخت نصر کا شہرۂ آفاق قلعہ تھا جو قصر کے نام سے مشہور ہے محل کے قریب ہی مدور دمدموں کے اوپر وہ مشہور آویزاں باغ تھا جو زمین سے پچھتر فٹ بلندی پر واقع تھا جس کو یونانیوں نے دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک شمار کیا ہے

اشوری تہذیب

سیاسی پس منظر

وادی دجلہ و فرات کی دوسری اہم تہذیب کا نام اشوری تہذیب ہے۔ اس تہذیب کو بھی جنم دینے والا اور فروغ دینے والا ایک سامی قبیلہ ہے۔ جو اموریوں کی طرح جزیرہ نمائے عرب سے ہی اٹھا تھا اور ایک بت کی پرستش کرتا تھا جو آشور (ASHUR) کے نام سے مشہور تھا۔ اس بت کی طرف منسوب ہو کر وہ قبیلہ آشور اور اس کی ریاست آشوریہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

اشوریوں نے اس دیوتا کے نام پر ایک شہر بھی بابل سے شمال کی طرف تقریباً تین سو میل کے فاصلہ پر دریائے دجلہ کے کنارے آباد تھا۔ اشوری حکومت کے دور اول میں وہی ریاست کا پایہ تخت رہا۔ سنہ ۱۱۰۰ ق م کے قریب اس ریاست نے بہت ترقی کی۔ اشور ناصر (نیند) پال (ASUR - NASIR - PAL) نے ۸۸۴-۸۵۹ ق م میں حکومت کی توسیع کی۔ ۲۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۸۵۹ ق م میں مرا۔ اشور ناصر پال کی موت کے بعد اس کا جانشین شلما ناصر دوم (SHALM NASIR II) ۸۵۸-۸۲۴ ق م میں حکمران رہا۔ اس زمانہ میں حضرت یونس تبلیغ مذہب کے لئے نینوا آئے تھے۔ جہاں وہ قید کر لئے گئے۔ اس کے ایک صدی بعد تغلد بلاسر سوم (TIGLATH PILASER III) نے ۷۴۵-۷۲۷ ق م میں حکومت کی۔ اور اس کے زمانہ میں سلطنت کو بہت عروج ہوا۔ اس نے شہر بابل فتح کیا۔ اس وقت تمام دنیا کی بڑی حکومتوں کے مالک کا جس قدر رقبہ تھا۔ اس میں سے بیالیس فیصد تنہا بابل کی حکومت کے قبضہ میں تھا۔

شاہ موصوف کے بیٹے کی چند سالہ حکومت کے بعد ایک سپہ سالار نے تخت و تاج پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ سارگن دوم لقب اختیار کیا۔ اس نے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے ان کے دس قبائل کو اپنے گھروں سے اجاڑ کر دوسرے علاقوں میں آباد کیا۔ اور مغرب کی طرف سلطنت کو بہت وسیع کیا۔ اشور بنی پال (ASSHUR BANI PAL) نے ۶۶۸-۶۲۶ ق م میں مصر و شام سے لیکر ایران تک اور ارمینیا سے لے کر شمال عرب تک حکومت کی۔ اس نے پہلی بار لوہے کے ہتھیار استعمال کئے۔ شاہ مذکور نے نینوا میں عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا۔ جس کی دس ہزار لکھی ہوئی اینٹیں پچھلے زمانہ میں برآمد ہوئی ہیں۔ اس کے انتقال پر نینوا کی حکومت ختم ہو کر پھر بابل کی طرف منتقل ہو گئی۔

طرزِ حکومت اشوری حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ باپ کے بعد بیٹے ہی کی تخت نشینی کا رواج تھا۔ عموماً بڑا بیٹا باپ کی جگہ لیتا تھا۔ مگر بڑے بیٹوں کی موجودگی میں چھوٹے کی جانشینی کی مثال ملتی ہے۔

فوجی تنظیم بڑی تعداد میں فوج رکھی جاتی تھی۔ فوجی افسر بڑی بڑی جاگیروں کے مالک تھے۔ ان کی فوجیں اس دور کے جدید اسلحہ سے آراستہ ہوتی تھیں۔ ان کے اسلحوں میں تیر کمان برچھے، بھالے، نیزے، تیغے، گرز، کلہاڑے، گنڈے اور منجنیق تھے۔ اشوری فوج، رتھ سواروں، گھوڑے سواروں، پیادہ اور قلعہ شکن دستوں پر مشتمل تھی۔

مذہب و اخلاق اشوری مشرک اور بت پرست تھے۔ ان کا سب سے بڑا اہم اور قومی دیوتا اشور (ASHUR) تھا یہ سورج دیوتا (SUN GOD) تھا۔ جو نہایت جنگجو اور دشمنوں کے مقابلے میں بڑا ظالم سمجھا جاتا تھا۔

اشور کے علاوہ وہ چند سمیری اور بابلی معبودوں مثلاً شمس، بیل، عشتر، ننار کی بھی پرستش کرتے تھے۔ اشوری معاشرہ پر مذہب کا اثر بہت ہلکا اور سطحی تھا۔ مذہبی امور کو انجام دینے کے لئے گو پروہتوں کا ایک طبقہ موجود تھا۔ مگر اس کے اثر و اقتدار کا دائرہ بہت مختصر تھا۔ اشوریوں کی صرف ایک مذہبی کتاب دستیاب ہو گئی ہے۔ جس میں بدشگونیوں کی ایک فہرست ہے اور ان سے بچنے کی تدابیر درج ہیں۔

اشوری ایک جنگجو اور سفاک قوم تھی۔ جب کسی قوم پر فتح حاصل کر لیتی تو مردوں، عورتوں بچوں کو تہ تیغ کر دیتے یا قید کر کے غلام بنا لیتی۔ ظلم و سفاکی کے ساتھ ان میں دوسری اخلاقی برائیاں بھی تھیں۔ شراب نوشی، عیاشی عام تھی۔ طوائف کا پیشہ ان کے نزدیک معیوب نہ تھا۔

عورت کی حیثیت بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی۔ عورتوں کی فروخت و خرید ہوتی تھی۔ مرد اپنی بیویوں کو بیچنے کا حق رکھتا تھا۔ عورتوں کی حیثیت بابل کی نسبت وہاں زیادہ گری ہوئی تھی۔

قوانین اور عدالتیں محکمہ عدلیہ، انتظامیہ میں مدغم تھا۔ بادشاہ عدلیہ کا حاکم اعلیٰ تھا۔ چونکہ مذہبی پیشوا اور دیوتا کا اوتار بھی تھا۔ اس لئے اس کا ہر حکم قانون اور خدائی ارادہ کا مظہر تھا۔ اس کی اطاعت لازمی تھی۔

شہروں میں بادشاہ کے مقرر کردہ حکام اور جاگیردار تھے۔ جو عدالتی فرائض انجام دیتے تھے۔

۲۰۰ - ۲۱

مذہبی نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا حق پروہتوں کو بھی حاصل تھا۔

اشوری قوانین ساری اور بابلی ضابطہ قانون سے ماخوذ تھا۔ بعض حالتوں میں ان کے قوانین زیادہ سخت تھے۔ سزاؤں میں درے لگانا، کان کاٹنا، آنکھیں نکالنا، زبان کھینچ لینا، صلیب پر چڑھانا، زندہ جلا دینا، پانی میں ڈبو دینا اور قتل کرنا شامل تھا۔ زنا بالجبر، چوری اور ڈاکہ زنی سنگین جرم سمجھے جاتے تھے۔ اسقاط حمل ان کے نزدیک سخت گناہ تھا۔ اس کوشش میں کوئی عورت مر بھی جاتی تو اس کی لاش کو صلیب پر لٹکا دیتے تھے۔

علم وادب اشور بنی بال کے کتب خانے کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس زمانہ میں اتنی تختیوں کو اکٹھا کرنا علمی ذوق کا ثبوت دیتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ علمی ذوق ان میں بڑھا ہوا تھا۔ ان تختیوں میں ادب، لغت، تاریخ اور سائنس کا مواد پایا جاتا ہے۔ اشوری لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لکھنے کا فن اہنوں سے ارامیوں سے سیکھا تھا۔

سنگ تراشی فن حرب کے بعد دوسرا فن جس کو آشوریوں نے خاص طور پر ترقی دی، سنگ تراشی ہے۔ ان کے سنگ تراشی کے نمونے بکثرت دستیاب ہوئے ہیں۔ بادشاہوں کے جنگی کارنامے وسیع سنگی تصاویر کے ذریعے دکھائے گئے ہیں۔ بادشاہوں کے مجسموں میں آشور ناصر بال دوم کا مجسمہ سب سے دلکش ہے۔ اس فن کی تمام خوبیاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ آج کل یہ مجسمہ برطانیہ کے عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے۔

تعمیرات اشوریوں نے تعمیرات کے فن کو بھی ترقی دی۔ اشوری بادشاہوں نے بڑے بڑے محلات اور عمارتیں بنوائیں۔ اب صرف نشانات ملتے ہیں۔ سرگون دوم نے ایک عظیم قلعہ نینوا کے شمال مشرق میں بنوایا۔ یہ عمارت پچیس ایکڑ قطعہ ارض میں واقع ہے۔ اس کا احاطہ ایک میل مربع تھا۔ اسی طرح ایک محل سناخریب نے بھی بنوایا۔ جسکو وہ "بے نظیر" کہا کرتا تھا۔

دستکاری وہنر آشوریہ میں بڑے بڑے ماہر کاریگر صناع اور اہل ہنر موجود تھے وہ اینٹوں اور ظروف پر پالش کرنا، جلا دینا اور رنگ چڑھانا جانتے تھے۔ آبنوس اور ہاتھی دانت کا سامان تیار کرتے تھے۔ ان کے کاریگر طرح طرح کے چوبی سامان بناتے تھے جو سونے چاندی سے منڈھے ہوتے اور جواہرات سے مزین ہوتے تھے۔

صنعت اور کارخانے آشوریہ میں اسلحہ اور کپڑے کے بڑے بڑے کارخانے تھے۔ اسلحہ پیتل اور تانبے کے ظروف، مجسمے کثرت سے بنتے تھے۔

زراعت اشوریہ زراعتی ملک تھا۔ گیہوں، جو، باجرہ، تیل کے بیج اور دالیں پیدا ہوتی تھیں۔

تجارت زرعی اور صنعتی ملک ہونے کی وجہ سے تجارت کو بہت فروغ ہوا تھا۔ اشوریہ سلطنت کی مصنوعات اور اناج باہر جاتا تھا۔

فلسطین

فلسطین ایک چھوٹا سا ملک صرف ڈیڑھ سو میل لمبا اور پچاس میل چوڑا ہے۔ زمانہ قدیم میں اس خطہ کی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ وہ مصر، شام اور بابل کی عظیم الشان حکومتوں کے درمیان واقع تھا۔ اور ان ممالک کا گزرگاہ تھا اس لئے وہاں کوئی پائیدار اور مستقل حکومت قائم نہ ہو سکی۔ اور جب ہوئی تو بڑے پایہ کی ہوئی۔

فلسطین کی دوسری اہمیت اس وجہ سے تھی کہ وہاں یکے بعد دیگرے کثیر التعداد پیغمبر مبعوث ہوئے۔ جن کی وجہ سے وہ بڑا مرکز بن گیا۔ یہودیوں کی روایات کی رو سے فلسطین ابتداء میں حضرت نوح کے پوتے اور حام کے بیٹے کنعان اور اس کی اولاد کا مستقر تھا۔ اس نام کی مناسبت سے فلسطین کے اس حصہ کو کنعان کہا جاتا تھا۔ جو دریائے اردن کے مغربی کنارے بحیرہ روم کے ساحل تک پھیلا ہوا تھا۔ جسے آج کل فلسطین کہتے ہیں۔ یہاں کے باشندے کنعانی یا فنیقی کہلائے۔

فنیقی (PHOENICIAN) فنیقیوں نے جہازران، صناع اور تاجر ہونے کی حیثیت سے دنیا میں بے مثال شہرت حاصل کی۔ فنیقی بہت بڑے من چلے تھے۔ وہ سمندر کے کنارے آباد تھے۔ ان کی توجہ بحری تجارت کی طرف ہوئی۔ ساحل شام پر صور اور صیدا ان کی مشہور بندرگاہیں تھیں۔ جہاز تیار کرکے انہوں نے پہلے اپنا مال جزیرہ قبرص میں پہنچایا۔ جو زیادہ دور نہ تھا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے بڑھتے جزیرہ کریٹ میں گئے پھر افریقہ اور یورپ کے ساحل پر جا بجا تجارتی کوٹھیاں بناتے اور سسلی (صقلیہ) کارسیکا، سارڈینیا ہوتے ہوئے اسپین تک جا پہنچے۔ بلکہ جبل طارق سے گزر کر یورپ اور افریقہ کے مغربی ساحلوں پر بھی تجارت کے مراکز قائم کیے۔ ایشیا میں ان کی تجارت یمن کے راستے ہندوستان تک تھی۔ دوسری طرف قفقاز تک ان کے قافلے جاتے تھے۔ واسکوڈی گاما (VASCO-DE-GAMA) سے تقریباً دو ہزار سال قبل، ۶۰۰ ق م میں انہوں نے راس امید کا راستہ

معلوم کر لیا تھا۔

فلسطین میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آمد

حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے شہر "فدان آرام" میں بائیسویں صدی قبل مسیح آذر کے گھر میں پیدا ہوئے۔ مگر تورات کے مطابق حضرت ابراہیم شہر "عور" کے باشندے اور تارح کے بیٹے تھے۔ ولدیت کے اس اختلاف کی توجیہہ تو مولوی حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے اپنی کتاب قصص القرآن میں بتائی ہے کہ اوار، کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں۔ اور عربی میں یہی آذر کہلایا۔ تارح بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا۔ اس لئے آذر کے نام ہی سے مشہور ہوگیا۔ حالانکہ یہ نام نہ تھا بلکہ لقب تھا۔ چونکہ لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن عزیز نے بھی اسی نام سے پکارا۔ جب عراق کے بت تراش بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سچی خدا پرستی کی بنا پر وطن سے نکال دیا۔ تو آپ اپنی بیوی سارہ کو ساتھ لے کر فلسطین پہنچے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی اشاعت کے لیے دو بڑے مرکز قائم کئے۔ ایک مرکز کعبہ تھا۔ جس کے آس پاس مکہ معظمہ آباد ہوا اور اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کو اس کی نگرانی سونپی۔ دوسرا مرکز فلسطین تھا جس کی تولیت اپنے دوسرے لڑکے حضرت اسحاق کے سپرد کی۔ حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوب تھے۔ جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بنی اسماعیل مشہور ہوئی۔

بنو اسرائیل مصر میں

فلسطین میں قحط پڑ گیا۔ جس سے تنگ آ کر اسرائیل مصر گئے اور وہاں رہ پڑے۔ وہاں کے قیام کے زمانے میں حضرت یوسف جو حضرت یعقوب کے بیٹے تھے۔ مصر کے وزیر ہو کر عزیز مصر کہلائے۔ آپ کے عزیز مصر ہو جانے کے چند سال بعد آپ کا خاندان بھی مصر منتقل ہو گیا۔ اور اس مقام پر آباد ہوا جسے "جشن" یا گوشن (GOSHEN) کہتے ہیں۔ آپ نے تقریباً اسی سال مصر پر حکومت کی۔ بائبل کی روایت کے مطابق ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور ان کی وجہ سے بنی اسرائیل کو وہاں بڑا عروج ہوا۔ اس زمانہ میں سامیوں کے خاندان "ہائیکسوس" کی حکومت تھی۔ جب انکی حکومت ختم ہو کر پھر قدیم مصریوں کی حکومت قائم ہوئی۔ تو فرعون وقت نے اسرائیل پر بڑے مظالم ڈھائے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا جو چھ لاکھ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے ۱۳۹۱ ق م میں نکال لائے۔

یہودیت کی تاریخ

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکلے اور کوہ سیناکے

قریب خیمہ زن ہوئے۔ یہاں تقریباً ایک سال ٹھہرے اور یہیں آپ کو حکم ہوا کہ فلسطین کی طرف بڑھ کر اسے فتح کرلیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے بارہ اشخاص کو ارض کنعان (فلسطین) کی حالت دریافت کرنے کیلئے بھیجا۔ وہ چالیس دن کے بعد واپس آئے اور کل حال بیان کیا۔ ان میں سوائے کالب اور یوشع کے بقیہ دس نے یہ اطلاع دی کہ وہاں کے باشندے بڑے قدآور اور جنگجو ہیں ان کا مقابلہ کرنا سخت دشوار ہے یہ سن کر بنی اسرائیل گھبرا گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ وہ لوگ ہرگز فلسطین کی جانب نہیں جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بہت تسلی دی کہ خدا نے وہ علاقہ بنی اسرائیل کو دینے کا وعدہ کیا ہے اس لئے وہ ضرور کامیاب کرے گا۔ ان کو ہمت سے کام لینا چاہیئے۔ مگر بنی اسرائیل آگے بڑھنے پر رضامند نہ ہوئے۔ اور آخر میں یہ کہہ دیا کہ "اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم ہرگز نہیں جائیں گے۔ پس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں" (القرآن) ان کے اس انکار اور سرکشی کے جرم میں خدا نے چالیس سال کے لئے ان پر مسکنت اور ذلت مسلط کر دی۔ چنانچہ چالیس سال تک دشت سینا میں مارے مارے پھرتے رہے۔ اسی بادیہ پیمائی کے زمانے میں حضرت موسیٰ پر دس مشہور احکام اور عبادت و سیاست سے متعلق دوسرے احکام نازل ہوئے۔ جو کتب مقدسہ میں درج ہیں۔ اور یہیں بنی اسرائیل نے سامری کے بہکانے پر بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ اس چالیس سال کے عرصے میں وہ تمام لوگ سوائے کالب اور یوشع کے جن کی عمر مصر سے خروج کے وقت بیس سال تھی۔ انتقال کر گئے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون کا بھی انتقال ہو گیا۔ چالیس سال بعد نئی نسل یوشع کی سرکردگی میں آخر فلسطین کے علاقے میں داخل ہوئے۔ پہلے اس نے یریحو (JERCHO) کو فتح کیا۔ اس کے بعد یعنی خروج سے تقریباً ۵۰ سال بعد فلسطینیوں کو شکست دی کر فلسطین کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ مگر اوائل میں انکی جو حکومت قائم ہوئی وہ بہت ہی مختصر علاقے کے اندر محدود تھی۔ اس کا سربراہ بمنزلہ قاضی ہوا کرتا تھا جو مقدمات کے فیصلے اور کاروبار کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ اس طرح قبائلی یا عدالتی نظام تقریباً تین سال تک چلتا رہا اس کے بعد بنی اسرائیل کی ایک سلطنت وجود میں آئی۔

۱۰۲۰ء ق م بنو اسرائیل نے اپنے نبی سموئیل (SAMUAL) سے درخواست کی کہ ان کے لئے بادشاہ مقرر کرے۔ چنانچہ طالوت بادشاہ مقرر ہوا۔ ۱۰۰۰ء ق م میں طالوت نے وفات پائی۔ ان کے بعد ۱۰۰۰ء ق م میں حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے۔ ۹۶۰ء ق م میں وفات پا گئے۔ حضرت داؤد نے یروشلم کے قدیم شہر کی از سر نو تعمیر کی ۹۶۰ء ق م سے ۹۲۵ء ق م

تک حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ انہوں نے قلعہ سلیمانی اور بیت المقدس کی تعمیر کی۔ بیت المقدس کی تعمیر میں سات سال لگے۔ حضرت سلیمان کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ شمالی حصہ میں بنی اسرائیل کے دس قبیلے آباد تھے اس کا نام سلطنت اسرائیل تھا اور اس کا دارالخلافہ سامریہ (SAMARIA) تھا جس کو عمری بادشاہ اسرائیل (OMARI) نے آباد کیا۔

جنوبی سلطنت کو سلطنت جوڈا (JUDAH) کہتے تھے اور بن یامین (BENJAMIN) کی اولاد رہتی تھی۔ اس کا دارالخلافہ یروشلم رہا۔ یہ دونوں سلطنتیں ہمیشہ برسرپیکار رہیں باہمی جنگ و قتال کی وجہ سے ہمسایہ سلطنتوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ۷۲۱ ق۔م میں شاہان آشور بنی اسرائیل کے دس قبیلوں کو گرفتار کر کے لے گئے اور اشور اور میڈیا کے درمیان انہیں آباد کیا اس طرح ۵۸۶ ق۔م میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے اہل فلسطین کی سرکشی اور محصول نہ دینے کے قصور میں یروشلم پر حملہ کیا مسجد بیت المقدس کو برباد کیا اور تین سرداروں پر مقدمہ قائم کر کے معہ دس ہزار یہودیوں کے بابل لے گیا یہ لوگ وہاں پچاس سال رہے ۵۳۶ ق۔م میں ایران کے بادشاہ کیخسرو نے بابل کو شکست دے کر یہودیوں کو قید سے رہائی دلائی اور یہ لوگ اپنے وطن میں واپس آئے تب حضرت دانیال نے برباد شدہ بیت المقدس کی از سر نو تعمیر شروع کی مورخین کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کو قید بابل کے زمانہ میں جہاں ایرانیوں کی حکومت تھی پوری آزادی تھی۔ اس آزادی نے ان کے تمدن و معاشرت کو بلند کیا اور ان میں قومی احساس پیدا کیا اسی زمانہ میں جو ۴۴۴ ق۔م کے قریب تھا ان کے پیشواؤں کو صحائف آسمانی جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا اس بارہ میں حضرت عزرا اور حزقیل کے نام خاص طور پر آتے ہیں جنہوں نے عہدنامہ قدیم کی ترتیب دی

یہودی عقائد اور رسوم

یہودی اہل کتاب ہیں اور شریعت موسوی کی پیروی کرتے ہیں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توحید کی تعلیم دی تھی اس لئے یہود موحد سمجھے جاتے ہیں مگر ان کا خدا یعنی یہودا یا یہوا صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے۔ کبھی بھی ان کے ذہن میں ایک قادر مطلق رب العالمین کا تصور جگہ نہ پا سکا۔ انہوں نے خدا کی رحمانیت کو بنی اسرائیل کے لئے محدود اور اس کی قہاریت اور غذاب غیر اسرائیلی کے لئے مختص کر دیا ہے۔ توحید کا صحیح تصور ذہن میں نہ آنے کی وجہ سے یہود اکثر بت پرستی میں مبتلا ہوئے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں

سامری کے بہکانے پر بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔ بعد ازاں حضرت عزیر کو جو دینِ موسوی کے مجدد تھے اتنی تعظیم و تکریم کی کہ ان میں سے بعض نے ان کو خدا کا بیٹا (ابن اللہ) بنالیا۔ یہود آخرت اور رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور رسل کے پیرو ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

یہود کے مذہبی رسوم میں قربانی اور ختنہ کو اہمیت حاصل ہے۔ یوم السبت یعنی ہفتہ کا دن متبرک اور محترم سمجھا جاتا ہے۔ دوسری اہم رسوم یہ ہیں۔ کہ جب کوئی ان کے مذہب میں داخل ہوتا تو اسے غسل دیتے اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ گناہوں سے پاک ہوگیا ہے۔ اس رسم کو مذہبی اصطلاح میں "اصطباغ" یا بپتسمہ کہتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ

۱۔ میرے سوا کسی دوسرے کو معبود نہ بنانا۔

۲۔ کسی جاندار کی صورت نہ بنانا اور اسے سجدہ نہ کرنا۔

۳۔ خدا کے نام کی تعظیم کرنا بے فائدہ اس کا نام نہ لینا۔

۴۔ سبت کے دن کی تعظیم کرنا۔ چھ دن کام کرنا اور ساتویں دن کوئی کام نہ کرنا۔

۵۔ خون نہ بہانا

۶۔ ماں باپ کی عزت کرنا۔

۷۔ زنا نہ کرنا۔

۸۔ چوری نہ کرنا۔

۹۔ اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔

۱۰۔ اپنے ہمسایہ کے مکان، بیوی، خادم، خادمہ، مویشی اور ہر چیز کی طرف لالچ کی نگاہ نہ ڈالنا۔

عیسائیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ پیدائش اور جائے پیدائش کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ اگر متی کی انجیل کے مطابق احتیاط سے حساب لگایا جائے۔ تو حضرت مسیح کی پیدائش کا زمانہ ۸ھ اور ۶ سنہ قبل مسیح کے درمیان ہے۔ موجودہ تحقیق کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش گلیلی (GALILEE) کے علاقہ میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا،

جس کا نام یہودی کتب میں بیتھلیہن الناصریہ (BETHLEHEN-EN-NOSIRYYAH) لکھا ہے اس گاؤں میں مریم اور ان کی بہن کا آبائی مکان تھا۔ جب حضرت مریم حاملہ ہوئیں تو وہ بیت الحم کے قصبہ میں اس آبائی مکان میں اپنی بہن کے پاس آگئیں۔ انجیلوں میں حضرت عیسٰی کو کئی ایک جگہ یسوع گلیلی والا یا یسوع ناصری کہا گیا ہے۔ لوقا (۴: ۱۶) میں لکھا ہے کہ یسوع کا اپنا شہر ناصرہ (NAZARETH) تھا۔ جہاں پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔ بائبل کی انسائیکلوپیڈیا (COL. ۳۳۶۱) میں صاف لکھا ہے کہ مسیح بیت الحم جوڈا میں نہیں بلکہ ناصرہ میں پیدا ہوئے۔

ان کی پیدائش اعجازی رنگ میں بغیر باپ کے ہوئی۔ یہودیوں نے اس وجہ سے آپ کی والدہ حضرت مریم پر تہمت لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو حکم دیا کہ جب لوگ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت کے بارہ میں سوال کریں تو تم صرف یہ کہہ دو کہ یہ بچہ خود سب کچھ بتائے گا۔ چنانچہ جب حضرت مریم سے دریافت کیا گیا۔ تو اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے خود بچہ کی زبان سے کرائی۔ قَالَ اِنِّی عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (مریم ۱۹: ۳۰) عیسٰی نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام تیس سال کے ہوئے تو انہوں نے یوحنا سے بپتسمہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے نبی بنا کر بھیجا۔ آپ یہود کی ضلالت اور برائیوں کی نشاندہی کرتے تھے اس لئے وہ آپ سے برہم ہوئے۔ یہودی علما نے ان پر حکومت کا باغی ہونے کا الزام لگایا اور رومی گورنر سے پھانسی کی سزا کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ سلطنت روم کے مقامی گورنر پیلاطوس نے یسوع مسیح کو صلیب پر لٹکا دینے کی سزا کا حکم صادر کر دیا۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھا لیا۔"

اناجیل عیسائیوں کی مقدس کتاب انجیل ہے۔ انجیل حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانے کے کافی دیر بعد لکھی گئی۔ چار مختلف اشخاص نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اقوال کو مرتب کیا۔ اس لئے اناجیل کی تعداد چار ہے۔ انجیل متی، مرقس، لوقا اور یوحنا۔ یہ چاروں صحیفے عہد نامہ جدید کے اندر شامل ہیں۔ اور بائبل کا ایک حصہ ہیں۔

انجیل متی کے زمانہ تالیف کے متعلق عام نظریہ یہ ہے کہ یہ ۵۰ء اور ۶۰ء کے درمیان تالیف ہوئی۔ لیکن پروفیسر ہارنک کی تحقیق کے مطابق اس کا زمانہ تالیف ۵۰ء اور ۷۰ء کے درمیان ہے۔ انجیل مرقس کا زمانہ تالیف ۵۶ء اور ۶۳ء کے درمیان ہے۔ انجیل لوقا کا زمانہ تالیف ۶۳ء کے قریب ہے۔ انجیل یوحنا کا سن تالیف ۶۵ء سے لے کر ۷۰ء

تک بیان کیا جاتا ہے۔ یہ چاروں اناجیل مرتبین کے ناموں سے منسوب کی گئی ہیں

تعلیمات

دوسرے انبیاء کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم بھی توحید، آخرت، جزاو سزا اور ایمان بالرسالت پر مبنی ہے۔ آپ نے فروتنی، عاجزی، قناعت اور صبر پر زیادہ زور دیا ہے۔

توحید :۔ انجیل مرقس میں لکھا ہے "اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند خدا سے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ

آخرت۔ و جزاو سزا :۔ متی میں لکھا ہے "فرشتے بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اس وقت راست باز لوگ اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے"

ایمان بالرسالت

ور یسوع نے پکار کر کہا کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے۔

اخلاقی تعلیم

انجیل متی میں لکھا ہے "مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں جو حلیم ہیں "راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں جو رحم دل ہیں جو پاک دل ہیں جو صلح کرلتے ہیں۔ جو راست بازی کے سبب ستائے گئے"

آپ نے فرمایا "تم نے سنا ہے کہ جیسا کہ کہا گیا ہے آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ تم شریر کا مقابلہ نہ کرو بلکہ جو کوئی تیرے دائیں گال پر طمانچہ مارے تو تو دوسرا بھی اس کی طرف موڑ دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتہ لینا چاہے تو تو اپنا چیغہ بھی اسے دے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگاری میں لے جائے تو تو دو کوس اس کے ساتھ چلا جا[1]

سینٹ پال کی تعلیمات

سینٹ پال (پولس) کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً پردہ تاریک میں ہیں البتہ کتاب اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا میں ایک کٹر فریسی یہودی تھا۔ اور اس کا نام ساؤل تھا۔ اور یہ روم کے شہر ترسس

---

[1] متی

کا باشندہ تھا۔ مسیح کی زندگی میں آپ کا مخالف تھا۔ اور شب و روز انہیں تکالیف پہنچانے اور ان کی بیخ کنی میں معروف رہتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد اپنا نام "پولس" رکھ لیا۔ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے۔ وہ عقائد حسب ذیل ہیں

عقیدہ تثلیث:- اس عقیدہ کی رو سے الوہیت کے تین اقنوم ہیں باپ (خدا) بیٹا (عیسیٰ علیہ السلام) اور روح القدس۔ ہر ایک الگ الگ ہستی کا مالک، قادر، مطلق، ابدی، اور نا مخلوق ہے ہر ایک اپنی الگ حقیقت میں خدا ہے۔ پھر بھی خدا ایک ہی ہے۔ عیسائیوں کے عقیدہ کی رو سے تینوں خدا صفات میں برابر و مساوی ہیں

جارج ولیم ناکس مصنف مضمون عیسائیت انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے تبصرہ کے مطابق "عقیدہ تثلیث کا فکری سانچہ یونانی ہے اور یہودی تعلیمات اس کے اندر ڈھالی گئی ہے"

موروثی گناہ عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گنہگار ہے آدم اور حوا نے جو گناہ کیا وہ وراثتاً ہر شخص کی فطرت میں چلا آرہا ہے۔ جس وجہ سے ہر شخص گناہ گار ہے

کفارہ اس عقیدہ کی رو سے خدا کے عدل کو اس موروثی گناہ کے بدلے میں خون کی قربانی درکار تھی یہ قیمت یسوع مسیح نے ادا کی یسوع مسیح نے صلیب پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے ہیں اور ان کے لئے نجات کا موجب بن گئے ہیں۔

مسیحیت کی ابتدائی تاریخ ابتدائی صدیوں کے ابتر اور آمرانہ دور میں مسیحیت کی اشاعت نہ ہوئی۔ رومی اقتدار کے تنزل کے ساتھ ہی عیسائیت کی اشاعت شروع ہو گئی۔ ہر مملکت کے دوسرے مذاہب کے بالمقابل یسوع مسیح کی دلآویز شخصیت اس مذہب کی ترقی اور ترویج میں مدد معاون رہی۔ اس وقت کے تمام مذاہب کے بانیوں میں سے کسی کا کردار اتنا بلند اور ارفع نہ تھا۔ جتنا مسیحیت کے بانی کا۔ لیکن اس برتری کے باوجود مسیحیت اس وقت تک کامیاب نہ ہوئی۔ جب تک اس نے اپنے مدمقابل مذاہب میں سے بہت کچھ اخذ نہ کیا جس وجہ سے یسوع مسیح کا مذہب اپنی اصلیت کھو بیٹھا۔

چوتھی صدی میں قسطنطین پہلا رومی بادشاہ ہے جس نے عیسائیت اختیار کرنے کے بعد ۳۲۵ء میں مذہب تثلیث کو اصل عیسائیت اور سرکاری مذہب قرار دیا اس نے اشاعت عیسائیت میں زبردست حصہ لیا۔ نیقیہ میں اس نے ایک کونسل بلوائی جہاں انجیل کو مدون و مرتب کیا گیا ۳۳۷ء میں قسطنطین کی وفات کے بعد چرچ کو رومی حکومت پر پورا تسلط حاصل ہو گیا عیسائیت

کی اشاعت سرعت کے ساتھ ہونے لگی۔ حبشہ، عرب، حتیٰ کہ ہندوستان میں بھی عیسائیت کو فروغ نصیب ہوا۔

فرقے مسیح کے فوراً بعد جب اس کا مذہب یونانی مائل یہودیوں میں پھیلا۔ مسیحیت دو فرقوں میں بٹ گئی۔ ۱۔ یہودی مسیحیت جس کا صدر مقام یروشلم تھا۔ یہ گروہ کم وبیش یسوع کی صحیح تعلیم سے وفادار رہا ان کے عقائد کی خصوصیات یہ تھیں۔ ۱۔ وحدت ذات پر ایمان ۲۔ یسوع کو ہی یہودیوں کا مسیح مانتے تھے۔ ۳۔ شریعت موسوی کی پیروی کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔

۲۔ یونانی مسیحیت :۔ انہوں نے یونانیوں کے بہت سے مذہبی عقیدے اور رسوم اپنالیں اور یسوع کو قربانی کا برہ مانتے اور یہ ایمان رکھتے تھے کہ اس کی صلیبی موت سے انسان کے موروثی اور دوسرے گناہوں کا کفارہ ہوگیا ہے انہوں نے یسوع کو کلام مجسم بھی بنادیا۔ علاوہ ازیں اس فرقے نے مسیحیت کے دروازے غیر یہودیوں پر بھی کھول دیے۔ اور موسوی شریعت اور رسوم کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی تعلیمات مسیحی کلیسا کے بنیادی عقیدوں کی حیثیت اختیار کر گئیں۔ جو تین عقیدوں سے مترشح ہے۔ تثلیث، موروثی گناہ، کفارہ، ان عقائد کی تشریح سے گزر چکی ہے۔

مشرقی کلیسا جو کٹر یونانی (ORTHODOX GREEK CHURCH) کہلاتی ہے یہ کلیسا مرکزیت اور پاپائیت کی قائل نہ تھی اور چودہ مختلف کلیساؤں پر مشتمل تھی۔ اور جزیرہ نما بلقان، یونان اور روس میں مقبول ہوئیں۔

مغربی کلیسا جو رومن (ROMAN CATHOLIC) کہلاتی ہے۔ اس کی بنیاد بت بت پرستی، مریم پرستی اور پاپائیت ہے۔

ایک اور مستقل تقسیم کئی صدیوں بعد پروٹسٹنٹزم کے نام سے ہوئی۔ اس تحریک کے رہنما جرمنی میں لوتھر، سوئٹزرلینڈ میں کیلون (CALVIN) اور زونگلی (ZWINGLI) اور سکاٹ لینڈ میں جان ناکس گزرے ہیں۔

رومن کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں کے اختلافات ہولناک اور طویل جنگوں پر منتج ہوئے جن کے باعث یورپ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر رہ گیا۔ تمام عیسائی ممالک ناقابل بیان مظالم بربریت کا شکار ہوئے اگرچہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ہر دو تثلیث، الوہیت مسیح، موروثی گناہ اور کفارہ کے عقائد پر متفق ہیں۔

اسٹریا، فرانس، مغربی جرمنی میں رومن کیتھولک کی اکثریت ہے اور انگلستان، ہالینڈ اور

اور شمالی جرمن میں پروٹسٹنٹ مذہب کو مقبولیت حاصل ہے۔ ا۔

رومہ چھٹی صدی عیسوی تک رومن ایمپائر دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ مشرقی رومن ایمپائر کو بازنطینی سلطنت کہتے تھے اس کا دار الخلافہ قسطنطنیہ تھا اور بادشاہ کا لقب قیصر تھا۔ وہ اپنے آپ کو زمین پر ظل سبحانی سمجھتا تھا تمام انتظامی امور میں اسے پوپ کی حمایت حاصل تھی۔ ۵۶۵ء میں قیصر جسٹینین نے دنیا کو اپنے قوانین کا مجموعہ دیا اس کے جانشینوں نے مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے ممالک کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور ایرانیوں سے جنگیں ہوتی رہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ہرقل مشرقی سلطنت کا شہنشاہ تھا۔ حضورؐ نے ہرقل کے پاس بھی اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا۔ لیکن شام کے عسانی حکمرانوں نے ہرقل کو ابھار کر مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ کیا۔ ہرقل نے مسلمانوں سے پے در پے شکستیں کھائیں۔ شام، فلسطین اور مصر اس کے قبضے سے نکل گئے۔ آہستہ آہستہ مسلمان سارے ایشیاء پر قابض ہو گئے۔ ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح عثمانی نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے مشرقی رومی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور قسطنطنیہ پانچ صدیوں تک عثمانی سلطنت کا دار الخلافہ بنا رہا۔ آج کل اس کا نام استنبول ہے۔

طرز حکومت بادشاہ مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے ملک پر حکومت کرتا تھا اور اپنے آپ کو ظل سبحانی سمجھتا تھا تمام طاقت کا سرچشمہ شہنشاہ کی ذات ہوتی تھی۔ عدلیہ اور انتظامیہ کا سربراہ ہوتا تھا۔ بادشاہ تمام قوانین سے بالا سمجھا جاتا تھا۔

مذہب عیسائیت کو ملک کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا تھا۔ کلیساؤں میں تصویر رکھنے کا عام رواج تھا۔ پوپ لیو سوم بھی تصویروں کو گرجاؤں سے خارج کرنے میں ناکام رہا۔ عوام جاہل اور توہم پرست تھے۔ ان کی کمزوریوں سے پادری خوب فائدہ اٹھاتے تھے اس لئے پادری اور کلیساؤں کے منتظمین خوب دولت مند ہو گئے تھے۔ پادریوں میں باہمی منافقت اور اختلافات تھے۔ ہر پادری ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ہر ممکن سعی کرتا ان پادریوں میں ہر قسم کی برائی پیدا ہو چکی تھی۔ ان کی بدکاریوں کا ایک عیسائی نے یوں نقشہ کھینچا ہے کہ کنواریاں پادریوں کے پاس اقرار گناہ کے لئے جاتیں مگر کنواریاں واپس نہ آتیں

سیل (SALE) جس نے انگریزی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے چھٹی صدی عیسوی کے عیسائیوں

کے بارے میں لکھتا ہے مسیحوں نے بزرگوں اور حضرت مسیح کے مجسموں کی پرستش میں اس درجہ غلو کیا کہ زمانہ کے رومن کیتھولک بھی اس حد کو نہیں پہنچے[1]

مذہبی مباحث کی بنا پر تمام ملک خانہ جنگی کا شکار ہو چکا تھا۔ چنانچہ سیل لکھتا ہے۔ "دگر جا کے پادریوں نے مذہب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور امن محبت اور نیکی کو منقود کر دیا تھا۔ اصل مذہب بھول گئے تھے۔ اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے"

معاشرتی حالت

روما میں اخوت اور مساوات بے معنی تھی اور معاشرہ میں طبقاتی تقسیم تھی۔ سب سے اوپر آزاد شہری امرا طبقہ (ILLUSTRIOUS INGENU) تھا اور سب سے نیچے غلام (SERVI) اور دونوں کے درمیان متعدد طبقات تھے۔ جن کے حقوق کا تعین رنگ و نسل، مذہب اور وطن صحت و دولت وغیرہ کے لحاظ سے کیا جاتا تھا[2]

جسٹینین (JUSTINIAN) جس نے روما کا قانون کی تدوین کی ہے اس نے قانونی لحاظ سے سماج کو اس طرح تقسیم کیا ہے۔

۱۔ ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ جو امرا پر مشتمل تھا (HONESTIORES) بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔

۲۔ متوسط طبقہ (HUMILIORES) اس طبقہ کو بعض غیر معمولی حالات میں موت کی سزا دی جاسکتی تھی ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔

۳۔ غلام (SERVI) سب سے نیچا طبقہ تھا جس کے افراد کو معمولی معمولی جرائم کی سزا میں قتل کیا جاتا تھا آگ میں ڈالا جاتا تھا۔ اور وحشی جانوروں سے ہڈیاں چبوائی جاتی تھیں[3]

روم میں غلام بنانے کے بہت سے اسباب تھے۔

۱۔ جنگیں غلامی کا بیشتر سبب تھیں

۲۔ غلاموں کی اولاد

۳۔ وہ آزاد لوگ جن کو بعض قوانین کی عبارتوں اور اشاروں کے ذریعے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا گیا مثلاً وہ قرض دار جس کو اپنا قرض ادا کرنے کے ذرائع یا آسانی فراہم نہیں ہوتے۔

---

[1] ترجمہ قرآن صفحہ ۶۲ (۱۸۹۰ء)

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ ROMAN PRIVATE LAW R.W. LABE - P.49 -

[3] MEDIEVAL HISTORY VOL II PP. 16 - 17

روم میں یہ عادت تھی کہ غلام کو نیلام کے ذریعہ فروخت کیا جاتا۔ تعلیم یافتہ غلاموں اور
بلی کرداروں کی صلاحیت رکھنے والوں اور حسین و جمیل لونڈیوں کی قیمتیں نہایت گراں تھیں۔ قانون
نظر میں غلام کوئی چیز نہیں تھا۔ اس کو نہ ملکی حقوق حاصل تھے نہ خاندانی اور نہ شخصی۔

قتصادی حالت

تمام ملک کی دولت پر بادشاہوں کے بعد ان کے چند امیروں اور جاگیرداروں کا قبضہ تھا یہ طبقہ اسراف اور فضول خرچی سے باز
یں آتا تھا۔ ملکی اخراجات پورے کرنے کے لئے عام رعایا پر ٹیکس اور محصول عائد کر دیئے
اتے جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ عام رعایا ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب جاتی۔ ان اسباب کی بنا پر بڑے
انے پر فسادات اور بغاوتیں رونما ہوتیں۔ چنانچہ ۵۳۲ء کے فساد میں تیس ہزار افراد دارالسلطنت
ں ہلاک ہوئے[1]

"تاریخ عالم برائے مورخین" کے مصنفین لکھتے ہیں:

بڑے بڑے شہر جن میں تیزی کے ساتھ بربادی آئی، اور پھر وہ سنبھل نہ سکے اور نہ اس
ل ہوسکے۔ کہ اپنی عظمت رفتہ کو پھر زندہ کر سکیں وہ گواہ ہیں کہ بازنطینی حکومت اس زمانہ میں
نہائی انحطاط و تنزل کے عالم میں تھی اور یہ تنزل ٹیکس اور محصول میں زیادتی میں
تجارت میں پستی، زراعت سے غفلت، شہروں کی آبادی میں روز افزوں کمی کا نتیجہ تھا۔[2]

مغربی رومی سلطنت

مغربی رومی سلطنت کا بڑا امتیاز ان کی شاہنشاہیت پسندی اور استعماری روح اور زندگی کا خالص مادی پرستانہ نقطہ
ہ ہے، جرمن نومسلم عالم محمد اسد صاحب نے اپنی کتاب "اسلام دوراہے پر" میں لکھا ہے۔
می شاہنشاہی پر جو خالص خیال حاوی تھا وہ محض ملک گیری کا خیال اور مادر وطن کے لئے
سری قوموں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور لوٹ کھسوٹ کرنا تھا، رومی رؤساء و امراء اور اونچے
ہ کے لوگ اپنے لئے فارغ البالی اور امارت کی زندگی کا سامان حاصل کرنے کے لئے کسی ظلم و بے دردی
یب نہیں سمجھتے تھے۔ باقی وہ رومی انصاف جس کا بڑا شہرہ تھا وہ محض رومیوں کے لئے تھا۔ یہ
صوص سیرت و کیرکٹر زندگی اور تمدن کے محض مادی تصور ہی پر قائم ہو سکتا تھا۔ اگرچہ ان کی مادیت
ی آراستگی اور لطافت ذوق پیدا ہو گئی تھی لیکن تمام روحانی قدروں سے وہ بالکل بیگانہ تھی۔ رومیوں نے
ں بھی سنجیدگی اور واقعیت کے ساتھ دینداری اختیار نہ کی تھی۔ ان کے تقلیدی دیوتا محض

---

[1] ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA CHAP JUSTIN
[2] HISTORIANS HISTORY OF THE WORLD V. VII P. 165

یونانی حکایات وخرافات کی بھیک نقل تھے۔ انہوں نے محض اپنی اجتماعی شیرازہ بندی اور قومی وحدت کے خیال سے ان ارواح کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ ان دیوتاؤں کو اپنی عملی زندگی میں دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ان کا کام صرف اتنا تھا کہ جب ان سے فرمائش کی جائے تو اپنے مجاوروں کی پیشین گوئیاں کر دیں لیکن ان کو انہوں نے یہ حق کبھی نہیں دیا تھا کہ وہ لوگوں پر اخلاقی قوانین نافذ کریں۔

جمہوری دور کے آخر میں روم میں اخلاقی انحطاط اور حیوانی ہوس رانی اور تعیش کا ایسا سیلاب آیا کہ رومی اس میں بالکل ڈوب گئے ڈاکٹر ڈریپر نے اپنی مشہور کتاب "معرکہ مذہب وسائنس" میں لکھا ہے۔ جب جنگی قوت اور سیاسی اثر کے لحاظ سے سلطنت روما منتہائے ترقی پر فائز ہوگئی تو مذہبی اور عمرانی پہلو سے اس کی اخلاقی حالت فساد کے درجہ اخیر کو پہنچ چکی تھی۔ اہل روما کی عیش پرستی عشرت پسندی کی کوئی انتہا نہ رہی [1]

ایران

قدیم ایران تین صوبوں پر مشتمل تھا۔ شمال میں عیلام، مغرب میں میڈیا اور جنوب میں فارس ان تینوں صوبوں کے باشندوں کی ابتدائی تاریخ جداجدا ہے مگر بعد زمانہ سے تینوں صوبے ایک حکومت کے تحت آگئے۔ اور چھٹی صدی قبل مسیح میں دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور سلطنت ہوگئی یہ سلطنت آریہ قوم کی تھی۔ جس کے نام پر اس ملک کا نام "ایران" ہوا۔ آریوں کی یہ سب سے پہلی وسیع سلطنت تھی جس کی وجہ سے یورپ اور ایشیا میں پہلی بار اس قوم کا نام روشن ہوا

ساسانی حکومت

ساسانی حکومت کا بانی اردشیر تھا۔ اس نے ایران اور عراق پر قبضہ کرکے ساسانی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اس خاندان کے مشہور بادشاہ شاہ پور اول (۲۴۲ء تا ۲۷۱ء) شاہ پور ثانی (۳۰۹ء تا ۳۷۹ء) بہرام گور (۴۲۰ء تا ۴۴۰ء) نوشیرواں عادل (۵۳۱ء تا ۵۷۹ء) اور خسرو پرویز (۵۷۹ء تا ۶۲۷ء) تھے ساسانی اور بازنطینیوں کے درمیان لڑائیاں رہتی تھیں شاہ پور اول نے رومیوں کو کئی مرتبہ شکست دی۔ شاہ پور ثانی بھی کامیاب رہا بہرام گور کو شکست کھا کر صلح کرنی پڑی۔ نوشیرواں بائیس سال تک لڑتا رہا بالآخر ۵۶۲ء میں رومیوں سے صلح کرنی پڑی۔ ۵۷۲ء میں پھر لڑائی ہوئی اور قیصر جسٹینن نے شکست کھائی۔ نوشیرواں نے ملک کے اندر امن وعدل قائم کیا۔ نوشیرواں کے بعد اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا وہ نااہل تھا۔ اس کے جرنیل بہرام نے اسے قتل کرکے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ہرمز کے بیٹے خسرو پرویز نے اس سے تخت چھین لیا لیکن

---

[1] معرکہ مذہب وسائنس مترجمہ مولوی ظفر علی خان ص ۱۹

قیصر ہرقل نے عقب سے حملہ کرکے اس کی قوت کو پاش پاش کر دیا۔ اور وہ خود اپنی فوج کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس نے رسول کریم صلعم کے نامہ مبارک کو چاک کیا تھا۔ اس کے قتل کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے تمام بھائیوں کو قتل کر دیا۔ اور ایک سال کے بعد اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس کے بعد اس کی بیٹیاں پوران دخت اور ارزم دخت یکے بعد دیگرے تخت اقتدار پر متمکن ہوئیں لیکن حکومت کو مستحکم نہ بنا سکیں۔ ساسانی حکومت اندرونی اختلافات کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھی جب مسلمانوں سے تصادم ہوا تو یہ سلطنت پاش پاش ہو گئی جنگ قادسیہ نے اس کی طاقت کو توڑ دیا اور ۶۴۲ء میں جنگ نہاوند نے اس ساسانی سلطنت کا نام نقشہ سے مٹا دیا۔

طرز حکومت

ایرانی حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ بادشاہ کی ذات تھی۔ بادشاہ وقت کو لوگ دیوتا کا درجہ دیتے تھے۔ لوگ اس کو سجدہ کرنے سے نہیں ہچکچاتے تھے۔ لوگوں کے مال اور جان پر اس کا مکمل قبضہ ہوتا تھا۔ رعایا کو حکومت کے مقابلے میں کوئی حقوق حاصل نہیں تھے۔ اور ان کی حیثیت غلاموں سے بدتر تھی۔ ایران کا تاجدار "کسریٰ" کہلاتا تھا۔ کسی کو اس کے افعال کا محاسبہ کرنے کا حق نہیں تھا۔ اس کی ذات تک عوام کی رسائی ناممکن تھی۔ البتہ نوروز اور چند دیگر موقعوں پر لوگوں کو بادشاہ کے حضور میں اپنی شکایات پیش کرنے کی اجازت تھی۔ البتہ امراء اور سرکاری حکام اور مذہبی رہنماؤں کو بہت مراعات اور حقوق حاصل تھے۔

معاشرتی حالت

ایرانی معاشرہ چار طبقوں میں منقسم تھا۔

- آذروان : مذہبی طبقہ۔
- آرتشتیاران : فوجی طبقہ۔
- دبیران : عمال حکومت۔
- استرپوشان و ہتخشان یعنی عوام پیشہ ور لوگ اور کاشتکار [1]

ایرانی سماج کی یہ تقسیم مستقل تھی۔ کوئی شخص ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں منتقل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایران کا قانون اس طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنے کی نظر سے بنایا گیا تھا۔ عوام کو حکومت کے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ نیچی ذات کا کوئی شخص نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہو

[1] ملاحظہ ہو ایران بعہد ساسانیان از پروفیسر آرتھر کرسٹن سین ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال ص ۱۲۶

سکتا تھا۔[۵۱] نہ اعلیٰ طبقہ سے لوگوں کی جائداد خرید سکتا تھا۔[۵۲]

مذہبی گھرانوں اور سرداروں کے بارہ میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ لوگ عام انسانی
سے بلند ہیں اور ان کی شخصیتیں اور ان کے دل ودماغ دوسرے انسانوں سے الگ ہیں ان انتخا
کو اہل ایران نے غیر محدود اختیارات دے رکھے تھے۔ اونچ نیچ کا فرق طبقوں کا تفاوت او
پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظام زندگی کا اٹل قانون تھا جس میں رد وبدل ممکن نہ تھا۔

مذہب

زرتشت :۔ زرتشت کی بعثت سے قبل ایران میں مظاہر پرستی اور اصنام، ابار
دیوتا پرستی زوروں پر تھی۔ ایک انگریز مورخ زرتشت سے قبل ایران کی مذہبی
کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

جب وہ (زرتشت ظاہر ہوئے میڈ اور ایرانیوں کے اباؤ اجداد ہیں تو انہوں نے ا
قوم کو جانوروں، متوفی اباؤ اجداد، زمین اور سورج کی پرستش کرتے ہوئے پایا اور دیکھا کہ ان لوگو
مذہب میں وہ ہی عناصر اور وہ ہی خدا تھے جو وید کے زمانہ کے ہندوؤں میں پائے جاتے تھے"[۵۳]

زرتشت کے زمانہ کے بارہ میں محققین کا شدید اختلاف ہے زمانہ حال کے محققین کی را
کے مطابق وہ ۶۶۰ھ ق۔م میں پیدا ہوئے اور ۵۸۳ ق۔م میں انتقال کیا۔ مغربی ایران کے رہ
والے تھے۔ ان کی جائے پیدائش شہر رے ہے ان کے والد کا نام پوراشاسپ ہے۔

زرتشت نے اپنی قوم کو شرک کی دلدل سے نکالنے کے لئے آواز اٹھائی۔ ایک خدا کی طر
دعوت دی اور سچے خدا کی پرستش سکھائی۔ ان کے خدا کا نام اہورمزد تھا۔ اہور کے معنی مالک
اور مزد کے معنی دانا کے ہیں۔ یعنی دانا مالک یعنی مليكٌ المقتدر

زرتشت اللہ تعالیٰ کے متعلق فرماتے ہیں "تو ہی خدا ہے یہ میں جانتا ہوں۔ اے قادر
تو ہی اوّل ہے"

زرتشت کی آسمانی کتاب "اوستا" ہے اور ژند اس کا ترجمہ اور تفسیر۔ متن اور تفسیر دو
مل کر ژند اوستا کہلاتے ہیں۔ اس مذہب کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔

---

[۵۱] ایران بعہد ساسانیاں ص۴۱۲

[۵۲] ایران بعہد ساسانیاں ص۴۱۲

[۵۳] فلسفہ اسلام مصنفہ آغا محمد سلطان مرزا دہلوی ایم اے ایل ایل بی ص۱۲۵

۱۔ راست خیالی۔ ۲۔ راست گفتاری۔ ۳۔ راست کرداری۔

زرتشت کی وفات کے بعد ایران میں پھر توحید کی جگہ مظاہر پرستی نے لے لی۔ اور گھر گھر میں دیوتاؤں کی پوجا شروع ہو گئی۔ ایک انگریز مورخ زرتشت مذہب میں فساد کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

"زرتشت کے بعد جب یہ مذہب انبیاء کے دائرہ سے نکل کر ملکی سیاست والوں کے قبضہ میں آیا تو پھر خدائے واحد اہور امزدا کا تخیل ایک شاہنشاہ کا سا ہو گیا۔ لوگوں نے اعتقاد قائم کر لیا کہ وہ دنیا کا خالق اور مدبر ہونے میں بہت سے خداؤں کی مدد کا محتاج ہے اور ان کو چھوٹے چھوٹے خدا تصور کر لیا گیا،، لے

دو تخریبی تحریکات

تیسری صدی عیسوی میں مانی ایران میں پیدا ہوا۔ اس کی تحریک دراصل ملک کے بڑھتے ہوئے شدید شہوانی رجحان کا غیر فطری اور سخت ردعمل تھا۔ اس نے تجرد کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی۔ تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے بہرام نے ۲۷۶ء میں مانی کو قتل کرا دیا۔ ۴۸۷ء میں مزدک پیدا ہوا۔ اس نے اعلان کیا کہ تمام انسان یکساں طور پر پیدا ہوئے ہیں ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ آگ پانی اور نباتاتی پیداوار کی طرح نہ صرف دولت بلکہ عورت کو بھی سوسائٹی کی مشترکہ ملکیت ہونی چاہیئے۔ ذاتی ملکیت کے وجود کو ختم کر دینا چاہیے سرکاری حکام نے مزدک کے پیروؤں کو خوب دبایا اس کے باوجود ایران کے مغربی حصہ میں اس کی تعلیمات نے اچھی خاصی ہر دلعزیزی حاصل کر لی۔

اخلاقی حالت

مذہب اور اخلاق کا آپس میں گہرا تعلق ہے جب ملک میں مذکورہ بالا قسم کی تخریبی تحریکات جنم لے چکی ہوں اور شرک زوروں پر ہو تو وہاں اخلاق کا پودا کیسے ہرا رہ سکتا ہے۔ لوگوں کی اخلاقی حالت بہت پست تھی۔ مزدکی تحریکات نے ہر قسم کی بدی کے راستے کھول دیے۔ باپ کا بیٹی کو اور بھائی کا بہن کو اپنی زوجیت میں لینا جائز تھا۔ یزدگرد ثانی جو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران کا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی بیٹی سے شادی کر لی اور پھر اس کو قتل کر دیا۔

لے فلسفہ اسلام از آغا محمد سلطان مرزا دہلوی ایم اے ایل ایل بی۔

عورت کی حیثیت

ایران میں دو طرح کی بیویاں ہوتی تھیں ۱۔ زن پادشاہی ہا ۲۔ زن چگاری ہا۔ پہلی قسم کی بیویوں اور ان کی اولاد کو جائداد میں حصہ ملتا تھا دوسری قسم کی بیوی اور ان کی اولاد جائداد سے بالکل محروم رہتی تھی نیز قانون کی نظر میں عورتوں کا کوئی حق یا مرتبہ نہیں تھا۔ نیز بیویاں آپس میں بدلی جا سکتی تھیں قانون نے غلام اور بیوی کو ایک درجہ پر رکھا ہے۔

ہندوستان

مورخین ہندوستان کی تہذیب و تمدن کو پانچ ادوار میں تقسیم کرتے ہیں پہلا ہند و ویدک کا دور جو دو ہزار سال قبل مسیح سے لے کر تقریباً چودہ سو سال قبل مسیح تک رہا دوسرا دور وہ دور ہے جس میں کوروں اور پانڈوں کی لڑائیاں لڑی گئیں جو چودہ سو قبل مسیح سے لے کر تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح تک رہا۔

تیسرا دور علم و ہنر کا دور ہے جس میں ہیئت، ریاضی، فلسفہ وغیرہ علوم میں ہندیوں نے کمال دکھایا جو ایک ہزار سال قبل مسیح سے لے کر تیسری صدی قبل مسیح کے نصف تک رہا۔

چوتھا دور بدھ مذہب کا ہے جس میں اس مذہب کو عروج حاصل ہوا۔ اور دو سو پچاس سال قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی عیسوی کے خاتمہ تک رہا

پانچواں دور پرانک دور کہلاتا ہے یہ دور تقریباً پانچویں صدی کے اواخر سے لے کر مسلمانوں کے فتح تک قائم رہا۔

مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ دور ہندوستان کی تاریخ میں نازک ترین دور تھا اس دور کی نمایاں اور اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ہر قسم کا شرک کمال پر تھا چنانچہ وید میں ۳۳ دیوتاؤں کی تعداد تھی۔ اس دور میں بڑھتے بڑھتے دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ کروڑ ہو گئی۔

۲۔ اس دور میں ہندوستان میں بت پرستی عام تھی۔ نیز سورج چاند، ستاروں پہاڑوں پہاڑوں دریاؤں اور حیوانوں کی پرستش کرنا اعتقادات میں شامل تھا۔

۳۔ مندروں کے نگران اور محافظین ہر قسم کی بد اخلاقی میں مبتلا تھے جو لاکھوں اور کروڑوں ناواقف پرستش کرنے والوں کو مذہب کے نام پر لوٹتے تھے۔ مذہبی رہنما موسیقی اور ناچ کے دلدادہ تھے اس لئے کافی تعداد میں عورتیں مندروں میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے ہر وقت موجود رہتی تھیں۔

ایران بعہد ساسانیاں ص ۱۴۵-۱۴۷

۴ اس دور میں ذات پات کی تفریق شروع ہوئی جس نے نظام معاشرت کو تباہ و برباد کر دیا معاشرہ حسب ذیل چار ذاتوں میں منقسم تھا۔

و برہمن

ب چھتری

▪ ویش

▪ شودر

ان چار ذاتوں کے بعد عوام کا شمار تھا۔ جن کو انتیجا (ANTYAJA) ہاڈی (HADI) ڈومہ (DOMA) جنڈالہ (CHANDALA) بدھاتو (BADHATU) وغیرہ نام دیئے گئے۔ [1]

ان کو اونچی ذاتوں کے لوگوں سے دور شہر سے باہر رہنا پڑتا تھا۔ منو اور یگنوبکیہ کے قوانین اس عہد کی عام سماجی ابتری اور بدحالی کے شاہد ہیں۔

۵۔ عورتوں کو اس دور میں غلاموں کی حیثیت دی جاتی تھی۔

۶۔ ملک میں غیر منصب اور غیر معقول قوانین رائج تھے۔

و۔ برہمن کو کسی بھی سنگین جرم میں سزائے موت نہیں دی جاتی تھی۔

ب۔ کسی اونچی ذات کے مرد کا کسی نیچی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا جرم نہیں تھا۔

ج۔ اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھوے تو اس کو سزائے موت دی جاتی تھی۔

د۔ اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے تو اس کے اعضا قطع کر دیئے جاتے تھے۔ اگر گالی دے تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی تھی اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالا جاتا تھا۔

ہ۔ شودر کے کان میں وید کی آواز پڑ جائے تو اس میں شیشہ پگھلا کر ڈالنے کا حکم تھا۔

۷۔ رجاؤں کے محلات میں شراب نوشی کثرت سے رائج تھی۔ رانیاں حالت نشہ میں ہی برہنہ ہو جاتی تھیں۔

---

[1] تفصیل کے لئے البیرونی کی کتاب الہند کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

۸ ۔ شاہراہوں پر آوارہ گردہ اور جرائم پیشہ افراد جمع رہتے تھے۔

۹ ۔ رہبانیت سب سے عمدہ عبادت تصور کی جاتی تھی اور اپنے جسم کو سخت سے سخت ایذا دینا رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

۱۰ ۔ شاکت مت جیسے فرقے پیدا ہو گئے جس میں ماں بہن تک کی حرمت باقی نہ رہی

۱۱ ۔ مرد اور عورت کے مخصوص مقامات کی ننگی تصویریں مندروں میں رکھی جاتیں۔ اور مرد اور عورتیں انہیں دیکھتے اور عبادت کرتے۔

۱۲ ۔ عورتیں قمار بازی میں ہاری جاتیں۔ ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے تھے وہ بیوہ ہو کر ہر لذت سے عمر بھر قانوناً محروم کر دی جاتی تھی۔ اور اسی لئے خاوند کے مرنے پر بعض عورتیں زندہ آگ میں جل جانا پسند کرتی تھیں۔

۱۳ ۔ عورت کا مرتبہ سوسائٹی میں گرا ہوا تھا عورت فروخت کی جاتی تھی۔ اسے وید پڑھنے کی اجازت نہ تھی نہ ہی مذہبی رسوم میں شریک ہو سکتی تھی۔

۱۴ ۔ رجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی۔

۱۵ ۔ وہم پرستی ان کے مذہب کا ایک جزو لاینفک بن چکی تھی۔

۱۶ ۔ بدھ مت اپنا اصلی چہرہ مسخ کر لیتا تھا۔ اس نے ہندوستان کے برہمن مذہب کو اپنے میں شامل کر کے اور اس کے اوتاروں اور دیوتاؤں کو اختیار کر کے اپنی ہستی کو گم کر دیا تھا۔ بدھ مت اب بت پرستی کا مذہب تھا۔ جن ممالک میں بھی اس کے پیرو گئے۔ بت ان کے ساتھ تھے۔

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کتاب تلاش ہند میں بدھ مت کے بگاڑ اور تدریجی زوال کے متعلق لکھتا ہے "برہمنیت نے بدھ کو اوتار بنا دیا۔ بدھ مت نے بھی یہی کیا۔ سنگھ بہت دولت مند ہو گئے۔ اور ایک خاص جماعت کے مفاد کے مرکز بن کر رہ گئے۔ اور ان میں ضبط و قاعدہ بالکل نہیں رہا۔ عبادت کے طریقوں میں سحر اور اوہام داخل ہو گئے۔ ہندوستان میں ایک ہزار سال تک باقاعدہ رائج رہنے کے بعد بدھ مت کا تنزل شروع ہو گیا۔"

عہدِ جاہلیت

ظہورِ اسلام سے قبل عرب کی مذہبی۔ تمدنی۔ معاشرتی۔ اقتصادی اور سیاسی حالت

عرب کی اس حالت کا نام جو ظہورِ اسلام سے قبل تھی۔ قرآن مجید نے زمانہ جاہلیت رکھا ہے۔ کیونکہ انسانیت مردہ ہو چکی تھی۔ روحانیت معدوم تھی اور علم ناپید تھا۔ ہر قسم کی برائی اعلانیہ کی جاتی تھی۔ اس کو فخریہ مجالس میں بیان کیا جاتا تھا۔ اس برائی کی داستان ہمیشہ یاد رکھنے کے لئے اشعار میں بیان کر دی جاتی تھی اور بڑے بڑے میلوں میں وہ اشعار پڑھے جاتے تھے۔ اگر وہ فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ مقام پاتے تو خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیئے جاتے۔ جن کو بعد کے ادبا نے معلقات کا نام دیا ہے۔

عرب کی مذہبی حالت عرب اللہ کو ضرور مانتے تھے۔ مگر عملی رنگ میں نہیں۔ آج کل عرب کے جو قدیم کتبات دستیاب ہوتے ہیں ان پر اللہ کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ البتہ اللہ کی بجائے علٰہ لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ مذاہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا میں پروفیسر نولدیکی کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے "اللہ جو صنعا کے کتبوں میں ھلٰہ لکھا ہوا ہے نباتی اور دیگر قدیم باشندگان عرب شمالی کے نام کا ایک جزو تھا۔

مثلاً "زید اللہی" نباتی کتبات میں اللہ کا نام بطور ایک علیحدہ معبود کے نہیں ملتا لیکن صنعا کے کتبات میں ملتا ہے۔ متاخرین مشرکین میں اللہ کا نام بہت مستعمل ہے۔ ولیاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر میں بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم کے مستعمل ہوا ہے۔ نباتی کتبات میں ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہیں جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ مابعد میں صرف ایک عظیم ترین معبود کے لئے بطور علم کے مخصوص ہو گیا۔

(قرآن مجید نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ عرب اللہ کو مانتے تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزمر: ۳۸)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ تم کہو کہ سب تعریفیں اللہ کے ہی لئے ہیں۔)

(دراصل یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم تھی جو لفظاً عربوں میں چلی آ رہی تھی۔ لیکن مرور زمانہ سے عربوں میں بت پرستی رائج ہو چکی تھی۔ اس کا بانی عمرو بن لحی بن حارثہ بن امرالقیس تھا اور خود حرم کا متولی تھا۔ R.N
وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر میں گیا۔ وہاں کے لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا یہ حاجات پوری کرتے ہیں۔ جنگوں میں فتح دلاتے ہیں۔ امساک باراں میں پانی برساتے ہیں۔ عمرو نے چند بت ان سے لئے اور خانہ کعبہ میں لاکر رکھ دیئے۔ عرب کعبہ کی تحریم کرتے تھے۔ اس وجہ سے تمام عرب میں بت پرستی عام ہو گئی)

R.N ۱۳۰ یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) میں تحریر کیا ہے کہ عرب میں عام بت پرستی کی وجہ یہ ہے کہ قبائل عرب حج کے لئے آتے۔ واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھروں کو اٹھا لیتے تھے اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر گھڑ کر ان کی پرستش کرتے تھے۔

بتوں کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر قسم کی حاجت روائی کرتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کی انجام دہی مختلف بتوں کے سپرد کر رکھی ہے جیسا کہ جب ابوجہل مسلمانوں سے پہلی لڑائی لڑنے کے لئے نکلنے لگا تو کعبہ میں گیا اور بتوں سے فتح کی دعا مانگی۔

خدا کا قرب دوسرا عقیدہ یہ تھا کہ بتوں کی عبادت سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آتا ہے "ہم ان بتوں کی صرف اس وجہ سے عبادت کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں" (زمر)

✓ بتوں سے شگون بھی لیتے تھے۔ وہ اس طرح کہ بتوں کے سامنے فال کے تیر پڑے رہتے تھے۔ ان میں سے ایک پر "نعم" یعنی ہاں۔ اور ایک پر "لا" یعنی نہیں لکھا ہوا ہوتا تھا۔ جو کام کرنا چاہتے تھے فال نکالتے اگر ہاں کا تیر نکل آتا تو کام کرتے ورنہ باز رہتے۔

✓ بت پرستی کے عقیدہ میں یہ رسم بھی داخل ہو گئی تھی کہ بتوں کے نام پر جانوروں اور انسانوں کی قربانیاں دی جاتی تھیں۔ رسول کریم صلعم کے جد امجد عبد المطلب نے جو اپنے بیٹے عبد اللہ کی قربانی کرنا چاہی تھی۔ اسی رسم کی تقلید تھی۔

✓ بتوں کے نام پر بحیرہ۔ سائبہ۔ حام کے نام سے سانڈ چھوڑ دیئے جاتے تھے جن پر سواری کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔

عرب بتوں کا حج اور ان کے ساتھ حلفیہ معاہدے بھی کرتے تھے۔ عرب میں ہر قبیلہ کا الگ الگ بت تھا جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ مکہ میں اساف اور نائلہ قریش کے بت تھے جن کے سامنے

قربانیاں ذبح کی جاتی تھیں۔ عزیٰ نخلہ میں قریش اور بنو کنانہ کا مشترکہ بت تھا۔ طائف میں لات بنو ثقیف کا بت تھا۔ منات اوس اور خزرج کا بت تھا۔ دومۃ الجندل میں ود بنو کلب کا بت تھا۔ قبیلہ ھذیل کا بت سواع تھا۔ یغوث قبائل مذحج اور طے کا بت تھا۔ نسر ذوالکلاع کا بت تھا اور یعوق یمن میں ہمدان کا بت تھا وغیرہ وغیرہ۔ سب سے بڑا بت ہبل تھا جو کعبہ میں نصب تھا۔ جنگ میں فتح کے موقع پر اسی کے نام سے نعرے لگتے تھے۔ عرب کے بت پرستوں کا مذہبی مرکز کعبہ تھا۔ جہاں انہوں نے تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔

بت پرستی کے علاوہ عرب میں دہریت بھی تھی۔ اس کے پیرو خدا کی ہستی۔ بعث بعد الموت جزاو سزا وغیرہ کے قائل نہ تھے۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر آتا ہے۔

ستارہ پرستی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے قبل عرب میں ستارہ پرستی بھی خوب رائج تھی۔ ان میں سب سے اہم سورج اور چاند تھے۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے ان کی عبادت سے منع کیا ہے۔ فرمایا: لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ۔ یعنی نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو۔ سورج اور چاند کے بعد عرب شعریٰ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اسی لئے قرآن مجید میں آیا ہے وَاِنَّہٗ ھُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی (نجم) اور وہی خدا شعریٰ کا رب ہے۔ صاعد اندلسی نے اپنی کتاب طبقات الامم میں ان قبائل کے نام اور جن جن ستاروں کی پرستش کرتے تھے ان کے نام بیان کئے ہیں۔ قبیلہ حمیر سورج کی۔ کنانہ چاند کی۔ لخم اور جزام مشتری کی۔ تمیم دبران کی۔ طی سہیل کی۔ قیس شعریٰ کی۔ اسد عطارد کی پوجا کرتے تھے۔

ملائکہ کی الوہیت

اہل عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے "جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں (سورہ نجم)

اسی طرح فرشتوں کے متعلق اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ روز محشر کو اپنے پرستاروں کی سفارش کریں گے۔

جنات کی عبادت

اہل عرب جنوں کو بھی خدا کا عزیز و قریب تصور کرتے تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے "مشرکوں نے خدا اور جنوں کی رشتہ داری بنالی ہے (الصّٰفّٰت)

بلکہ وہ جنوں کو پوجتے تھے۔ اور ان میں سے اکثر انہیں پر ایمان رکھتے تھے۔

کہانت

عرب میں بے شمار کاہن تھے جو اسرار کے جاننے اور غیب کی خبروں پر اطلاع رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ جو ماضی کے حالات کی خبر دے اس کو کاہن کہتے تھے۔ جو آئندہ کے

حالات کے متعلق خبر دے اس کو عرّاف کہا جاتا تھا۔ اہلِ عرب کا اعتقاد تھا اور خود اُن کاہنوں کا بھی یہ دعویٰ تھا کہ ان کے ساتھ ایک ایک جن رہتا ہے جو ان کو غیب کی خبریں دیتا ہے۔

یہودیت جب پانچویں صدی قبل مسیح میں بخت نصر یہودیوں کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہوا تو وہ عرب کی طرف چلے آئے۔ بنو اسماعیل نے اپنے چچازاد بھائیوں بنو اسرائیل کا خیر مقدم کیا۔

حمیر۔ بنو کنانہ۔ بنو حرث بن کعب۔ کندہ۔ یہ یہودی قبائل تھے۔ یثرب سے شام...... تک عرب کے اکثر زرخیز اور سرسبز مقامات پر قابض تھے۔ اہلِ خیبر...... دائرہ یہودیت میں شامل ہو چکے تھے۔ یثرب میں بنو قریظہ۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر قبائل یہودی تھے اور یثرب پر ان کا پورا غلبہ تھا۔

جب یہود کی قوت زیادہ بڑھ گئی تو انہوں نے اپنا مذہب پھیلانے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح سے کوئی ساڑھے تین سو سال قبل یمن کے بادشاہ ذونواس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ اس کے اثر سے کافی لوگ دائرہ یہودیت میں داخل ہو گئے۔ یہودی مذہب نے توحید کے عقیدے کو رسماً مدت تک قائم رکھا لیکن وہ بھی عیسائیت کے نقشِ قدم پر چل کر عزیر کو اللہ کا بیٹا بنا بیٹھے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے چہیتے ہیں اور دوزخ کی آگ انہیں چند روز تک چھوئے گی۔ توریت میں حسبِ ضرورت تحریف کر لیتے تھے۔ سودی کاروبار کرتے تھے۔ عربوں کو وہ امی کہتے تھے۔ ان کے نزدیک اُمیوں کو دُکھ فریب دینا جائز تھا۔

عیسائیت نصاریٰ عرب میں تقریباً تیسری صدی میں آنا شروع ہوئے تھے سب سے پہلے جنوبی عرب میں نجران ایک مقام ہے وہاں سکونت اختیار کی۔ اور تبلیغی کوششوں سے وہاں کے لوگوں کو عیسائی بنا لیا۔ وہ کلیسا بھی تھا۔ جہاں راہب رہا کرتے تھے۔

عیسائیوں کی تبلیغ کو دو طرف سے بڑی قوت پہنچی تھی ایک شاہ حبش کی طرف سے جن کا قومی اور شاہی مذہب عیسائیت تھا۔ دوسرے شمال میں رومی سلطنت کی طرف سے جن کا شاہی مذہب عیسویت تھا اس لئے شمالی طرف کے وہ قبائل جو حدودِ شام میں جاکر آباد ہو گئے تھے۔ وہ عیسائی ہو گئے تھے۔ چنانچہ لخم۔ جذام۔ عاملہ۔ مذحج۔ بہرا۔ سلیح وغیرہ قبائل نے عیسائیت قبول کر لی تھی حمیر۔ ربیعہ اور غسان بھی حلقہ عیسویت میں آ چکے تھے۔ حدودِ عراق کی طرف سے تغلب اور تنوخ کے قبائل نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔

اندرونِ عرب میں بھی قبائل کے خال خال آدمیوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ قبیلہ قریش

کے خاندان بنو اسد میں چند آدمی عیسائی ہو گئے تھے جن میں ورقہ بن نوفل کا نام مشہور ہے۔ عثمان بن حویرث بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح اوس اور خزرج کے قبائل میں چند ایک آدمی دائرہ عیسائیت میں داخل ہو گئے تھے۔

عیسائیت بھی توحید کو چھوڑ چکی تھی۔ عیسائی باپ بیٹے۔ روح القدس تینوں کو خدا مانتے تھے۔ قرآن مجید نے عیسائیت کے باطل عقائد کی جگہ جگہ پر تردید کی ہے۔

صابئیت قرآن مجید میں صابئین کا نام تین دفعہ آیا ہے لیکن نام کے علاوہ کچھ اور وضاحت نہیں کی گئی۔ ارباب علم میں صابئیت کی تعین حقیقت میں بہت اختلاف ہے۔ سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن جلد دوم میں ارباب علم کی مختلف آراء بیان کر دی ہیں۔

صابئین کا اصل مولد بابل تھا۔ متواتر سیاسی انقلابات کی وجہ سے ان میں یہودیت مجوسیت یونانی فلسفہ اور عیسائیت کے اجزاء شامل ہو گئے تھے۔ ایک خدا پہ اعتقاد رکھتے تھے۔ ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ستاروں کی ارواح کو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان وسیلہ سمجھتے تھے۔ تین وقت ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا قبلہ قطب شمالی تھا۔ اس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے۔ صابئین میں روزوں کے دن مقرر تھے۔ ان کے مذہبی عقائد بنی اسرائیل کے عقائد کی بالکل ضد تھے۔ تورات کے تمام انبیاء علیہم السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آخر تک سب کو کاذب اور مفتری سمجھتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ مصری فرعون کے ساتھ ڈوبنے سے بچ گئے ہیں وہ قطب شمالی کی جنت میں آرام کر رہے ہیں۔ صابئین صرف حضرت یحییٰ ابن ذکریا کو سچا نبی مانتے تھے جن کو یہودیوں نے قتل کیا تھا۔

اس مذہب سے اہل عرب کو شدید نفرت تھی۔ اس وجہ سے اس مذہب کے پیرو کار عرب میں نہ بڑھ سکے۔ ان کی مذہبی حالت اس طرح خراب تھی جس طرح یہود اور نصاریٰ کی بلکہ ان سے بھی بدتر۔

مجوسیت ایران کا قدیم مذہب ہے جس کا بانی زرتشت ہے۔ مجوس یزداں اور اہرمن دو خداؤں کے قائل تھے۔ یزداں خیر کا اور اہرمن شر کا خدا تصور کرتے تھے۔ اسی طرح یزداں نور اور اہرمن کو ظلمت سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ قبیلہ تمیم مجوسی تھا۔ اندراہ تمیمی نے اسی وجہ سے اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ بعد میں اس پر بہت نادم ہوا۔

حنفیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے قبل ایک اندرونی تحریک شرک سے بیزاری کی اٹھی تھی۔ وہ لوگ اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے۔ وہ صرف ایک خدا کے پرستار تھے۔ ان کو نہ نصرانیت سے تعلق تھا اور نہ یہودیت سے اور نہ وہ عرب کی غلط رسومات اور رواج کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض حنفاء نے عیسائیت کی آغوش میں اطمینانِ قلب ڈھونڈا۔ مگر حنفاء کے بڑے طبقہ کو عیسائیت اور یہودیت طمانیت کی دولت نہ بخش سکی۔

دراصل حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی مذہب تھا۔ جس میں خالص توحید پائی جاتی تھی۔

مشہور موحد زید بن عمرو بن نفیل۔ امیہ بن ابی صلت، قیس بن ساعدۃ۔ عثمان بن حویرث اور عبید اللہ بن جحش تھے۔ موخرالذکر حبشہ میں ہجرت کے بعد دائرہ عیسائیت میں شامل ہو گئے تھے۔

اخلاقی حالت

جنگ جوئی عرب میں ہر وقت جنگ و قتال کا بازار گرم رہتا بہت ہی معمولی بات پر لڑائی برسوں جاری رہتی کئی کئی نسلیں تباہ ہو جاتیں ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرپیکار رہتا اگر کسی خاندان کا آدمی قتل ہو جاتا تو مقتول کے بیٹے اور رشتے دار قاتل سے انتقام لینے کے درپے رہتے جونہی موقع پایا، قاتل کو تلوار کی ضرب سے ابدی نیند سلا دیا۔ اس قسم کی لڑائیوں کو مورخین ایام العرب کے نام سے پکارتے ہیں...... مشہور لڑائیوں میں ایک لڑائی کا نام "حرب عبس ذوبیان" ہے۔ دوسری کا نام حرب بسوس۔ ان لڑائیوں میں سفاکی اور بے رحمی کی یہ حالت تھی کہ جب ایک فریق دوسرے فریق پر غلبہ پا لیتا تو اس کے جوان بوڑھے عیال و اطفال گرفتار کر لئے جاتے اور سب کو قتل کر دیا جاتا۔

غارت گری عرب غارت گری میں بہت مشتاق تھے۔ بعض قبائل غارت گری کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ ان میں سے قبیلہ طے عام طور پر اس وجہ سے مشہور تھا کہ یہ لوگ مسافروں اور قافلوں کو لوٹتے تھے۔ بچوں۔ عورتوں اور مویشیوں پر قبضہ پا لیتے۔ اور ان کو دوسروں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے۔

چوری عربوں میں چوری کا بھی عام رواج تھا لیکن بعض قبائل کے نوجوان چوری کرنے میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ چوری کا مرض صرف بدوی قبائل میں ہی نہ تھا بلکہ قریش جو تجارت

اور خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے خاصے متمول تھے۔ ان میں بھی یہ مرض تھا۔ چوری کی عادت عربوں میں اس قدر عام ہو چکی تھی کہ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مرد اور عورتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیعت کرنے کے لئے آتی تھیں تو آپ دوسری باتوں کے ساتھ یہ عہد بھی لیتے تھے کہ آئندہ چوری نہ کریں گے۔

عشق بازی

عربوں میں عشق کا مرض بہت بڑھ گیا تھا جو آدمی عشق نہیں کرتا تھا وہ سوسائٹی میں ذلیل اور رذیل سمجھا جاتا تھا۔ اپنے عشق کو فخریہ بیان کرتے۔ شعراء اپنے عشق کے واقعات بڑے بڑے میلوں میں سناتے۔ امراء القیس نے اپنے قصیدے میں اپنی چچا زاد بہن کے ساتھ عشق اور وصال کا واقعہ بیان کیا ہے۔ قصیدہ اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔

عرب کے بعض قبائل اپنی عشق بازی کی وجہ سے مشہور تھے۔ مثلاً بنی عذرہ۔ ایک اعرابی سے کسی نے پوچھا کہ وہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں ایسے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں کہ جب وہ عاشق ہوتے ہیں ضرور مر جاتے ہیں۔ اس کلام کو ایک لڑکی سن رہی تھی۔ وہ کہنے لگی "عذری ورب الکعبۃ" یعنی کعبہ کے رب کی قسم تو عذری ہے۔

شراب نوشی

شراب ام الخبائث ہے۔ عربوں میں اس قدر تھی کہ ہر گھر مے کدہ بنا ہوا تھا دوست احباب ایک دوسرے کے گھروں میں جمع ہوتے۔ شراب پیتے جوا کھیلتے صاحب خانہ بے جا فیاضی میں اپنے اونٹ کو ذبح کرتا۔ لوگ گوشت کھاتے مغنیہ عورتیں گاتی بجاتیں۔

جب قرآن مجید میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب بہنے لگ پڑی۔

قمار بازی

عرب جاہلیت میں قمار بازی کا بہت رواج تھا۔ قمار بازی کی کئی صورتیں تھیں۔ زیادہ تر جوا ازلام کے ذریعہ کھیلا جاتا تھا۔ ان کی تعداد دس تھی۔ ہر ایک تیر کا نام جدا جدا تھا اور ان کے الگ الگ حصے مقرر تھے۔

ایک طریقہ قمار بازی کا یہ تھا کہ تھوڑی سی ریت جمع کر کے کوئی چیز اس میں چھپا دیتے اس کے بعد اس ریت کی دو ڈھیریاں بنا دیتے اور دریافت کرتے کہ بتاؤ پوشیدہ چیز کس ڈھیری میں ہے جو شخص ٹھیک بتا دیتا وہ جیت جاتا۔ جو غلط بتاتا وہ ہار جاتا۔

جوئے کا ایک طریقہ جس کو رہان کہتے تھے عرب میں رائج تھا۔ کسی شرط پر بازی لگاتے جب

وہ شرط پوری نہ ہوتی تو جس چیز پر بازی لگائی ہوتی تھی وہ دوسرا جیت جاتا۔ جوا صرف اونٹوں، بکریوں، مال و دولت پر ہی کھیلا نہیں جاتا بلکہ اپنا مال و دولت ہارنے کے بعد اپنی بیویوں اور اولاد پر بھی بازی لگا دیتے تھے۔ بعض دفعہ اس قمار بازی سے جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے۔ عبس و ذبیان کی جنگ گھوڑ دوڑ کی قمار بازی کا نتیجہ تھا۔ جو لوگ قمار بازی کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ان کو بخیل خیال کیا جاتا۔ وہ سوسائٹی میں گرے ہوئے متصور ہوتے۔ ان سے عورتیں شادی وغیرہ نہ کرتیں۔ ان کو برم کا خطاب دیا جاتا تھا۔

سود خوری ملک عرب میں سود خوری کا عام رواج تھا۔ تمام صاحب ثروت پر سود لین دین کرتے تھے۔

طائف کے لوگ امیر تھے وہ زیادہ تر سودی کاروبار کرتے۔ سود نے ملک عرب میں نہایت ہی ظالمانہ صورت اختیار کر لی تھی۔ اگر مقروض مدت مقررہ پر رقم واپس نہ کرتا تو قرض خواہ مدت کو بڑھا دیتا۔ لیکن اس کے معاوضہ میں راس المال میں اضافہ ہو جاتا۔ بعض اوقات یہ اضافہ بڑھتے بڑھتے دوگنی چوگنی مقدار تک پہنچ جاتا۔ اس طرح مقروض قرض کے بوجھ تلے اتنا دب جاتا کہ ساری عمر بوجھ کے نیچے سے نکل نہ سکتا تھا۔

کینہ پروری اہل عرب بہت کینہ پرور تھے۔ اگر اپنے دشمن سے اس کی زندگی میں بدلہ نہ لیتے تو اس کے بیٹے پوتے اور رشتہ داروں سے بدلہ لیتے تھے۔ جب تک بدلہ نہ لیتے آرام سے نہ بیٹھتے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ مقتول کی کھوپری سے ایک پرندہ نکلتا ہے جس کا نام ہامہ ہے۔ جب تک انتقام نہ لیا جائے وہ برابر چیختا رہتا ہے۔ إسْقُونِي إسْقُونِي "یعنی مجھے پلاؤ۔ مجھے پلاؤ۔ بعض اوقات ایک نسل گزر جانے کے بعد عداوت کا سبب یاد نہیں رہتا تھا لیکن اس بات کو یاد رکھتے تھے کہ فلاں قبیلہ یا شخص سے دشمنی ہے۔ اس پرانی دشمنی کی وجہ سے ہی مخالف کو قتل کر دیتے لیکن یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ ان سے کیوں دشمنی ہے اور کس وجہ سے قتل کیا ہے۔

تکبر تکبر وہ وصف ہے جس سے تمام برائیوں اور مظالم کے سوتے پھوٹتے ہیں لیکن اس مرض میں عرب کے لوگ بری طرح سے مبتلا تھے۔ بعض آدمیوں یا قبائل کا تکبر ضرب المثل بن گیا تھا۔ جذیمہ ابرش کے تکبر کی یہ حالت تھی کہ وہ کسی کو اپنا ہم نشین نہیں بناتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فرقد کے ستارے ہی اس کے ہم مجلس ہو سکتے ہیں۔ بنی مخزوم تکبر کی وجہ سے بہت شہرت کے مالک تھے۔ صحیح بات یہ ہے کہ عرب کے تمام قبائل ہی تکبر اور نخوت کے نشہ میں چور تھے۔ اسی رذیل

صفت نے عرب کے امن کے خرمن کو بھسم کر رکھا تھا۔

زنا قوموں اور ملکوں کی تباہی و بربادی اور تنزل کے گڑھے میں دھکیلنے کا سبب زنا اور فواحش ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جو اقوام قعر مذلت میں گری ہیں ان سب میں زنا کا مرض عام تھا۔ عرب کے لوگ اس مرض میں عام مبتلا تھے۔ شعراء فخریہ اپنے قصائد میں زنا کے واقعات بیان کرتے تھے۔ وہ قصائد بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی زبان پر جاری رہتے۔ عرب کے روساء کے گھروں میں لونڈیاں ہوتی تھیں۔ ان سے پیشہ کرواتے۔

بے شرمی و بے حیائی جس ملک میں زنا کی یہ کثرت ہو تو وہاں شرم و حیا کا وجود مفقود ہو جاتا ہے۔ عرب میں بے شرمی اور بے حیائی کی کوئی مدہی نہیں تھی۔

بیت اللہ کا حج کرنے کے لئے لاکھوں آدمی جمع ہو جاتے۔ سوائے قریش کے سب ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے۔ اسی طرح عورتیں بھی ننگا طواف کرتیں۔

نہانے اور پاخانہ پیشاب کے وقت پردہ نہیں کرتے تھے۔ مجلسوں میں اپنی بیویوں سے ہم بستری کے واقعات لطف لے لے کر بیان کرتے۔

سفاکی و ظلم لڑائیوں کی وجہ سے اہل عرب میں درندگی اور بربریت پیدا ہو گئی تھی۔ لڑائیوں میں عورتیں قید ہوتیں۔ اگر وہ حاملہ ہوتیں تو ان کے پیٹ چاک کر دیتے۔ مقتولوں کے ناک کان کاٹ لیتے اور عورتیں ان کا ہار بنا کر پہنتیں۔ جیسا کہ ہندہ نے جنگ اُحد میں حضرت حمزہؓ کی لاش سے کیا۔

سزا دینے کے بھی عجیب عجیب سنگدلانہ طریقے تھے کہ مجرم کو دو اونٹوں سے باندھ دیتے پھر ان کو مخالف سمتوں میں چلاتے تو مجرم کا بدن چر جاتا۔ کبھی کبھی گھوڑے کی دُم سے باندھ دیتے اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیتے تو آدمی کے جسم کے ٹکڑے اڑ جاتے۔ کبھی آدمی کو تاریک کوٹھڑی میں قید کر کے کھانا پینا بند کر دیتے وہ بے چارا تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا۔

عربوں کے اخلاق حمیدہ اگر اہل عرب اخلاق رذیلہ سے متصف تھے تو اُن میں بعض اخلاق حمیدہ بھی پائے جاتے تھے۔

مہمان نوازی اگر کسی مصیبت زدہ اور مفلوک الحال کے پاس کوئی مہمان چلا جاتا تو وہ اس کی مہمان نوازی کے لئے اپنی اونٹنی ذبح کر دیتا۔ جس پر اُس کے اہل و عیال کا گزارہ ہوتا تھا۔ بادیہ نشین رات کے وقت اپنے ڈیروں پہ آگ کے الاؤ جلا دیتے تھے تاکہ کوئی مسافر ان کو دیکھ کر اس طرف آ جائے اور وہ اس کی مہمانی کریں۔

وفائے عہد اہلِ عرب وفائے عہد کو بہت عزیز سمجھتے تھے۔ عرب کے مشہور شاعر امراء القیس نے اپنی کچھ زریں اور تلواریں سموئیل بن عادیہ کے پاس امانتاً رکھیں۔ حارث غسانی نے وہ تلواریں اس سے طلب کیں۔ سموئیل بن عادیہ نے تلواریں دینے سے انکار کر دیا۔ حارث نے حملہ کر دیا اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا۔ اور کہلا بھیجا کہ تلواریں واپس کر دو ورنہ آپ کے سامنے آپ کے بیٹے کو ذبح کر دوں گا۔ سموئیل نے لڑکے کی موت قبول کر لی لیکن اسلحہ واپس نہ کیا۔

شجاعت عرب بہادری کو بہت پسند کرتے تھے۔ وہ بستر پر طبعی موت کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کے نزدیک بہترین موت وہ ہوتی تھی جو تلواروں کی چھاؤں کے نیچے آئے۔

تمدنی حالت تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ جہاں کسی زمانہ میں تہذیب و تمدن انتہائی درجہ تک ترقی کر چکی تھی۔ مثلاً یمن اور عرب کے وہ حصے جو ایران اور شام کی حدود سے متصل تھے لیکن عرب کے اندرونی مقامات پر تہذیب و تمدن کا نام و نشان نہ تھا۔ اندرونی حصوں میں عرب کے قبائل کی دو قسمیں تھیں۔ ایک حضری جو کسی مقام پر مستقل مکانوں میں بود و باش رکھتے تھے۔ عرب کے بڑے بڑے شہر مکہ۔ یثرب۔ طائف۔ صنعاء۔ یمامہ وغیرہ ان قبائل کے مسکن تھے۔ شہری لوگوں میں جو امراء تھے وہ اہلِ یونان کی طرح اپنے گھروں میں غلام رکھتے تھے۔ منڈیوں میں غلاموں اور لونڈیوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ آقا کو یہ حق تھا کہ غلاموں اور لونڈیوں سے ہر قسم کی خدمت لے۔ ہر قسم کی خدمت لینے کے باوجود اُن سے بُرا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اہلِ عرب اپنے ہاتھ سے استعمال کی چیزوں کو تیار کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اس لئے وہ صنعت کے میدان میں کافی پس ماندہ تھے۔ دوسرے بدوی تھے یعنی خانہ بدوش ان کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ ہوتا تھا۔ جہاں اپنے مویشیوں کے لئے گھاس پانی پایا، وہیں خیمے نصب کر لئے۔ جب گھاس پانی ختم ہوا تو وہاں سے اپنا اثاثہ اونٹوں وغیرہ پر لادا۔ کسی اور مقام پر جا ڈیرا لگایا۔

اندرونی حصہ میں تہذیب و تمدن نہ پائے جانے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ عربی ایک نہایت وسیع زبان ہے لیکن عربی زبان میں ان چیزوں کے نام ہی نہیں جن کا تمدن وغیرہ سے تعلق ہو بلکہ اہلِ عرب نے ان چیزوں کے نام ایران یا روم سے مستعار لئے ہیں۔ سکہ کے لئے کوئی نام نہیں درہم اور دینار غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ کوزہ کے لئے کوئی لفظ نہیں۔

یہ تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول کریم صلعم کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے۔ نہ گھروں میں چراغ جلتے تھے اور نہ چھلنیاں ہوتی تھیں نہ کوئی اور سامانِ عیش۔ حرام و حلال میں کوئی تمیز نہ تھی۔ اہلِ عرب کا لباس بہت سادہ ہوتا تھا۔ گاڑھے کے کرتے میں چمڑے کے پیوند لگا کر پہنتے تھے۔ اونٹ اور بھیڑ کے بالوں سے کپڑے بُنے جاتے۔ زیادہ اُنہیں کمبلوں کے خیمے اور فرش بناتے۔ سر پر رومال یا عمامہ کا عام رواج تھا۔

معاشرتی حالت جس ملک میں نہ مذہبی حالت اچھی ہو نہ اخلاقی حالت اور نہ تمدنی حالت تو اس ملک میں معاشرت کا درخت کیسے سرسبز ہو سکتا ہے۔ عرب میں معاشرت کا پہلو بھی بہت بھیانک تھا جیسا کہ زنا کے عنوان کے تحت عورت کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ کس حد تک ذلیل و محکوم سمجھی جاتی تھی۔ ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے تھے۔ ایک مرد جس قدر چاہتا شادیاں کر لیتا۔ دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنے کا عرب میں رواج تھا۔ باپ مر جاتا تو اس کی کل بیویاں سوائے حقیقی ماں کے بیٹے کے تصرف میں آتیں۔ اور اس کی جائز بیویاں سمجھی جاتیں۔ لونڈیوں سے پیشہ کروا کر روپیہ کماتے۔

عرب میں استبضاع کی رسم تھی۔ جس کی تشریح اہلِ لغت نے یہ کی ہے کہ عورت صرف خواہشِ اولاد کے لئے اپنے خاوند کے سوائے دوسرے سے تعلق پیدا کرے بلکہ لکھا ہے کہ مرد اپنی عورت یا لونڈی کو کہہ دیتا تھا اَرْسِلِی اِلٰی فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِی مِنْہُ یعنی فلاں کو کہلا بھیجو اور اس سے اولاد حاصل کرنے کے لئے تعلق پیدا کرو۔

طلاق دینے کے لئے بھی ظالمانہ طریقے رائج تھے۔ اگر ایک مرد چاہتا تو ایک عورت کو ہزار مرتبہ بھی طلاق دے کر عدت کے اندر رجوع کر لیتا۔

شعراء اپنے معاشقے کی داستانیں اپنے قصائد میں بیان کرتے۔ اسی طرح جس گھر میں لڑکی پیدا ہوتی اس کو سخت رنج ہوتا۔ اسی وجہ سے دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی۔

عورت وراثت میں حصہ دار نہیں ہوتی تھی۔ عرب کے جاہلی معاشرہ میں ہمسائیگی کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ نہ غریب، بیکس، یتیم کے حقوق کا خیال رکھا جاتا تھا۔ معاشرہ کا سب سے نچلا اور ذلیل طبقہ غلاموں کا تھا۔ ان کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی رہتی تھی۔ ان بیچاروں پر سخت مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ کسی کی کوئی داد و فریاد نہ ہوتی تھی۔ ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے جاتے تھے۔

عرب کی اقتصادی حالت ملک عرب کی اقتصادیات اور معاشیات کا تمام تر دار و مدار زراعت، تجارت اور مویشیوں پر تھا۔

تجارت ملک عرب کا زیادہ حصہ غیر آباد اور ریگستان ہے۔ اس وجہ سے وہاں زراعت سے زیادہ تجارت کو فروغ حاصل تھا۔ عرب تاجر اپنے ملک سے عموماً تین چیزیں باہر لے جاتے تھے۔

۱۔ کھانے کا مسالہ اور خوشبودار اشیاء۔ ۲۔ سونا، جواہرات اور لوہا۔

۳۔ چمڑا کھال، زین پوش، بھیڑ بکری، عرب تجار غیر ملکوں سے حسب ذیل اشیاء لاتے تھے۔ کپڑا غلہ، شراب، ہتھیار، آئینہ اور سامان آرائش۔

عرب میں مختلف جگہوں پر تجارتی بازار لگتے تھے اور خرید و فروخت کا بازار گرم رہتا تھا۔

زراعت عرب میں زراعت کا پیشہ بہت ہی کم تھا، عرب وہ مقامات جو سواحل بحر پر واقع ہیں، عموماً سرسبز اور زرخیز ہیں۔ مثلاً یمن کا صوبہ اس کے علاوہ یمامہ۔ نجد، یثرب، خیبر جو عرب کے زرخیز علاقے ہیں۔ یہاں کاشت ہوتی تھی۔ علاوہ دوسرے پھلوں کے عرب میں کثرت سے کھجور اگتی تھی۔

حیوانات حیوانات کے لحاظ سے عرب بہترین ملک ہے۔ عرب کے گھوڑے خوبصورتی اور تیز رفتاری کی وجہ سے مشہور ہیں۔ گھوڑوں کے علاوہ اونٹ، بھیڑ بکریاں عرب میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ بھیڑ بکری اور اونٹ کے بالوں سے کمبل اور کپڑے بنائے جاتے۔ اسی طرح ان کا گوشت کھانے میں استعمال ہوتا۔

عرب کی سیاسی حالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ تمام عرب قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ ان قبائل کی باہمی شیرازہ بندی نسب اور اتحادِ خون کے واسطہ سے ہوتی تھی۔ قبیلہ کی حکومت جمہوری طرز پر ہوتی تھی۔ ہر قبیلہ کا رئیس اعلیٰ اہل قبیلہ میں سے ہوتا۔ جمہوری اصول کے مطابق وہی شخص منصب سیادت کا اہل ہوتا تھا جس کے حامی سب سے زیادہ ہوں اور وہ شجاعت۔ مہمان نوازی اور فیاضی میں ممتاز حیثیت رکھتا ہو۔ قبیلہ کا رئیس اعلیٰ کنبوں کے دوسرے سرداروں کو جمع کرتا۔ اس سے مجلس شیخ القبیلہ کی ایک کمیٹی تشکیل پاتی تھی۔ اس میں جنگ و صلح یا دوسرے اہم امور کے متعلق گفتگو ہوتی۔ قبیلہ کا کوئی خاص قانون نہیں ہوتا تھا۔

عرب میں مرکزی حکومت کے فقدان کی وجہ سے نہ کوئی محکمہ عدلیہ تھا نہ نظم امن کو قائم رکھنے کے لئے محکمہ پولیس تھا اور نہ خارجی خطرات کے دفاع کے لئے فوجی نظام نہ ان کے پاس اپنا سکہ یا ٹکسال تھی۔

مرکزی حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر دیتا مظلوم قبیلہ کے مرد و زن کو تہ تیغ کرتا۔

عرب کی حکومتیں قبائلی نظام کے علاوہ بعض حکومتوں کا بھی پتہ چلتا ہے ان میں سے اکثر دوسری بڑی حکومتوں کے ماتحت تھیں اور انہیں خراج ادا کرتی تھیں۔ ان کا مختصر حال یہ ہے۔

ملوک حیرہ مشہور یونانی فاتح سکندر اعظم نے جب ۳۳۲ ق م میں ایرانیوں کو شکست دی اور دارا کو قتل کر دیا تو سلطنت کی طاقت پارہ پارہ ہو گئی۔ اس کے بعد ایران میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ تقریباً ۵ سال تک ایران اس طوائف الملوکی کا شکار رہا۔ ۲۳۰ ق م میں اردشیر نے ایرانیوں کا بکھرا ہو شیرازہ باندھا اور ایک متحد سلطنت قائم کی۔ اس نے ایران سے بڑھ کر عراق پر تسلط قائم کر لیا۔ حیرہ اور انباء کے عربوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اردشیر نے جذیمہ کو حیرہ کا بادشاہ بنا دیا۔

جذیمہ کی وفات کے بعد قبیلہ لخم کا سردار عمرو بن عدی حیرہ کا بادشاہ ہوا۔ نوشیرواں اور کسریٰ کے زمانے تک لخمی خاندان حیرہ پر حکومت کرتا رہا۔ لیکن کسریٰ نے کسی ناراضی کی وجہ سے لخمی خاندان سے حکومت چھین کر بنی طے کے رئیس ایاس بن قبیصہ کو حکومت دے دی لیکن ۶۳۲ء میں پھر لخمی سردار منذر نے حیرہ کی حکومت واپس لے لی۔

حیرہ کا شہر پانچ سو برس تک آباد رہا مگر جب کوفہ آباد ہوا تو حیرہ ویران ہونے لگا۔ اس کی آبادی اور رونق خلیفہ المعتضد عباسی تک کے زمانے تک گھٹتی رہی۔ آخر کار یہ شہر بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔

ملوک یمن سرزمین یمن میں قحطانی قبائل پھیلے ہوئے تھے۔ اس سے زمین کے مختلف اقطاع میں عمالیق۔ اہل معین۔ عاد۔ سبا۔ حمیر کی مشہور سلطنتیں قائم ہوئیں۔ ارباب اقتدار قبائل کی تعداد ۴۸ تھی۔

صنعاء کا مخلاف سب سے بڑا مخلاف سمجھا جاتا تھا۔ اور وہاں کے امیر ملوک کہلاتے تھے۔

ان ملوک میں سے یوسف ذونواس بہت مشہور تھا۔ اس نے یہودی مذہب قبول کرلیا۔ عیسائی مبلغین کی کوشش سے اکثر رعایا عیسائی ہوگئی۔ خصوصاً نجران کے باشندے۔ ذونواس نے ۵۲۴ء میں ان پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ جب یہ خبر قیصر جوستین کو پہنچی تو اس نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی کو حکم دیا کہ وہ ذونواس پر چڑھائی کرے۔ اُس نے فوراً ایک لشکر ارباط کی قیادت میں بھیجا۔ جس نے صنعاء پر بزور شمشیر قبضہ کرلیا۔ ذونواس نے سمندر میں ڈوب کر خودکشی کرلی! ارباط کو اس کے لشکر کے امیر ابرہہ نے قتل کردیا اور نجاشی کو راضی کرکے صنعاء کی حکومت پر قابض ہوگیا۔ سابق ملوک یمن اپنی کھوئی ہوئی طاقت کے حصول کے لئے کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ معدی کرب نے نوشیرواں شاہِ ایران سے مدد طلب کی۔ ایرانی مدد سے معدی کرب نے حبشہ کی فوج کو شکست دی۔ قحطانی قبائل نے بھی معدی کرب کا ساتھ دیا۔ آخرکار ایرانیوں نے ابرہہ کے خاندان کو یمن سے نکال کر معدی کرب کو بادشاہ بنادیا۔ معدی کرب کی وفات کے بعد یمن حکومت ایران کا ایک صوبہ بن گئی۔

ملوک شام

سکندر کی فتح کے بعد شام پر رومیوں کی حکومت تھی۔ انہوں نے بنو قضاعہ کے ایک سردار کو وہاں کا حاکم مقرر کردیا۔ کچھ دنوں کے بعد غسانی قبیلے نے بنو قضاعہ کو مغلوب کرلیا۔ رومی حکومت نے غسانی سردار جفنہ بن عمرو کو بادشاہ تسلیم کرلیا۔ بنی جفنہ نے عیسائیت قبول کرلی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت تک انہی کی حکومت رہی۔ جنگ یرموک کے بعد اس کا آخری بادشاہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔

امارت حجاز

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو پرانی بنیادوں پر کھڑا کیا۔ اس گھر کا سب سے پہلا متولی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مقرر کیا گیا۔ آہستہ آہستہ لوگ اس جگہ پر آباد ہونے شروع ہوگئے۔ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آباد ہوا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے سردار مضاض کی لڑکی سے شادی کرلی۔ اس سے بارہ اولادیں ہوئیں۔ ان میں نابت اور قیدار کی نسل نے بہت دنیاوی عروج حاصل کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد اُن کے لڑکے نابت بیت اللہ کے متولی بنے۔ اور دو پشتوں کے بعد آلِ اسماعیل میں اتنی کثرت ہوئی کہ وہ طلب معاش کے لئے باہر چلے گئے۔ ان کے مکہ سے باہر چلے جانے کے بعد بنی جرہم نے خانہ کعبہ کی تولیت پر قبضہ کرلیا۔ آلِ اسماعیل نے خیال رشتہ کی وجہ سے ان کا کوئی مقابلہ نہ کیا لیکن بنی جرہم تولیت کے غرور میں اتنے بدمست ہوئے کہ ان سے ہر قسم کی بدعنوانیاں شروع ہوگئیں

یمن کے سیلاب کی وجہ سے جب حارثہ بن عمر جس کا لقب خزاعہ تھا اپنا قبیلہ لے کر مکہ پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے نکال دیا۔ یہ لوگ نجد۔ عراق اور بحرین وغیرہ میں جا بسے۔ مکہ اور اس کی اطراف میں آل اسماعیلؑ میں سے صرف قریش کی اولاد رہ گئی۔ جب خاندان قریش میں سے قصی پیدا ہوا۔ یہ شخص بہت حوصلہ مند اور زیرک تھا۔ اس نے تمام منتشر قبائل کو جمع کیا۔ اور بنی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ سے بیت اللہ کا قبضہ لے لیا اور تمام قریش کو مکہ میں آباد کیا۔ اور اس کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی اور اجتماعی اہمیت حاصل ہو گئی۔ قصی نے اس ریاست کی بنیاد جمہوری طرز پر رکھی۔ اس کے کئی شعبہ جات تھے جو مختلف قبائل میں منقسم تھے۔ بڑے تین شعبے تھے۔ فوجی، ملکی، مذہبی پھر یہ تینوں آگے کئی شعبوں میں تقسیم تھے۔ یہ شعبہ جات قریش کی مختلف شاخوں میں منقسم تھے۔ اسلام سے قبل ان کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

۱۔ عقاب۔ یعنی قومی نشان کی علمبرداری۔ بنی اُمیہ۔
۲۔ قبہ اور اعنہ یعنی فوجی کیمپ کا نظم و انصرام اور سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری بنی مخزوم
۳۔ سفارت یعنی دوسری حکومتوں سے خط و کتابت کا ادارہ۔ بنی عدی۔
۴۔ ندوہ یعنی عدالت اور قومی جلسہ کا انتظام۔ بنی عبد دار۔
۵۔ مشورہ۔ یعنی اہم امور میں صلاح مشورہ۔ بنی اسد۔
۶۔ اشناق یعنی جہاں جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت ہوتی تھی۔ بنی تیم۔
۷۔ حکومت یعنی جہاں مقدمات کے فیصلے ہوتے تھے۔ بنی سہم۔
۸۔ سقایہ یعنی حاجیوں کی خورد و نوش کا انتظام ۹۔ عمارہ یعنی خانہ کعبہ کا انتظام بنی ہاشم
۱۰۔ رفادہ۔ یعنی حاجیوں کی مہمان نوازی اور مالی امداد۔ بنی نوفل ۱۱۔ سدانہ یعنی خانہ کعبہ کی کلید برداری کا کام بنی عبد دار ۱۲۔ الیسار یعنی بتوں سے استخارہ کرنے کا کام۔ بنی جمح
۱۳۔ اموال محجرہ۔ یعنی نذرانے چڑھاوے کا انتظام۔ بنی سہم

قصی کے چھ لڑکے تھے۔ عبد دار۔ عبد مناف۔ عبد العزیٰ۔ عبد۔ تخمر اور برہ۔ مرتے وقت قصی نے حرم کے تمام منصب عبد دار کو تفویض کر دیئے۔ عبد مناف کے لڑکے ہاشم نے بنی عبد عبد دار کی نااہلی کی وجہ سے ان سے سقایہ اور رفادہ کے منصب لے لئے۔ ہاشم نے مفوضہ خدمات کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ حاجیوں کی بڑی فیاضی سے خدمت کرتے۔ جس وجہ سے قریش میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔




آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی

نسل: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس جگہ چھوڑا تھا جو آجکل مکہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت کوئی مستقل آبادی نہ تھی۔ صرف یمن اور شام سے آنے جانے والے قافلے آرام کرنے کے لئے پڑاؤ ڈال لیا کرتے تھے۔

حضرت ہاجرہ نے وہاں جھونپڑی بنالی۔ جو تھوڑا سا سامان معیشت ساتھ لایا ہوا تھا۔ وہ ختم ہوگیا۔ جب بچہ کو سخت پیاس لگی تو حضرت ہاجرہ نے ماں کی مامتا میں پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں پر سات مرتبہ چکر لگائے لیکن پانی نہ ملا۔ مایوسی کے عالم میں واپس اپنے ننھے بچے کو دیکھنے کے لئے واپس لوٹیں تو دیکھا کہ بچہ پیاس کے مارے زمین پر ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اس کی ایڑیاں پانی سے شرابور ہیں اور صاف و شفاف پانی بہہ نکلا ہے۔ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پانی پلایا اور چشمہ کے اردگرد منڈیر بنادی۔ آخر یہ چشمہ ایک شہر کی تعمیر کا باعث بنا جس کو آجکل مکہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ جرہم کے ایک سردار مضاض بن عمرو کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اس سے بارہ اولادیں ہوئیں۔ ان میں نابت اور قیدار کی نسل نے بہت دنیاوی عروج حاصل کیا۔ اسی نسل سے فہر پیدا ہوا۔ اس کا لقب قریش تھا۔ اسی نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے۔ اس کی پانچویں پشت سے قصی پیدا ہوا۔ قصی کے چھ لڑکے تھے۔ عبدالدار۔ عبدمناف عبدالعزیٰ عبد۔ تحمر اور برہ۔ عبدمناف کا بیٹا ہاشم تھا۔ اس نے مدینہ کے خاندان بنی نجار میں شادی کی۔ شادی کے بعد شام جاتے ہوئے فوت ہوگیا۔ وفات کے بعد لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا۔ ان کے بھائی مطلب کو علم ہوا تو وہ مدینہ گیا۔ اپنے پیارے بھائی کی نشانی کو مکہ لے آیا۔ بعض لوگوں نے غلطی سے شیبہ کو مطلب کا غلام سمجھا چنانچہ شیبہ کو عبدالمطلب کے نام سے پکارا جانے لگا۔ عبدالمطلب کے کئی نامور بیٹے تھے۔ مثلاً عبداللہ ابوطالب۔ حمزہ اور عباس۔

ولادت نبوی

عبدالمطلب نے عبداللہ کی شادی وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی حضرت آمنہ نام سے کردی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد عبداللہ تجارت کے لئے شام گئے۔

واپس آتے ہوئے مدینہ میں قیام کیا اور بیمار ہوگئے۔ عبد المطلب نے خبر لانے کے لئے حارث کو یثرب بھیجا۔ حارث کے یثرب پہنچنے سے قبل عبد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ صدمہ نو عروس کے لئے کوئی کم نہ تھا۔ ان کی وفات کے چند ماہ بعد بروز دوشنبہ بوقت صبح ۹ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ یہ وہی سال ہے جس میں یمن کے حاکم ابرہہ نے خانہ کعبہ کو پیوند خاک کرنے کے لئے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔

آپ کے دادا نے نام محمد رکھا اور والدہ نے احمد نام رکھا۔ آپ اسم بامسمّٰی تھے۔

رضاعت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش پر آپ کی والدہ مکرمہ نے دو تین دن دودھ پلایا۔ اس کے بعد ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے دودھ پلایا۔ پھر حضرت حلیمہ نے دودھ پلایا۔ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ شہر کے روسار اور شرفار اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دیہات اور قصبات میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ جسمانی لحاظ سے صحت مند اور زبان کے لحاظ سے فصیح ہو جائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے چند روز قبل ہوازن قبیلہ کی عورتیں مکہ آئیں۔ ان میں حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ بی بی آمنہ نے اپنے لخت جگر کو حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ وہ ہر چھٹے ماہ مکہ لاکر ان کی والدہ کو دکھا جاتی تھیں۔ دو سال کے بعد دودھ چھڑا دیا اور حضرت حلیمہ بی بی آمنہ کے پاس لائیں۔ چونکہ ان ایام میں مکہ میں بھی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے حضرت حلیمہ کے پاس واپس بھیج دیا۔ جب چار سال کے ہوئے تو دوبارہ حضرت حلیمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ لائیں تو بی بی آمنہ نے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس رکھ لیا۔

والدہ مکرمہ کا انتقال

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر جب چھ برس ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے مدینہ ساتھ لے گئیں۔ ایک ماہ وہیں مقیم رہیں۔ اس سفر میں اُمّ ایمن ساتھ تھیں۔ واپس آتے ہوئے جب مقام ابوار میں پہنچیں تو آپ کی والدہ مکرمہ کا انتقال ہوگیا۔ اور وہیں مدفون ہوئیں۔ اُمّ ایمن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ لے کر آئیں۔

دادا کی تربیت اور ان کا انتقال

حضرت آمنہ کی وفات کے بعد حضورؐ کو عبد المطلب نے اپنی آغوش پرورش میں لے لیا اور ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ برس اور دس دن ہوئی تو عبد المطلب نے بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

ابوطالب کی کفالت اور شام کا سفر

عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے ابوطالب اور عبداللہ ایک بیوی کے بطن سے تھے۔ اس وجہ سے عبداللہ کی بے وقت موت کے بعد عبدالمطلب نے ابوطالب کے سپرد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ کی کفالت کی اور ساتھ یہ وصیت کی کہ یہ تمہارے مرحوم بھائی عبداللہ کی نشانی ہے۔ اس پیاری نشانی کو دل وجان سے عزیز رکھنا۔ ابوطالب نے عبدالمطلب کی وصیت کو جس رنگ میں پورا کیا۔ تاریخ اس کی شاہد ہے۔

جب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہ سال کی عمر تھی کہ ابوطالب نے تجارت کے لئے شام کا سفر کیا۔ سفر کی صعوبت اور تکلیف کی وجہ سے آپ کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوطالب سے اتنی محبت تھی کہ جب ابوطالب جانے لگے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جذبۂ محبت میں ابوطالب کے ساتھ چمٹ گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھ لے لیا۔

حرب فجار

جب آپ کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو آپ نے حرب فجار میں حصہ لیا۔ یہ لڑائی ایام الحرام میں ہوئی تھی۔ ان مہینوں میں لڑنا منع ہے۔ اس وجہ سے لڑائی کا نام حرب فجار پڑ گیا۔ یہ لڑائی قریش اور قیس و کنانہ کے درمیان لڑی گئی تھی۔[۱] چونکہ قریش برحق تھے اس لئے آپ نے ان کا ساتھ دیا۔ لیکن کسی پر تلوار نہیں اٹھائی۔ آپ نے صرف دشمنوں کے پھینکے ہوئے تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔

حلف الفضول

قدیم زمانہ میں عرب کے بعض نیک دل اشخاص کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی انجمن کا انعقاد ہو جو ملک میں امن وسلامتی کو قائم رکھے۔ چنانچہ ایک معاہدہ ہوا کہ اس انجمن کے ممبر مندرجہ ذیل عہد کریں۔ ۱۔ ہم ملک سے بدامنی دور کریں۔ ۲۔ ہم غرباء کی اعانت ۳۔ مسافروں کی حفاظت کریں گے۔ ۴۔ مظلوموں کو ظالموں کے پنجہ سے چھڑائیں گے۔

عربی میں چونکہ حق کو فضل بھی کہتے ہیں جس کی جمع فضول ہے اس لئے اس معاہدہ کا نام حلف الفضول رکھا گیا یا بعض روایتوں کی رو سے چونکہ اس تجویز کے محرک ایسے اشخاص تھے جن کے ناموں میں فضل کا لفظ آتا تھا۔ اس لئے یہ عہد حلف الفضول کے نام سے مشہور ہو گیا۔

بہرحال حرب فجار کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس حلف کی تجدید کی جائے۔ چنانچہ اس تحریک پر بعض قبائل قریش کے نمائندگان عبداللہ بن جدعان کے مکان پر اکٹھے ہو گئے۔ جہاں سب نے حلف اٹھایا۔ وہ ہمیشہ

۱۔ روض الانف مصنفہ امام سہیلی جلد ۱ صفحہ ۱۱

ظلم کو روکیں گے اور مظلوم کی مدد کریں گے۔ غرباء کی اعانت کریں گے۔ ملک سے بدامنی دور کریں گے۔ اس عہد میں حصہ لینے والوں میں بنو ہاشم۔ بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تیم شامل تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس معاہدہ میں شامل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نبوت کے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے "اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں ہرگز قبول نہ کرتا۔ اگر آج بھی اس قسم کا معاہدہ ہو تو شرکت کرنے کو تیار ہوں"۔

حلف الفضول کی وجہ تسمیہ

حلف الفضول کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں (الف) قریش سے پہلے بھی قبیلہ جرہم اور قطور نے مل کر اس قسم کا معاہدہ کیا جس میں تین شخص داخل تھے۔ ان تینوں کے ناموں میں لفظ فضل مشترک تھا۔ (ب) یہ نام اس لیے پڑا کہ اس میں یہ الفاظ تھے۔ تردالفضول علی اھلہا۔

امین کا لقب پانا

اس زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیکی تقویٰ دیانت اور راستبازی مکہ میں زبان زد خلائق بن چکی تھی۔ جس آدمی کا بھی واسطہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑا۔ آپ کو کھرا پایا۔ اس وجہ سے لوگ آپ کو نام سے نہیں بلاتے تھے بلکہ الامین کے نام سے یاد کرتے تھے۔

خدیجہ سے نکاح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راست بازی کی وجہ سے مکہ کی ایک معزز خاتون خدیجہؓ نام نے آپ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ ان کے مال سے تجارت کریں جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوں گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ مال تجارت لے کر بصریٰ چلے گئے۔ خدیجہ کا ذاتی نوکر میسرہ بھی ہمراہ تھا۔ اس تجارتی سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حضرت خدیجہؓ کو بہت نفع ہوا۔ میسرہ غلام نے حضرت خدیجہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ کے متعلق بہت کچھ بتایا اور حضرت خدیجہؓ بہت ہی متاثر ہوئیں۔ چنانچہ واپس آنے کے تین ماہ بعد حضرت خدیجہؓ نے شادی کا پیغام بھیج دیا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۲۵ سال۔ تاریخ مقررہ پر ابوطالب اور تمام رؤسا خاندان حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے اور ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر مقرر کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد سوائے ایک بیٹے کے حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئی۔

تعمیر کعبہ اور نصب حجر اسود

بیت الحرام نشیب میں واقع تھا۔ بارش کے زمانہ مکہ کا تمام پانی حرم میں داخل ہو جاتا تھا۔ پانی کی روک تھام کے لیے بالائی حصہ پر بند بندھوایا تھا لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ اور عمارت کو نقصان پہنچتا تھا۔ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے کعبہ کی عمارت بھی کمزور ہوگئی۔ اس لئے قریش نے کعبہ کی عمارت گرا کر از سرِ نو تعمیر کرائی۔ جب حجرِ اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو اس میں شدید اختلاف پیدا ہوگیا کہ کون سا قبیلہ حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر رکھے۔ ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ اس متبرک پتھر کو نصب کرنے کی سعادت اسے نصیب ہو۔ آخر کار جھگڑا یہاں تک پہنچ گیا کہ قبائل کی تلواریں میانوں سے باہر آگئیں۔ ابوامیہ بن مغیرہ نے یہ رائے دی کہ جو شخص اگلے دن سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو وہی فیصلہ کرے کہ حجرِ اسود کو اس جگہ پر کون سا قبیلہ رکھے۔ حکمت الٰہی سے بیت اللہ میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ سب لوگ بیک زبان پکار اٹھے "ھذا الامین" یہ امین آگیا۔ اگر آپ چاہتے تو خود ہی یہ کام سرانجام دے دیتے۔ لیکن آپ نے قبائل میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کے لئے ایک حسین تدبیر سے کام لیا۔ آپ نے چادر بچھا کر اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود اس پر رکھ دیا۔ اور فرمایا کہ ہر قبیلے کا سردار چادر کو پکڑ کر اٹھائے۔ جب حجرِ اسود کو چادر میں رکھ کر اس جگہ آئے جہاں حجرِ اسود کو نصب کرنا تھا تو آپ نے حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر نصب کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔

غارِ حرا میں ریاضت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طبعی میلان یادِ الٰہی کی طرف تھا۔ حضرت خدیجہؓ سے شادی ہو جانے کی وجہ سے خورد و نوش سے بے فکری ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یادِ الٰہی اور ریاضت کے لئے غارِ حرا کو پسند کیا۔ یہ غار مکہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ ہر سال رمضان کا پورا ماہ اس غار میں یادِ الٰہی میں بسر کرتے۔ تھوڑا سا توشہ ہمراہ لے جاتے۔ اسی پر تمام مہینے کا گزران ہوتا۔

بت پرستی اور گناہوں سے نفرت

ملک کی تمام توہم پرستیوں۔ برائیوں اور بدیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فطرۃً نفرت تھی۔ آپ کی طبیعت بت پرستی سے نفور تھی۔ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں لات۔ منات، عزیٰ کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے جتنی نفرت ان بتوں سے ہے اور کسی چیز سے نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی وہ کھانا نہیں کھایا جو اصنام پر چڑھایا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے قبل ہی بت پرستی کی برائی شروع کر دی۔

رسول کریم صلعم کے احباب خاص نبوت سے قبل جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احباب تھے وہ بھی اخلاق فاضلہ اور بلند رتبہ کے مالک تھے۔ ان میں سے سب سے مقدم ابوبکر رضی اللہ عنہ، تھے جو دعویٰ نبوت سنتے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ۲۔ حضرت حکیم بن حزام۔ ۳۔ حضرت ضماد بن ثعلبہ۔ ۴۔ قیس بن سائب مخزومی ۵۔ ورقہ بن نوفل۔

نبوت کا دیباچہ احادیث سے یہ عیاں ہے کہ نبوت سے قبل خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم، پر اسرار منکشف ہوتے تھے جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے صبح کی سپیدی کی طرح وہ پورے ہو جاتے تھے۔

ظہورِ قدسی

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال کے ہوئے اور آپؐ حسب معمول غار حرا میں عبادت میں مصروف تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ ایک مبارک رات میں جبرائیل آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے آئے اور آپؐ سے فرمایا۔ اِقرا یعنی پڑھ۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا: "مَا اَنَا بِقَارِیٍ" میں پڑھنا نہیں جانتا۔ تب جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو سینہ سے لگا کر زور سے دبایا۔ اور فرمایا اقراء۔ جواب وہی دیا۔ مَا اَنَا بِقَارِیٍ۔ غرض تیسری بار کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے سورہ علق کی پہلی پانچ آیات پڑھیں۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

یعنی اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم دیا۔ انسان کو وہ سکھایا جو نہیں جانتا۔

یہ وہ پہلا دن ہے جب نبوت کا بارِ گراں آپؐ پر ڈالا گیا اور وہ راستہ جس کے لئے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دن رات متلاشی اور جویاں تھے مل گیا۔ وہ آبحیات جس کے لئے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کام و دہن پیاسا تھا دستیاب ہو گیا۔ وہ نور ہدایت جس کے لئے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باطنی بینائی جستجو میں تھی حاصل ہو گیا۔ وہ سکونِ قلب جس کے لئے حیران و سرگرداں تھے نصیب ہو گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصلاح عالم کی ذمہ داری کا احساس اپنے دل میں لئے ہوئے گھر لوٹے۔ حضرت خدیجہؓ سے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ اس پاک اور مقدس بیوی نے ان الفاظ میں تسلی دی۔

"خدا آپؐ کو کبھی رسوا نہیں ہونے دے گا اور کبھی ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنے نہیں دے گا" اس کی وجہ یہ بیان کی کہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بے کسوں کے معاون و مددگار ہیں۔ مہمان نوازی کا پورا حق ادا کرتے ہیں۔ مظلوموں کی جائے پناہ ہیں۔ مسافروں کے ملجا و ماوی ہیں۔ مصائب میں حق کے مددگار ہیں جس آدمی میں یہ اوصاف ہوں وہ بھلا کیسے ضائع ہو سکتا ہے۔"

ذرا طبیعت سنبھلی تو حضرت خدیجہؓ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ حضرت خدیجہؓ کے عم زاد بھائی تھے۔ بت پرستی سے متنفر اور دین حق کے متلاشی تھے۔ آخر کار وہ نصرانیت کی آغوش میں آ گئے تھے۔ وہ عبرانی زبان جانتے تھے۔ توریت اور انجیل کے خوب ماہر تھے۔ انہوں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ سنا اور سننے کے بعد فرمایا۔ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔ پھر ورقہ بن نوفل نے آرزو کی کہ کاش میں بھی اس وقت تک زندہ ہوتا جب کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قوم آپؐ کو مکہ سے نکال دے گی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعجب ہو کر پوچھا۔ میری قوم مجھ کو یہاں سے نکال دے گی۔ ورقہ نے جواب دیا۔ ہاں۔ ہر نبیؐ کے ساتھ ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ اس کے بعد ورقہ جلد فوت ہو گئے۔

پہلے پیغام کے بعد تقریباً ۶ ماہ تک وحی کا آنا رک گیا۔ اس کے بعد دوسری وحی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی وہ یہ تھی۔ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ اے لباس (نبوت) اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا۔

اس پیغام میں خدا نے یہ فرمایا کہ خلوت میں بیٹھ کر صرف عبادت الٰہی کرنے کا زمانہ ختم ہو گیا ہے بلکہ لوگوں کو ظلمات سے نکال کر حلقۂ نور میں لانے کا وقت آ گیا ہے۔ اس وجہ سے اٹھ اور اور لوگوں کو ڈرا کہ جس نے اس شمع ہدایت سے منہ پھیرا وہ دین و دنیا میں خسران اور گھاٹے میں ہے۔ سو اس حکم کو پاتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدان عمل میں آ گئے۔

السابقون الاولون

بالکل ابتدائی زمانہ نبوت میں پیغام حق پہنچانے میں بڑا رازداری اور احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہی لوگوں کو پیغام پہنچاتے تھے جو آپ کے حلقۂ احباب میں داخل تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضؓ ہیں۔ سب لوگوں سے بڑھ کر یہی بیوی رازدار تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئے ہوئے پندرہ سال گذر چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات حضرت خدیجہؓ سے نہاں نہ تھی یہی وجہ ہے کہ یہ پاک بیوی نبوت سے قبل ہی آپ کے غموں کی گھڑیوں میں موجب تسکین ہوتی تھیں آپ کے قلب پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی راست بازی، امانت داری اور دیانت داری کا بہت گہرا اثر تھا۔ جونہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے پیغام ہدایت لے کر باہر نکلے اور گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے اس پیغام کا ذکر کیا تو آپ نے اس پیغام کو حق سمجھا اور ایمان لے آئیں اور ساتھ یہ کہہ اٹھیں کہ آپ جیسا راست باز کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل کے اعضاء پیری کی وجہ سے مضمحل اور آنکھیں سفید ہو چکی تھیں۔ اور موت کے دروازے کو دستک دے رہے تھے۔ ورقہ پیغام سنتے ہی اٰمَنْتُ وَصَدَّقْتُ کہہ اٹھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دولت مند۔ صائب الرائے اور ماہر نساب تھے۔ آپ کی ہتھیلی سے فیاضی کا دریا بہتا تھا۔ غرباء مساکین اور مسافروں کے لئے رحمت کا موجب تھے۔ اس وجہ سے مکہ میں بہت ہی ہر دلعزیز تھے۔ بعثت سے قبل رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت دوستانہ مراسم تھے۔ پیغامِ حق سنتے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابوطالب کے فرزند تھے۔ آپ بچپن سے ہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور وہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔

غلاموں میں سے سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہؓ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کے ساتھ بہت میل ملاپ تھا۔ ان کی تبلیغ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔ حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مسلمان ہوئے۔ پھر ابوعبیدہؓ۔ عامر بن عبداللہ بن الجراحؓ۔ عبدالاسد بن بلال۔ عثمان بن مظعونؓ عامر بن فہیرہ ازدیؓ۔ ابوحذیفہ بن عتبہؓ۔ سائب بن عثمان مظعون ارقمؓ۔ عمارؓ۔ یاسرؓ۔ خبابؓ۔ سعید بن زیدؓ عبداللہ بن مسعودؓ۔ صہیبؓ رومی۔ بلالؓ۔ ابوذر غفاریؓ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عباسؓ کی بیوی ام الفضلؓ اسماء بنت عمیسؓ۔ اسماء بنت ابوبکرؓ۔ سمیہؓ۔ فاطمہ خواہر عمر فاروقؓ نے اسلام قبول کیا۔

تبلیغ عام اور کفّار کی ایذا رسانی کا آغاز

تین سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت رازداری اور احتیاط و حزم سے فریضہ تبلیغ کو سرانجام دیتے رہے۔ آخر کار کھل کر میدانِ عمل میں آنے کا حکم آگیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ یعنی جو تم کو حکم دیا گیا ہے اس کو دانشگاف کر دو۔ پھر حکم آیا وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ یعنی اپنے کنبے اور قریبیوں کو ڈرا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو بلایا جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک جرار لشکر آرہا ہے تو تم یقین کرلو گے۔ سب نے بیک زبان ہو کر کہا۔ ہاں۔ کیونکہ آپ ہمیشہ جادہ راست پر گامزن رہے ہیں اور ہم سے امین کا لقب پایا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر دردناک عذاب نازل ہوگا۔ یہ سن کر سب لوگ جن میں ابولہب بھی تھا سخت برافروختہ ہوئے اور برا بھلا کہتے ہوئے چلے گئے۔ چند روز کے بعد حضرت علیؓ سے کہا کہ ایک دعوت کا انتظام کرو۔ یہ تبلیغ اسلام کا پہلا موقعہ تھا۔ اس دعوت میں تمام خاندان عبدالمطلب مدعو تھے۔ ابوطالب۔ حمزہؓ۔ عباس۔ سب شریک تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا چکنے کے بعد فرمایا کہ میں وہ چیز لایا ہوں جو اس کو قبول کرے گا وہ دین و دنیا میں فلاح پائے گا اس بارگراں کے اٹھانے میں میرا کون ساتھ دے گا۔ تمام حاضرین محفل خاموش رہے۔ دفعتہً ایک کونے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے اور کہا اس بارگراں کے اٹھانے میں میں معاون و مددگار رہوں گا۔ حاضرین محفل کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور چل دیئے۔ عرب میں عکاظ۔۔۔۔۔ اور ذوالمجاز کے میلے بہت مشہور تھے۔ عرب کے ہر کونے سے وہاں لوگ آتے تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جاتے اور ان کو وعظ کرتے۔

وعظ کی اہم باتیں خدا کو ایک مانو۔ اسی کے سامنے سر جھکاؤ۔ وہی ذات قابلِ عبادت ہے۔ وہ تمام عیوب سے منزہ اور تمام خوبیوں کی جامع ہے۔ زمین آسمان، چاند، سورج، ستارے وغیرہ اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ بتوں کے سامنے سر نہ جھکاؤ جوا نہ کھیلو۔ جسمانی اور قلبی پاکیزگی اختیار کرو۔ وعدہ کی پابندی کرو، چوری زنا سے باز آجاؤ، لین دین میں کسی سے دغا نہ کرو۔ لڑکیوں کو زندہ درگور نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک تمام امیر و غریب انسان برابر ہیں۔ خدا کے نزدیک افضل وہ ہے جو متقی ہے۔

قریش کی مخالفت کے وجوہ

ت پرستی کی مخالفت ۱۔ قریش کی گھٹی میں بت پرستی رچ چکی تھی۔ وہ بتوں کی برائی اور تنقیص سننا پسند نہیں کرتے تھے۔

قبائلی مخالفت اکثر قبائل بنو ہاشم سے مخالفت کرتے تھے۔ مخالف قبیلے ایک شخص کے پیچھے چلنا عار سمجھتے تھے۔ جیسا ابوجہل کی ایک گفتگو سے ظاہر ہے۔ ابوجہل اخنس ریق ثقفی کو ایک سوال کے جواب میں کہا۔ ہم اور بنو عبد مناف (آل ہاشم) ہمیشہ ایک دوسرے مخالف اور حریف رہے ہیں۔ انہوں نے مہمانداریاں کیں تو ہم نے بھی کیں۔ انہوں نے خون دیئے تو ہم نے بھی بہا دیئے۔ انہوں نے فیاضیاں کیں تو ہم نے بھی اپنی فیاضیوں کی بارش سے ا کے دلوں کی خشک زمین کو سیراب کیا۔ اب بنو ہاشم میں سے ایک نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے ا کی قسم ہم اس پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔

اخلاقی پستی مخالفت کا ایک بڑا سبب قریش کی بداخلاقیاں تھیں۔ قریش زنا۔ جوا۔ رہزنی۔ عہد شکنی۔ آوارگی۔ جھوٹ۔ چغل خوری کے عادی تھے۔ قرآن مجید ان عادات کا سخت دشمن تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان برائیوں پر سخت سرزنش کرتے ۔ بیعت ان عادات قبیحہ کو ترک کرنے پر لیتے تھے۔

نسلی تفاخر وہ خاندان اور شرافت بزرگان پر مغرور تھے۔ انہیں اسلامی مساوات کا قبول کرنا ایک قسم کی ذلت محسوس ہوتی تھی۔ اس وجہ سے وہ لامی تعلیمات کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتے تھے جن لوگوں کے مفاد پر ضرب پڑتی تھی وہ ہائی مخالف ہو گئے۔

ہ اول کی طرف منہ کر کے نماز قریش کو عیسائیت سے نفرت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابرہہ نے بیت الحرام کے ڈھانے کے لئے فوج کشی تھی۔ اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بھی المقدس تھا۔ قریش نے خیال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیت کو قائم کرنا چاہتے ہیں

وت کا مفہوم وہ نبوت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے اور بعید سمجھتے تھے کہ خدا کے حکم سے کوئی انسان انسانوں کو سمجھانے کے لئے آئے۔

۷۔ جزا و سزا کے قائل نہ تھے | وہ جزا و سزائے اعمال کے قائل نہ تھے۔ اس لئے یہ تعلیم کہ موت کے بعد اعمال کی ہوگی۔ ان کے نزدیک بالکل قابل تمسخر تھی۔

۸۔ معاشی مسئلہ | اسلام کا بت پرستی کے خلاف ہونا قریش کا محض جذباتی مسئلہ نہ تھا بلکہ ان کا معاشی مسئلہ بھی تھا۔ تمام عرب بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے تھے قائدین قریش جو بیت اللہ کے متولی تھے ان میں سے اپنے حصے وصول کرتے تھے۔ قریش سردار جانتے تھے کہ اگر اسلام غالب آگیا تو چڑھاوؤں کی آمدن ختم ہو جائے گی اس وجہ سے انہوں نے شجر اسلام کو جڑھ سے اکھاڑ پھینکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

۹۔ آباؤ اجداد کی پیروی | اہل عرب اپنے آباؤ اجداد کی عزت کرنا اور ہر بات میں خواہ وہ درست ہو یا غلط ان کی پیروی اختیار کرنا اپنا جزو دین و مذہب سمجھتے تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ "ہم تو بہر حال اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے"۔ لیکن اسلام نے عقل کو سچ اور جھوٹ کے درمیان حکم قرار دیا اور یہ ہدایت کی کہ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرنے والوں کو یہ سوچنا چاہیئے کہ آیا ان کے آباؤ اجداد نے گمراہی اور بے وقوفی کا راستہ تو اختیار نہیں کیا ہوا تھا۔ ارشاد الٰہی "کیا وہ اپنے آباؤ اجداد ہی کی اتباع کریں گے۔ خواہ ان کے آباؤ گمراہ اور بے وقوف ہی کیوں نہ ہوں"۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کا ایک وفد ابو طالب کے پاس گیا تو ان سے کہا کہ اپنے بھتیجے کو روک دیں کہ وہ ہمارے بزرگوں کو بُرا بھلا نہ کہے۔

۱۰۔ رسول کریم کا مالدار نہ ہونا | قریش میں بڑے بڑے صاحب اثر اور دولت مند لوگ تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے کے ان دونوں باتوں سے خالی تھے۔ ایسی حالت میں قائدین مکہ آپ کی اتباع میں آنا اپنی توہین خیال کرتے تھے اسی وجہ سے وہ کہتے تھے "کیوں نہ یہ قرآن مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر نازل ہوا"۔

مسلمانوں کو دکھ دیئے جانے میں حکمت

پہلی حکمت:۔ مسلمانوں کے اخلاص پر مہر لگ جاتے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ دنیاوی لالچ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع نہیں ہوئے۔ بلکہ خدا تعالےٰ کی رضا کے لئے ایمان لائے ہیں۔

۹-۱۰-۸۹

دوسری حکمت :۔ انسان کے اخلاق کی تکمیل نہیں ہوتی۔ جب تک وہ مصائب اور آلام کی بھڑکتی ہوئی بھٹی میں نہیں ڈالا جاتا۔

تیسری حکمت :۔ اللہ تعالے اپنی یہ قدرت دکھانا چاہتا ہے کہ انسانی طاقتیں اسلام کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔

چوتھی حکمت :۔ مومن اور منافق میں تمیز ہو جائے کیونکہ منافق مشکلات میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔

تبلیغ اسلام روکنے کی کوشش اور ایذاء رسانیاں

قریش نے ایک وفد ابو طالب کے پاس بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ان کے بتوں کو برُا بھلا کہنا چھوڑ دے۔ ابو طالب نے وفد کو سمجھایا اور واپس کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کو جاری رکھا۔ جب اسلام کی نورانی شعاعیں ذرا پھیلنے لگیں تو پھر قریش نے دوسرا وفد ابو طالب کے پاس بھیجا اور وہ وفد اپنے ساتھ عمارہ بن ولید کو لے گیا۔ یہ نوجوان شجاعت اور حسن و زیبائی میں بے مثال تھا۔ ابو طالب سے کہا کہ اس نوجوان کو اپنا بیٹا بنالو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دو۔ ابو طالب نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ میں تمہارے بیٹے کی پرورش کروں اور آپ میرے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ابو طالب کا جواب سن کر کفار قریش واپس ناکام و نامراد لوٹ آئے۔ اب قریش نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکالیف اور ایذائیں دینی شروع کر دیں۔ کبھی شاعر کہتے۔ کبھی مجنوں کا نام دیتے۔ کبھی کاہن پکارتے۔ راستوں میں کانٹے بچھانے شروع کر دیئے۔ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں عبادت کے لئے گئے۔ سجدہ کی حالت میں اونٹنی کی غلیظ بچہ دانی آپ پر رکھ دی گئی۔ کسی راستہ پر گزرتے وقت آپ پر مٹی پھینکی جاتی۔ پتھر مارے جاتے۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط نے چادر آپ کے گلے میں ڈال کر اس زور سے مروڑا کہ دم گھٹ گیا۔

قریش نے ایک اور وفد سہ بار ابو طالب کے پاس بھیجا اور وفد نے کہا اے ابو طالب! آپ ہم سے عمر میں زیادہ ہیں۔ مرتبہ اور وجاہت میں بھی سربلند ہیں۔ پہلے بھی آپ سے دوبارہ درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو بتوں کی مذمت سے منع کریں لیکن آپ نے اس کو اس کام سے نہیں روکا

اے ابو طالب اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اگر اب اس نے ہمارے بتوں کو برا بھلا کہا۔ ہمارے آباؤ اجداد کی تذلیل کی، ہمیں گمراہ اور جہنم کا ایندھن کہا تو ہم آپ سے جنگ کریں گے تاکہ معاملہ ختم ہو جائے۔

ابو طالب نے اپنے پیارے بھتیجے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر قوم کا ایک ایک حرف سنایا اور کہا کہ ہم اس قابل نہیں کہ قوم کا مقابلہ کر سکیں۔ اس وجہ سے مجھے اور اپنے آپ کو

ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ابو طالب کے دل پر قوم کی دھمکی کا بہت ا
ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے چچا اگر آپ قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بے شک می
معاونت سے دست کش ہو جائیں۔ پھر فرمایا اے میرے چچا خدا کی قسم اگر کفار مکہ میرے دائیں ہا
سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس کے عوض تبلیغ اسلام کو ترک کر دوں مجھے منظ
ہوگا اگر مجھے اس راہ میں ہلاکت نظر آئے تو میں پیچھے قدم نہیں رکھوں گا۔

ابو طالب کے قلب پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بجلی کا سا اثر کر گئے اور ر
کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جو بات تمہیں لوگوں سے کہنا ہے کہہ دیجئے۔ بخدا میں آپ کی ہر قد
مدد کروں گا اور آپ کی تکلیف کو گوارہ نہیں کروں گا۔

قریش نے ایک منصوبہ بنایا شائد اسی سے رسول کریم صلعم تبلیغ اسلام سے رک جائیں وہ منص
یہ تھا کہ اس دفعہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو طمع دو چنانچہ عتبہ بن ربیعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و
کے پاس گیا اور کہا . . . . .

۱۔ اگر اس قسم کی تبلیغ سے آپ کا منشا مال جمع کرنا ہے تو ہم لوگ آپ کے لئے دولت
کر دیتے ہیں۔

۲۔ اگر یہ نیت ہے کہ آپ تمام عرب کے سردار بن جائیں تو ہم آپ کی سیادت قبول کر
کے لئے حاضر ہیں۔

۳۔ اگر آپ بادشاہت کے طلب گار ہیں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔

۴۔ اگر کوئی خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے اس مقصد کو بھی پ
کر دیتے ہیں۔

۵۔ اگر آپ آسیب زدہ ہیں تو آپ کا علاج کروا دیتے ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب میں فرمایا مجھے مال۔ عزت۔ حکومت، دولت، بیوی س
کی ضرورت نہیں اور نہ میرے دماغ میں خلل ہے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حٰم السجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ قرآن مجید کے پاکیزہ
مقدس الفاظ سن کر عتبہ بن ربیعہ اُٹھ کر واپس رفقاء کے پاس آیا اور کہا اے قریش کے گروہ میں
ایسا کلام سن کر آیا ہوں جو نہ کہانت ہے۔ نہ شعر، نہ جادو منتر، میرا کہنا مانو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ا
حال پر چھوڑ دو۔ لوگوں نے یہ رائے سن کر کہا تو عتبہ پر بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جادو چل گیا۔

جب کفار کے تمام حیلے جاتے رہے تو انہوں نے مسلمان بے چاروں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے ۔ مختصر طور پر چند بزرگ ہستیوں اور ان کو عذاب دینے کے طریقے لکھے جاتے ہیں ۔

۱۔ حضرت خباب بن ارت ۔ قبیلہ تمیم سے تھے اور زمانہ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے قریش نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں ۔ ایک دفعہ کوئلے جلا کر زمین پر بچھا دیئے گئے ۔ ان پر چت لٹا دیا گیا ۔ ایک آدمی ان کی چھاتی پر چڑھ گیا ۔ تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے ۔

۲۔ بلال رضؓ ۔ حبشی تھے اور امیہ بن خلف کے غلام تھے ۔ ان کو علم ہوا کہ بلال مسلمان ہو گیا ہے تو ان کے لئے طرح طرح کے عذاب اور اذیتیں تجویز کیں ۔ موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ میں زمین پر لٹا دیا جاتا اور ان کے سینے پر ایک بھاری سِل رکھ دی جاتی ۔

۳۔ حضرت عمار رضؓ نے جب اسلام قبول کیا تھا تو ان سے پہلے صرف تین اشخاص دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے ۔ قریش ان کو بھی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے تھے ۔ ساتھ سخت ایذائیں دی جاتی تو وہ بے ہوش ہو جاتے ۔

۴۔ حضرت سمیہ رضؓ جو حضرت عمار رضؓ کی والدہ تھیں سنگدل ابوجہل نے ان کی فرج پر برچھا مار کر شہید کر دیا ۔

۵۔ حضرت یاسر رضؓ حضرت عمار رضؓ کے والد تھے یہ بھی کفار مکہ کے ظلم وستم اٹھاتے اٹھاتے شہید ہو گئے ۔

۶۔ حضرت ابوفکیہہ رضؓ صفوان بن اُمیّہ کے غلام تھے ۔ جب صفوان کو ان کے اسلام کا علم ہوا تو اس کے پاؤں میں رسی باندھی ۔ لوگوں سے کہا کہ اس کو گھسیٹ کر تپتی ہوئی ریت پر لٹائیں ۔

۷۔ حضرت لُبنیہ رضؓ ایک کنیز تھیں ۔ حضرت عمر رضؓ اُن کو اتنا مارتے کہ خود تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بنا پر مارنا ترک نہیں کیا ۔ بلکہ تھک گیا ہوں ۔ وہ جواب دیتیں اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا ۔

۸۔ حضرت زنیرہ رضؓ حضرت عمر رضؓ کے گھر کی کنیز تھیں ۔ ظالم اور سنگدل ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں ۔

۹۔ حضرت نہدیہ رضؓ اور ام عبیس رضؓ یہ بھی دونوں کنیز تھیں ۔ کافر ان کو سخت ایذائیں دیا کرتے تھے

۱۰۔ حضرت صہیب رضؓ اور عمار بن یاسر رضؓ ایک ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ۔ قریش ان کو اس قدر تکلیف اور اذیت پہنچاتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے ۔ جب انہوں

مدینہ ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا سامان چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو۔ حضرت صہیب رضؓ نے خوشی سے مان لیا۔

جو لوگ بڑے بڑے قبائل سے تعلق رکھتے تھے وہ بھی سنگدل کفار کے ہاتھ سے محفوظ نہ تھے۔ ان کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا گیا جو غلاموں اور ضعفاء کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا۔

حضرت عثمان بن عفان جب اسلام لائے تو ان کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے بہنوئی اور بہن کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کی والدہ نے گھر سے باہر نکال دیا۔

حضرت زبیرؓ کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیا گیا۔

لیکن یہ جور و ستم یہ جلادانہ بے رحمیاں اور سفاکیاں ایک مسلمان کو صراط مستقیم سے متزلزل نہ کر سکیں۔ جب کہ پہلی اُمتوں نے اپنے انبیاء کے چند کوڑیاں لے کر گرفتار کروا دیا اور ان کے منہ پر تھوکا ایک عیسائی مورخ نے لکھا ہے۔

" عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مسائل نے وہ درجہ نشہ دین کا آپ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا۔ جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے جب کہ عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے ان کا نشہ دینی جاتا رہا۔ وہ اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے برعکس اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے مظلوم کے گرد آئے آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا۔ (سیرت النبی جلد اول صہ۲۲۳)

ہجرت حبشہ

بعثت کا پانچواں سال تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد تقریباً پچاس آدمی سے زائد جمع ہو چکے تھے۔ کفار مکہ کے مظالم اور ایذاؤں نے ان کے قصر اتحاد کو اور زیادہ مرصوص بنا دیا تھا اور یہ جماعت روز بروز ترقی پر تھی۔ صحابہ کرام کے ساتھ کفار کی سفاکیوں اور ایذاؤں کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کہ وہ ارض حبش کی طرف ہجرت کر کے چلے جائیں۔ وہاں کا بادشاہ نجاشی جس کا نام اصحمہ تھا بہت عادل اور منصف تھا اور وہ مذہباً عیسائی تھا

جان نثاران اسلام ہر قسم کی تکلیف برداشت کر سکتے تھے لیکن ان کے مکہ میں رہ کر فرائض اسلامی کا ادا کرنا ناممکن تھا۔ کوئی شخص کعبہ میں اونچی آواز سے قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ بار اول بارہ مرد اور چار عورتوں کا ایک مختصر سا قافلہ رات کی تاریکی کے پردہ میں نکلا۔ اور

بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش کی طرف روانہ ہو گیا۔

کفار کو جب ہجرت کی خبر ہوئی تو تعاقب کیا لیکن جب بندرگاہ پر پہنچے تو جہاز جا چکے تھے تو مایوس ہو کر واپس مکّہ لوٹے (کفار یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان کسی ملک میں امن کے ساتھ زندگی بسر کریں اور اسلام کی نورانی شعاعیں پھیلیں) اندرونی جلن کی وجہ سے مشورہ کر کے یہ رائے قرار پائی کہ نجاشی کے پاس ایک سفارتی وفد بھیجا جائے۔ وہ جا کر یہ کہے کہ وہ ان لوگوں کو جو عرب سے بھاگ کر آئے ہیں سفیروں کے سپرد کر دے۔

چنانچہ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص اس کام کے لئے منتخب ہوئے۔ بڑے بڑے قیمتی تحفے ساتھ لئے۔ پہلے درباریوں سے ملے۔ ان کو تحائف پیش کئے ان کی تائید حاصل کی۔ اس کے بعد وہ سفیر دربار میں حاضر ہوئے درخواست کی کہ مہاجرین ہمارے مجرم ہیں ان کو واپس کیا جائے۔ بادشاہ کو یہ کہہ کر اکسایا کہ ان لوگوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا ہے چنانچہ بادشاہ نے مسلمانوں کو جواب دینے کے لئے طلب کر لیا۔ تب جعفرؓ نے یہ تقریر کی۔

"اے بادشاہ ہم ایک جاہل قوم تھے جو بتوں کو پوجتے، مردار کھاتے، بے حیائی کے کام کرتے۔ قریبیوں کے حقوق ادا نہ کرتے ہمسایوں سے بُرا سلوک کرتے اور ہم میں سے مضبوط کمزور کو کھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا۔ جس کے نسب، صدق، امانت اور پرہیزگاری کو خوب جانتے ہیں۔ اس نے ہم کو بلایا کہ خدا کو ایک مانو۔ اسی کی عبادت کرو پتھروں اور بتوں کی پرستش کو چھوڑ دو۔ اور اس نے ہم کو حکم دیا کہ بات سچ کہو۔ امانت ادا کرو۔ صلہ رحمی کرو۔ ہمسایوں سے اچھا سلوک کرو۔ حرام باتوں اور خون ریزیوں سے بچو۔ اس نے ہم کو بے حیائی کے کاموں سے۔ جھوٹ بولنے سے اور یتیم کا مال کھانے سے۔ عورتوں پر جھوٹے الزام لگانے سے روکا۔ پس ہم اس پر ایمان لائے۔ اور اس کی پیروی کی اور اس کی باتوں کو مانا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم شروع کیا اور ہم کو دکھ دیا کہ ہم اپنے دین کو ترک کر دیں اور بت پرستی کی طرف لوٹ آئیں۔ پس جب ان کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں ہو گا۔"

بادشاہ نے حضرت جعفرؓ کی تقریر کے بعد کہا کہ جو کلام آپ کے نبی پر نازل ہوتا ہے وہ بھی سناؤ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں۔

اگلے دن سفراء نے ایک اور تدبیر سوچی کہ نجاشی کو اکسایا جائے کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے۔ عمرو بن العاص دوبارہ دربار میں پہنچے اور نجاشی سے کہا کہ حضور آپ کو معلوم ہے کہ یہ حضرت

عیسیٰؑ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔ بادشاہ نے دوبارہ مسلمانوں کو بلا کر پوچھا کہ تم حضرت عیسےٰؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو۔ حضرت جعفرؓ نے کہا کہ ہم حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا ایک برگزیدہ نبی اور رسول مانتے ہیں۔ خدا نہیں مانتے۔

یہ جواب سن کر نجاشی نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ حضرت عیسیٰؑ کا جو مقام مسلمانوں نے بیان کیا ہے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔

پادری بہت برہم ہوئے لیکن نجاشی نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ قریش کے سفراء کو ناکام و نامراد واپس لوٹا دیا۔ ہجرت حبشہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان وہاں جا کر آزادی سے اپنے فرائض ادا کرنے لگے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ وہاں کے لوگ تعلیم اسلام سے آشنا ہونے لگے۔ ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ کسی نے یہ افواہ پھیلا دی کہ تمام اہل مکہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس افواہ پر تمام مہاجرین واپس مکہ لوٹنا شروع ہو گئے۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر سراسر بے بنیاد تھی واپس جانا بھی دشوار تھا اس لئے سوائے چند ایک کے باقی سب چھپ چھپا کر مکہ میں آ گئے۔

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

سفیروں کی ناکامی اور نامرادی کی وجہ سے قریش مکہ نے اپنی ذلت اور بے عزتی محسوس کی اس وجہ سے کفار نے مسلمانوں کی تکالیف اور ایذاؤں میں مزید اضافہ کر دیا اور بے کس مسلمان مجبوراً حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس بار یہ قافلہ ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں پر مشتمل تھا۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

حضرت حمزہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے آپ چھٹے سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے۔ لیکن آپ سے خاص محبت رکھتے تھے۔ ایک دن حسب معمول ابوجہل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کی۔ حضرت حمزہؓ کی لونڈی دیکھ رہی تھی۔ جب حضرت حمزہؓ شکار سے واپس گھر لوٹے تو لونڈی نے طنزاً کہا۔ اتنے شہ زور بنے پھرتے ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج آپ کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوجہل کس طرح پیش آیا ہے۔

حضرت حمزہؓ قرابت کے جوش میں حرم میں ابوجہل کے پاس پہنچے اور زور سے کمان ابوجہل کے سر پہ ماری اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ جب گھر واپس لوٹے تو اس غور و خوض میں تھے کہ آبائی دین کو دفعتہً چھوڑ دینا ٹھیک نہیں تمام دن سوچتے رہے آخرکار اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام ہی درست دین ہے۔

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت سے گھر سے نکلے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی۔ بازار میں سے جا رہے تھے

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ ملے اور حضرت عمرؓ سے پوچھا ہاتھ میں برہنہ تلوار لے کر کدھر کا رخ ہے حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ نعیم بن عبداللہ نے کہا کیا آپ کو علم ہے کہ آپ کے بہنوئی اور بہن نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ غصہ کی حالت میں واپس بہنوئی کے گھر آئے۔ اس وقت حضرت خبابؓ گھر والوں کو قرآن پاک پڑھا رہے تھے حضرت عمرؓ کی آواز سن کر قرآن مجید کے اوراق چھپا دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے جلالی آواز میں کہا کہ مجھے علم ہوا ہے کہ آپ مرتد ہو گئے ہیں۔ یہ کہہ کر اپنے بہنوئی سعید کو پکڑا اور مارنا شروع کر دیا۔ بہن چھڑانے کے لئے آئیں ان کو بھی چوٹیں لگیں اور لہولہان ہو گئیں۔ بہن کی یہ حالت دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہے تھے وہ مجھے بھی سناؤ۔ چنانچہ سورۃ طٰہٰ کے اوراق دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ اوراق پڑھے تو ان کے دل میں صداقتِ اسلام میخ کی طرح گڑ گئی۔

حضرت خبابؓ بھی باہر نکل آئے۔ تبلیغ کا موقعہ غنیمت جانا۔ تبلیغ کی۔ حضرت عمرؓ سیدھے حضرت ارقم کے گھر پر آئے جہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو تعلیم دیا کرتے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے بعد مسلمانوں کو بہت تقویت ہوئی۔ انہوں نے اعلانیہ اسلام کا اظہار کیا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ بیت اللہ میں نماز ادا کی۔

معاشری مقاطعہ (محرم ۷ھ نبوی)

قریش نے اسلام کی دعوت کو دبانے کے لئے ہر قسم کا حربہ استعمال کیا۔ ایذائیں دیں۔ لالچ طمع دیا۔ لیکن اسلام کا دائرہ پھیلتا چلا گیا۔ اسلام کی شعاعیں تاریک قلوب کو منور کرتی چلی جا رہی تھیں۔ اس لئے کفار نے یہ معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم سے مکمل معاشری مقاطعہ کیا جائے یعنی ان سے ناطہ رشتہ کرنا چھوڑ دیا جائے۔ گلی بازار میں پھرنے سے روک دیا جائے۔ ان سے خرید و فروخت نہ کی جائے۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور کعبہ میں اویزاں کیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا قبیلہ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے اور تین سال تک وہیں رہے۔ یہ ایسا زمانہ تھا کہ محصورین درختوں کے پتے اور چھال کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ بھوک و پیاس کی وجہ سے بچے بلبلاتے تھے ان کی آواز باہر سنائی دیتی تھی تو سنگدل کفار سن کر خوش ہوتے تھے۔ آخر قریش کے چند افراد ہشام مخزومی۔ زمعہ بن الاسود۔ مطعم بن عدی اور زبیر کو رحم آیا۔ انہوں نے معاہدہ چاک کیا اور بنی ہاشم کو اس قید سے نجات ملی۔

عام الحزن (غم کا سال) ۱۰ نبوی

شعب ابی طالب سے نکلنے کے چند دن بعد ابی طالب وفات پا گئے۔ ابوطالب کی وفات کے چند دن بعد حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رمضان ۱۰ نبوی میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ اس سال کو رسول کریم صلعم نے عام الحزن (غم کا سال) فرمایا۔

سفر طائف

مکہ کے آخری ایام

جب کفار مکہ کی حد سے زیادہ ہٹ دھرمی ضد اور مخالفت دیکھی تو آپؐ نے طائف کا رُخ کیا۔ یہ جگہ مکہ سے ستر میل مشرق کی طرف واقع ہے آپؐ کے ساتھ آپؐ کا آزاد کردہ غلام زید بن حارث تھا۔ طائف میں قبیلہ بنو ثقیف آباد تھا۔ عبد یالیل مسعود، حبیب تینوں بھائی اس کے سردار تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے دعوتِ اسلام دی۔ ان تینوں نے نہائت گستاخی سے جواب دیا ان کے انکار کے بعد آپؐ عوام کی طرف دعوتِ اسلام کے لئے متوجہ ہوئے۔ ان تینوں بھائیوں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو اکسایا کہ وہ آپؐ کی ہنسی اڑائیں تمام شہر کے اوباش آپؐ پر ٹوٹ پڑے اور پتھر پھینکنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ آپؐ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں آخر چلتے چلتے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ ایک کافر عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ اس نے آپؐ کی خستہ حالت دیکھ کر اپنے ایک غلام عداس کے ہاتھ ایک انگور کا خوشہ بھیجا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر انگور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ غلام نے حیران ہو کر دیکھا اور کہا کہ یہ ایسا کلام ہے جو یہاں کے لوگ بولا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے لوٹ کر چند روز نخلہ میں قیام کیا۔ اس کے بعد مکہ تشریف لے آئے اور فریضہ تبلیغ کو اور جوش و خروش سے ادا کرنا شروع کر دیا۔ جب حج کا موسم آتا تو مختلف قبائل مکہ کے آس پاس اترتے تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے دعوتِ اسلام دیتے اس طرح آپؐ میلوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے قبائل عرب میں بنی عامر، بنی فزارہ، غسان مرہ، سلیم، عبس، بنونصر، کندہ، کلب، عذرہ، مشہور قبائل ہیں ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ابولہب ہر وقت سائے کی طرح ساتھ رہتا۔ جب آپ تقریر کرتے تو ابولہب کہتا کہ یہ دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے اس کی باتیں نہ سنو۔

یثرب میں اشاعت اسلام

یثرب مکہ کے شمال میں ایک قصبہ تھا جہاں قحطانی نسل کے دو قبیلے بنو اوس اور بنو خزرج رہتے تھے جن کے درمیان اکثر جنگ

رہتی تھی۔ ان قبائل کے علاوہ یہودی قبائل بھی آباد تھے۔ یہی بستی بعد میں مدینۃ النبیؐ کہلائی۔ آہستہ آہستہ النبیؐ کا لفظ ساقط ہوگیا۔ صرف مدینہ کا لفظ رہ گیا۔ آج یثرب مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔

سوید بن صامت کا اسلام قبول کرنا اس بستی میں سب سے پہلے نورِ اسلام سوید بن صامت کے ذریعہ پہنچا۔ سوید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو مکّہ میں ملے۔ اسے دعوت اسلام دی۔ سوید نے کہا۔ شاید آپ کے پاس بھی وہی ہے جو میرے پاس ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا آپ کے پاس کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ حکمت لقمان۔ نبی کریم نے فرمایا۔ بیان کرو۔ سوید نے اپنے چند حکیمانہ اشعار سنائے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا میرے پاس قرآن ہے جو اس سے افضل ہے۔ سوید نے کہا سنائیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن کا ایک حصہ سنایا۔ سوید وجد میں آگیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ جب یثرب میں گیا تو خزرج نے اُسے قتل کر دیا۔

ایاس بن معاذ کا ہدایت پانا اوس اور خزرج کے درمیان بعاث کی مشہور لڑائی ہونے والی تھی۔ اس کی تیاری کے لئے خزرج کا ایک وفد قریش کے پاس امداد کی طلب کے لئے آیا۔ رسولِ کریم اس وفد کے پاس گئے اور اسلام پیش کیا۔ قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ ایاس بن معاذ بے اختیار بول اٹھے۔ اے میری قوم جس مقصد کے لئے تم یہاں آئے ہو یہ اس سے بہتر ہے۔ انس بن رافع نے خاک کی مٹھی ایاس بن معاذ کے منہ پر پھینک ماری اور کہا بس چپ رہو۔ ہم اس مقصد کے لئے نہیں آئے۔ ایاس واپس جا کر جلد فوت ہوگئے۔ مرتے وقت اس کی زبان پر تسبیح و تحمید جاری تھی۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم ایامِ حج میں مختلف قبائل کو دعوت اسلام دیتے پھرتے تھے تو آپ خزرج کے چند آدمیوں کے پاس آئے۔ ان کو دعوتِ اسلام دی۔ اسلام کی تعلیم نے ان کے قلوب پر بہت اثر کیا۔ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

یہ نبوت کے گیارہویں سال کا واقعہ ہے۔ جب لوگ یثرب پہنچے تو اسلام کا چرچا گھر گھر میں ہونے لگا۔ ہر ایک کی زبان پر رسولِ کریم صلعم کے اسمِ مبارک کا ورد تھا۔

بیعت عقبہ اولیٰ نبوت کے بارہویں سال یثرب کے بارہ آدمی مکّہ میں آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔

بیعت کی شرائط ۱۔ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے ۲۔ چوری نہیں کریں گے۔ ۳۔ زنا نہیں کریں گے۔ ۴۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ ۵۔ کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے۔ ۶۔ نہ کسی کی چغلی کیا کریں گے۔ ۷۔ امر بالمعروف میں آپؐ کی فرمانبرداری کریں گے۔

مصعب بن عمیر رسولِ کریم نے حضرت مصعب بن عمیر کو ان کی خواہش کے مطابق احکام اسلام سکھانے کے لئے ان کے ساتھ یثرب بھیجا۔ وہ یثرب میں آکر اسعد بن زرارہ کے مکان پر فروکش ہوئے جو یثرب کے معزز رئیس تھے۔ آپ کا معمول تھا۔ صبح باہر نکل جاتے اور لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے اس طرح دو تین آدمی ہر روز حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتے۔ حضرت سعد بن معاذؓ مبلغ اسلام حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تبلیغی مساعی سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور ان کا تمام قبیلہ اپنے سردار کا قبول اسلام کر لینے کی وجہ سے مسلمان ہو گیا۔

بیعت عقبہ ثانیہ اور اہل عرب سے دوستی کا معاہدہ نبوت کے تیرھویں سال تہتر مرد اور دو عورتیں حج کے لئے مکہ آئے عقبہ کے مقام پر بیعت کی۔ اس وقت حضرت عباسؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لیکن اسلام نہیں لائے تھے۔ انہوں نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا "گروہ خزرج! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں ہم ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں۔ اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس بات پر بیعت کرو کہ تم اپنے اہل و عیال کی طرح میری حفاظت کرو گے۔ یہ سن کر براؓ بن معرور نے ہاتھ بڑھایا اور آپؐ نے ان سے بیعت لی۔ حضرت براؓ بن معرور نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم نے پشت ہا پشت سے جنگ و جدل میں پرورش پائی ہے۔ وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثم نے ٹوک کر کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں اور یہود میں جو تعلقات ہیں وہ بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اقتدار حاصل ہو جائے اس وقت آپ ہم کو چھوڑ کر آ جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ تمہارا خون اور تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ آپ نے اس گروہ میں سے بارہ نقیب منتخب کئے۔ جن کے نام خود انصار نے پیش کئے۔ ان میں نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے۔ ان بارہ نقیبوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ اسعد بن زرارہ ۲۔ اُسید بن الحضیر ۳۔ ابوالہیثم مالک بن تیہان ۴۔ سعد بن عبادہ ۵۔

البرأ بن معرور ۶۔ عبداللہ بن رواحہ ۷۔ عبادہ بن صامت ۸۔ سعد بن الربیع ۹۔ رافع بن مالک ۱۰۔ عبداللہ بن عمرو ۱۱۔ سعد بن خیثمہ ۱۲۔ منذر بن عمرو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی تھی۔ وہ یہ تھیں۔ ترک چوری۔ زنا۔ قتل اولاد اور افترا کا مرتکب نہ ہوں گے اور صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی اچھی بات کہیں گے اس پر عمل کریں گے۔

صبح ہوتے ہی قریش کو اس بیعت کا علم ہو گیا۔ ان کی تلاش میں نکلے لیکن قافلہ صبح ہی روانہ ہو چکا تھا۔ قریش نے سعد بن عبادہ اور منذر رض کو پکڑ لیا۔ منذر تو وہاں سے بھاگ گیا۔ سعد بن عبادہ رض پکڑے گئے۔ ان کو سنگدل قریش نے خوب مارا۔ آخر جبیر بن مطعم اور حارث بن اُمیہ نے قریش کے چنگل سے نجات دلائی۔

ہجرت مدینہ

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رض کو یثرب جانے کی اجازت دے دی۔ مسلمانوں نے اپنے گھر بار خویش واقارب بہن بھائی۔ زن و فرزند چھوڑ کر مدینہ جانا شروع کر دیا۔ لیکن کفار مکہ نے مہاجرین کی سخت مزاحمت کی۔

تمام صحابہ کرام رض ہجرت کر کے یثرب چلے گئے مکہ میں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رہ گئے۔

ہجرت مدینہ (۲۷ صفر ۱۳ نبوی / ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء)

اسباب

۱۔ حضرت خدیجہ اور ابو طالب کی وفات

عرب میں سرداران قبائل کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب خانوادہ بنو ہاشم کے سردار تھے۔ اس وجہ سے کفار ان کی زندگی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ اٹھا نہیں سکتے تھے۔ ہجرت سے ایک سال قبل وہ اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے تو ان کی وفات کے بعد کفار مکہ کے رویہ میں سخت تندی آگئی اور شجر اسلام اور بانی اسلام کو ختم کر دینے والے منصوبے بنانے شروع کر دیئے۔ آخر دارالندوۃ میں آپ کو قتل کر دینے کا منصوبہ بنا لیا۔

اسی سال حضرت خدیجہ کی وفات ہوئی۔ وہ بھی مکہ کی باثر خاتون تھیں اور اکثر سرداران قریش ان کے بار احسان تھے۔ ان کی وفات کے بعد قائدین کفار کی مخالفت میں سختی آگئی چنانچہ مسلمانوں کا باعزت اور محفوظ زندگی گزارنا مشکل ہو گیا۔

۱۰۔ مکہ میں تبلیغ اسلام پر پابندی مکہ میں جتنی سعید روحیں تھیں وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔ اب اسلام کی اشاعت رک گئی۔ شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد سرداران قریش نے تبلیغ اسلام پر سخت پابندی لگا دی۔ اس لئے رسول کریم صلعم نے کسی دوسرے خطہ ارض کو مرکز بنانے کا فیصلہ فرمایا۔

۳۔ اسلامی نظام کی تکمیل کا تقاضا مکہ کی سرزمین میں اسلام کے تمام پہلوؤں کو عملی جامہ پہنانا مشکل ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ ضروری ہو گیا کہ ایک ایسا خطہ ہو کہ جہاں اسلام کے دستور حیات کو عملی شکل دی جا سکے۔ اس مقصد کے لئے مکہ سے ہجرت کرنا ضروری ہو گئی تھی۔

۴۔ کفار کا توحید سے انکار اور بت پرستی پر اصرار جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا حکم پا کر لوگوں کو توحید کا سبق دینا شروع کیا سعید روحیں تو دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں اور اکثریت نے انکار کر دیا اور ان کا محض انکار ہی نہیں تھا بلکہ وہ بت پرستی کے خلاف کسی بات کو سننا برداشت ہی نہیں کرتے تھے اس قسم کے ہٹ دھرم اور ضدی لوگوں کے درمیان اسلام کی اشاعت رک گئی اسی غرض کے لئے طائف بھی گئے لیکن وہاں بھی کامیابی نہ ہوئی تب دین کی اشاعت کے لئے کسی نئے مرکز کی ضرورت پیش آئی۔

۵۔ مخالفت اور ایذارسانی اہل عرب نے اسلام کی اشاعت کو روکنے کے لئے رسول کریمؐ اور مسلمانوں پر مظالم توڑنے شروع کر دیئے۔ پہلے آپ پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے لئے تضحیک کا پہلو نکالا جائے چنانچہ آپ کو کہنے لگے کہ وہ خود ہی کچھ فقرے وضع کر لیتے ہیں یا کسی سے لکھوا لیتے ہیں اور پھر انہیں اللہ کی طرف سے منسوب کر دیتے ہیں (القرآن ۲۵/۴) کبھی کہتے آپؐ اور آپ کا خدا کذاب ہیں۔ اہل عرب جانتے تھے کہ آپ کا پیغام سریع الاثر ہے۔ اس لئے ان کی کوشش کی تھی کہ کوئی آپ کا پیغام سرے سے ہی نہ سنے۔ اس لئے کہتے کہ جہاں قرآن کی تلقین ہو رہی ہو وہاں اتنا شور مچاؤ اور ایسا ہنگامہ بپا کرو کہ کوئی اسے سن ہی نہ سکے۔ (القرآن) اہل عرب اپنے اشخاص کو ایک سازش کے تحت آپؐ کی مجلس میں بھیج دیتے تاکہ وہ واپس آ کر کہہ سکیں کہ ہم نے خود قرآن سنا ہے وہ جھوٹ ہے یا وہ ایسے اشخاص آپؐ کی مجلس میں بھیج دیتے جو وہاں بظاہر مسلمان بن جاتے لیکن باہر آ کر پھر جاتے تھے۔ آپ کو تنگ کرنے کی ایک صورت یہ تھی کہ شہر کے لونڈے آپ کے پیچھے لگا دیئے جاتے جو آپ پر آوازے کستے تھے۔ کبھی کہتے کہ آپ پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور آپ بہکی بہکی باتیں کرتے

ہیں ۔عربوں میں یہ خیال عام تھا کہ شاعروں کے پاس جن ہیں ۔ آپ کے بارے میں یہی کہتے کہ آپ شاعر ہیں اور تخیلات کی دنیا میں افسانہ طرازی کرتے ہیں ۔ اس پس منظر میں اب ہم چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے پتہ چلے گا کہ اہلِ مکہ کی ایذاء رسانی کس حد تک بڑھ چکی ۔ لیکن اس ضمن میں ایک نکتہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ عربوں نے شروع میں قتل و خون کی جگہ ظلم و ستم کا شیوہ اختیار کیا ۔ چنانچہ ٹھیک دوپہر کے وقت وہ غریب مسلمانوں کو گھسیٹ لاتے اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر انہیں ایذا دیتے ۔

حضرت بلالؓ ۔ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے ۔ انہیں گرم ریت پر لٹا دیا جاتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ کر کہا جاتا کہ وہ اپنے نئے مذہب سے باز آجائے ۔ حضرت بلال وحدہ ہی جواب دیتے ۔ اُمیہ نے ان کے گلے میں رسّی باندھ کر لونڈوں کے حوالے کر دیا ۔ وہ آپ کو مارتے تو پھر بھی آپ کی زبان سے وحدہ ' وحدہ ' کے الفاظ ہی نکلتے ۔ عمار ان کے والد اور ان کی والدہ سخت ظلم و ستم کا شکار ہوئے ابوجہل نے برچھی مار کر آپ کی والدہ سمیہ کو شہید کر دیا تھا ۔ صہیب پر اتنے مظالم کئے گئے کہ ان کا دماغ مختل ہو گیا جب وہ مدینہ کو ہجرت کرنے لگے تو ان کا مال و اسباب چھین لیا گیا ۔ ابو فکیہؓ صفوان بن اُمیہ کے غلام تھے ۔ ان پر اتنا ظلم کیا کہ ان کی زبان باہر نکل آئی ۔ یہ چند ایک مثالیں صرف ان مسلمانوں کی تھیں جو خاص طور پر نشانہ ظلم و ستم بنے ۔ صحابہ کے علاوہ آپ کی ذات بھی محفوظ نہ تھی ۔ گویا ایک آگ تھی جو مکہ میں بھڑک اٹھی تھی جو چاہتی تھی کہ دین کے سچے شیدائیوں کو بھسم کر کے رکھ دے ۔

کفار نے دینِ الٰہی کے انحراف کی تلقین کی اور اتنی سخت ایذائیں دیں کہ مسلمان عرب اور سرداران قریش کے مظالم سے تلملا اٹھے تھے ۔ خاص طور پر نادار مسلمان ان کا نشانہ ستم بنتے ۔ بلال ، عامر بن فہیرہ ، ام عبیس عمار بن یاسر ایسے افراد کو مار مار کر ادھ موا کر دیا جاتا تھا ۔ بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا ۔ انہیں تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا جاتا اور سینہ پر بھاری اور وزنی پتھر رکھ کر مطالبہ کیا جاتا کہ وہ نئے دین سے منحرف ہو جائیں ۔ محنت مزدوری کرنے والے افراد کو جواب دے دیا جاتا ۔ مکہ کے ایک لوہار خباب بن ارت کے مالک نے انہیں اس وقت تک مزدوری دینے سے انکار کر دیا تھا ۔ جب تک کہ وہ رسول کریمؐ کا انکار نہ کر دیں ۔ ایک روز رسول کریم کعبہ کی دیوار کے سائے میں بیٹھے تھے کہ خباب نے عرض کیا یا رسول اللہ ! اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے ۔ آپ خدا سے دعا نہیں فرماتے ۔ رسولِ خدا نے جواب دیا کہ اہلِ ایمان پر پہلے بھی ایسے ظلم ہوتے رہے ہیں لیکن وہ وقت دور نہیں ۔ جب ایک مسافر صنعا سے حضرموت تک اکیلا سفر کر لیا کرے گا ۔

رسولِ کریم صلعم باہر تبلیغ کے لئے جاتے تو راستہ میں کانٹے بچھا دیتے غلاظت پھینکتے گالیاں دیتے ان تمام باتوں پر مستزاد بنو ہاشم سے معاشری اور اقتصادی مقاطعہ کر دیا جس وجہ سے رسولِ کریم تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے گویا کفار نے یہ تہیہ کر لیا ہوا تھا کہ وہ شجرِ اسلام کو جڑ

سے اکھاڑ پھینکیں گے۔

نئے مرکز کی ضرورت۔

مکہ میں جتنی سعید روحیں تھیں وہ سب حلقہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں جو لوگ باقی رہ گئے یا تو ان کو تعصب اور بغض نے اتنا اندھا کر دیا ہوا تھا کہ وہ اسلام کے منور چہرے کو دیکھ ہی نہیں سکتے تھے یا ایسے لوگ تھے جو مخالفتوں اور ایذاؤں سے ڈر کر قبول حق نہیں کرتے تھے۔ مکہ کے قرب جوار میں بھی اسلام کی اشاعت کے لئے فضا خوشگوار نہ تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف اسلام کا پیغام لے کر گئے تھے۔ جو سلوک وہاں کے لوگوں نے کیا تھا اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس وجہ سے اشاعت اسلام کے لئے ایک نئے مرکز کی ضرورت تھی۔

۷۔ ہجرت حبشہ کی مثال ہجرت مدینہ سے پہلے ہجرت حبشہ ہو چکی تھی۔ اس سے مسلمانوں نے ایک سبق لے لیا تھا۔ وطن سے باہر جا کر آزادی سے اپنے مذہبی رسوم ادا کئے جا سکتے ہیں۔ اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضروری سمجھا کہ اب مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو اسلام کی اشاعت کا مرکز بنانا چاہیئے۔

۸۔ اہل مدینہ کا اشتیاق اسلام کی شعاعیں مدینہ کی فضا میں دن بدن زیادہ پھیلتی چلی جا رہی تھیں اس وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کا یہ اشتیاق تھا کہ رسول کریم صلعم کو مکہ کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر یہ بیعت کی تھی کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی مدافعت کے لئے تمام عرب وعجم سے مخالفت مول لے لیں گے اور اپنی متاع عزیز کی مدافعت اور حفاظت کی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے۔

اسلام صرف نظریاتی مذہب ہی نہیں بلکہ عملی مذہب بھی ہے۔ اسلام کی تعلیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مکہ کی فضا ناخوشگوار تھی۔ وہاں اسلامی قانون کی تنفیذ کے لئے اسلامی ریاست وجود میں نہیں آ سکتی تھی۔ اس لئے ہجرت ناگزیر تھی۔

۹۔ رسول کریمؐ کو قتل کرنے کا ارادہ نبوت کا تیرھواں سال تھا۔ صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ جا چکے تھے۔ پُرامن فضا میں آزادی سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسلام کی شعاعیں اردگرد قبائل میں بھی پھیل رہی تھیں اور اسلام زور پکڑتا جا رہا تھا اور اسلام کے مصفی آئینہ میں عربوں کو اپنی رسوم اور بت پرستی کا خاتمہ نظر آ رہا تھا۔ اس وجہ سے ہر وہ قدم اٹھانے کو تیار رہتے جس سے اسلام کا خاتمہ ہو۔ اس بنا پر دارالندوہ میں خفیہ اجلاس ہوا۔ جس میں ابوجہل کی تجویز پر یہ طے پایا کہ عربوں کے ہر مشہور قبیلہ سے ایک ایک جوانمرد لیا جائے وہ سب رات کی تاریکی میں محمدؐ کے گھر کو گھیر لیں۔ جب وہ علی الصبح باہر نکلیں تو سب جوانمرد حملہ کر کے قتل کر دیں۔ اس

...ت میں خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا۔ آلِ ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے
...کار تمام روسا اس تدبیر پر متفق ہوئے۔

مدینہ کو اشاعت اسلام کے لئے مرکز کیوں تجویز کیا گیا

اس کی تین وجوہ تھیں ایک وجہ تو یہ تھی کہ مدینہ میں اشاعت اسلام کے لئے فضا خوشگوار ...ی۔ اوس اور خزرج قبائل کے سردار دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جن کے قبول کرنے کی وجہ سے ...صرف ان کے قبیلہ کے لوگ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے بلکہ مدینہ سے باہر بھی لوگوں پر اچھا اثر ... اور لوگ اسلام کو ایک طاقت سمجھنا شروع ہو گئے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ مدینہ میں اسلام کی تعلیم اور قانون کو عملی جامہ پہنانے کے لئے زمین ہموار ...چکی تھی۔

تیسری وجہ مدینہ کا محل وقوع تھا۔ مدینہ دفاعی لحاظ سے بہت محفوظ مقام تھا۔ جس کے ...ی طرف پہاڑ اور ایک طرف نخلستان تھے اور مکہ ایسے راستہ پر واقع تھا۔ یہاں سے مکہ والوں کے ...م تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ تصادم کی صورت میں تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کرنا آسان تھی کیونکہ ...والوں کی معیشت کا دارومدار یہی تجارتی قافلے ہوتے تھے۔

...رت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

اب مکہ میں مشاہیر مسلمانوں میں سے صرف ابوبکرؓ اور علیؓ ہی باقی رہ گئے تھے اور ایک قلیل تعداد باقی مسلمانوں ...ی تھی۔ تب قریش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے شجرِ اسلام کو کاٹ دینے کا ارادہ ...لیا۔ چنانچہ تمام قائدین قریش قصی بن کلاب کے قائم کردہ گورنمنٹ ہاؤس (دار الندوہ) میں جمع ہوئے ...رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مشورہ شروع ہوا۔ اس مجلس میں عتبہ، شیبہ، ابوسفیان ...م بن عدی، جبیر بن مطعم، حارث بن عامر، نضر بن حارث، ابوالبختری، زمعہ بن اسود، حکیم بن ...ام، ابوجہل، منبہ بن الحجاج، امیہ بن خلف جیسے سردارانِ قریش شریک تھے۔ آخر کار ...طے ہوا کہ تمام قبائل میں سے ایک ایک جوان لیجئے اور محمد (صلعم) کے گھر کا محاصرہ کرلیں۔ جونہی ...ر سے باہر نکلیں تو بیک وقت محمد (صلعم) پر حملہ کر کے قتل کر دیں چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ...کفار کے منصوبہ قتل کی اطلاع ہو چکی تھی۔ رات کو اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لٹا کر اور اُن ...سپرد مکہ والوں کی امانتیں کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ...ہجرت کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شرفِ معیت بخشا۔ تھوڑا سا زادِ راہ ...کر عقبہ دروازہ سے نکل کر جنوبی سمت چل پڑے۔ راتوں رات چل کر غارِ ثور میں پہنچ گئے جو مکہ سے

تین میل دور پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ جب صبح ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھے پہرہ داروں نے دیکھا کہ سویا ہوا تو علی رضی اللہ عنہ ہے۔ اپنے منصوبہ قتل میں ناکامی دیکھ کر قریش بہت سٹپٹائے۔ تلاش میں نکل پڑے اور اعلان کیا کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ ایک متلاشی گروہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے منہ تک پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے پاؤں کی آہٹ سنی۔ آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا اگر ان لوگوں نے جھک کر دیکھا تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چہرے سے خوف کے نشان دیکھے تو فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ رسول کریم صلعم تین دن اسی غار میں مقیم رہے۔ ہر شام کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ دشمنوں کے منصوبوں سے آگاہ کرتے رہتے۔ اور آپ کی صاحبزادی حضرت اسماء کھانا تیار کر کے دے آتیں اور ان کا غلام بکریوں کا دودھ پہنچا جاتا تھا۔ چوتھے روز کو دو اونٹنیاں آئیں جن کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے اسی کام کے لئے تیار رکھا ہوا تھا۔ ایک پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سوار ہو گئے دوسری پر عامر بن فہیرہ اور عبد بن اریقط (یہ ایک کافر تھا جسے رہنمائی کے لئے اجرت پر مقرر کیا گیا تھا) سوار ہوئے اور وادی تہامہ کی جانب بحر احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر اختیار کیا۔

سراقہ کا تعاقب سراقہ بن جعشم کو کسی راہرو کی معرفت یہ خبر ہوئی کہ فلاں راستہ پر اس قسم کے مسافر جا رہے ہیں۔ سراقہ نے سوچا ہو نہ ہو وہ اپنے ہی شکار ہوں۔ اس سمت گھوڑا ڈال دیا جس طرف کا نشان اس مسافر نے بتایا تھا۔ سراقہ نے آپ کو دیکھ لیا۔ گھوڑے کو تیز کیا قریب آ گیا۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ پھر گھوڑا تیز کیا۔ پھر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سراقہ زمین پر گر پڑا۔ اس سے اس کی ہمت پست ہو گئی۔ دل پر خوف طاری ہو گیا۔ اپنے ارادے سے تائب ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کی۔ قریش کے انعام کے اعلان کی خبر دی اور درخواست کی کہ مجھ کو امان کا وثیقہ لکھ دیجئے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ نے وثیقہ امن تحریر کر دیا۔

مسلمانانِ مدینہ کا انتظار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ متواتر دن عرب کی جھلسا دینے والی دھوپ میں چلتے رہے اسی طرح سات راتیں عرب کے لق و دق صحرا کو طے کرنے میں صرف ہوئیں۔ مکہ سے روانگی کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی تمام مسلمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق سفر کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ ہر روز مدینہ کے باہر چلے جاتے تھے۔ تمام دن انتظار کرنے کے بعد واپس لوٹ آتے تھے۔ ایک

ب معمول انتظار کر کے واپس ہوئے تو ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا
دینہ جس شخص کا تم انتظار کرتے تھے وہ آگیا ہے۔ یہ سنتے ہی تمام شہر تکبیروں سے گونج اٹھا اور انصار
نہ محبت میں گھروں سے باہر نکل آئے۔ یہ سامسعود ہے

ہیں آمد اور مسجد کی بنیاد

مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں۔ وہاں چند انصاری خاندان آباد تھے۔ رسول کریم
اللہ علیہ وسلم نے یہاں پہنچ کر کلثوم بن الہدم رض کو شرف میزبانی بخشا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
قبا میں چودہ دن قیام کیا اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ہجرت کر کے
ل کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبا میں آملے۔ اسعد آ گئی یہ پہلی مسجد تھی

ہیں داخلہ اور انصار کی عقیدت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تعمیر کرنے کے بعد مدینہ کی طرف روانہ ہوئے زیارت اور استقبال کے لئے
مدینہ ٹوٹ پڑا۔ عورتیں اور معصوم لڑکیاں خوشی کے عالم میں دف بجا بجا کر یہ پڑھتیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

یعنی وداع کی گھاٹیوں سے چاند ابھر آیا ہے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب دعا مانگنے
ے دعا مانگیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر گھر کی طرف سے میزبانی قبول کرنے کی دعوت دی جانے لگی۔
ل کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ناقہ کو چھوڑ دو۔ وہ خدا کی طرف سے مامور ہے جہاں بیٹھ
ئے وہی میری قیام گاہ ہوگی۔ آخر یہ انمول اور گراں بہا نعمت حضرت ایوب انصاری رض کے حصہ میں آئی
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سات ماہ تک حضرت ابو ایوب انصاری کے ہاں مقیم رہے۔

رت کی اہمیت اور نتائج

ہجرت مدینہ تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے جس سے مسلمانوں کی نئی زندگی اور اسلام کے نئے دور کا آغاز ہوتا ہے
عہ ہجرت نے اسلامی تاریخ پر دور رس نتائج مرتب کئے۔

اوس اور خزرج کا اتحاد

یثرب کے عرب قبائل اوس اور خزرج مدتوں سے ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار تھے ہجرت سے صرف دو تین سال قبل جنگ بعاث
ں دونوں قبائل نے ایک دوسرے کے خلاف خوب تلوار چلائی تھی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
مد با وجود نے ان کے تمام اختلافات مٹا کر اتحاد کی لڑی میں منسلک کر دیا۔

۲۔ اسلامی ریاست کا قیام: مکہ میں کفر کے ظاہری غلبہ اور مزاحمت کی وجہ سے مسلمانوں کو مذہبی فرائ سرانجام دینے بھی مشکل تھے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدین ہجرت کر کے تشریف لائے تو مدینہ میں مسلمانوں کی حیثیت اکثریت کی وجہ سے حاکم قوم کی بن گئی تھی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی تمام جماعتوں نے اپنا قائد تسلیم کر لیا تھا۔ اس طرح ہجرت سے چھوٹی سی ا ریاست کا وجود ظہور میں آ گیا۔ آخر کار اسی اسلامی سلطنت کی حدود چین، ترکستان، ہندوستان، شام ، شمالی افریقہ، سپین اور فرانس تک پھیلیں۔

۳۔ معاشی ترقی: مدینہ اسی شاہراہ سے بہت قریب واقع تھا جو شام کی طرف جاتی تھی وہ مسلمان جن پیشہ تجارت تھا جب مدینہ پہنچے تو انہوں نے از سر نو تجارت کرنا شروع کر دی کے علاوہ مسلمانوں نے مدینہ میں پہنچ کر آزادی سے روزی کمانا شروع کر دی۔ بہت جلد مسلمان ا بال بچوں کا پیٹ پالنے کے قابل ہو گئے۔

۴۔ مسلمان امن پسند ہیں: یہودیوں سے معاہدہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان امن کی زندگی بسر کرنا چاہ تھے اور دوسروں کے لئے خطرہ بننا نہیں چاہتے تھے۔

۵۔ اشاعت اسلام: ہجرت کے بعد اسلام تمام عرب میں پھیلنا شروع ہو گیا اور اسلام کا پیغ ہمسایہ ملکوں کے سربراہوں کو پہنچایا گیا۔

۶۔ پُر امن فضا: مکی زندگی مسلمانوں کے لئے ایک لاکھ دکھ اور اذیتوں کی داستان تھی۔ کفار کے ہاتھ سے صرف غربا ہی تختہ مشق نہیں بنتے تھے بلکہ امرا بھی مصائب کا نشانہ بنتے تھے مسلمانوں کے لئے اپنے اجتماعی مذہبی فرائض ادا کرنے مشکل تھے۔ مدینہ میں آ کر مسلمانوں کو پُر امن ماحول میسر آ گیا۔ اجتماعی مذہبی فرائض ادا کرنے شروع کر دیئے۔ جس سے اسلامی معاشرہ ظہور میں آ گیا۔ اپنی سیاسی طاقت بڑھانے اور اپنی دفاع اور حفاظت کے لئے اجتماعی طاقت استعمال کرنے کا موقع مل گیا۔

۷۔ غلبہ اسلام: ہجرت نے عرب میں غلبہ اسلام کے لئے ایک نئی راہ کھول دی۔ جب مسلمان مدینہ ہجرت کر کے آ گئے اور امن کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے تو قریش حسد کی آگ میں جلنے لگے اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے ختم کرنے کے لئے مدینہ پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ ان جنگوں کے نتیجہ میں کفار کی طاقت پاش پاش ہو گئی اور اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا۔

۸۔ ناکہ بندی: مدینہ اس شاہراہ پر واقع تھا۔ جس پر قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے مسلمانوں کو قریش کی اقتصادی ناکہ بندی کرنے کا بہترین موقع مل گیا۔ یہ ناکہ بندی مسلمانوں کے لئے خیر اور بھلائی کا پیغام لائی۔

۹۔ سن ہجرت: مسلمانوں کا سن ہجرت (ہجری) اس سے شروع ہوا۔

مسجد نبوی کی تعمیر

مسلمانوں کو سب سے پہلے مرکز کی ضرورت تھی جہاں جمع ہو کر وہ اپنی اجتماعی قوت کا مظاہرہ کر سکیں اور عبادات میں مصروف رہ سکیں۔ چنانچہ آپ نے
ب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کا فیصلہ کیا۔ اس کی سادہ عمارت کے لئے کچی اینٹوں، کھجور کے پتوں، مٹی
رپانی کی ضرورت تھی۔ یہ سب چیزیں مہیا کر لی گئیں اور جب تعمیرات کا عملی کام شروع ہوا تو آپ بھی عام
ردوں کے لباس میں صحابہ کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔ مسجد کی تعمیر کے بعد اذان کا حکم جاری ہوا تا کہ
ہیں پانچ مرتبہ اذان کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی اطلاع ہو جائے اور دوسری طرف دن میں پانچ بار
ورت اسلام کا انتظام ہو جائے۔

رواداری اور بھائی چارہ

ہجرت کر کے آنے والے مسلمان صرف اپنی جانیں سلامت لے کر مدینہ پہنچے تھے۔ بالکل تہی دست تھے۔ دوسری طرف انصار کا
ومتاع ان کے نخلستان تھے۔ انہوں نے اپنی تمام کائنات آپ کی خدمت میں ڈھیر کر دی اور درخواست
لہ اسے مہاجرین اور انصار میں نصف نصف بانٹ دیا جائے۔ آپ نے اس تقسیم کی بجائے مہاجرین
انصار کے درمیان اخوت قائم کر دی۔ قرآن میں اس کا ذکر یوں آیا ہے۔

"جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور اللہ کے دین کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے مکّہ کے مہاجرین کو مدینہ میں جگہ دی اور ان کی مدد کی تو
ی لوگ ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کا کارساز و رفیق ہے۔"

مہاجرین اور انصار میں یہ رشتہ اگرچہ عارضی ضرورت کے تحت قائم کیا گیا تھا کہ بے خانماں مہاجرین
کے لئے چندروزہ انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ رشتہ اخوت اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔
نصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو اظہار کیا۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

سمتِ کعبہ کا تعین

مدینہ میں دو گروہ آباد تھے۔ مشرکین کا کعبہ مکّہ تھا لیکن اہل کتاب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے۔ جب مدینہ میں اسلام پھیل گیا تو
شادِ الٰہی . . . . . . ہوا کہ تم اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیرو اور جہاں کہیں رہو اسی طرف
منہ پھیرو (البقرہ) تو آپ نے بھی کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم جاری کر دیا۔ اس سے
ئی ایک فوائد حاصل ہوئے۔ پہلے تو یہ کہ جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تو اہل کتاب
ہتے کہ اگر تم نے بیت المقدس کو کعبہ تسلیم کر لیا ہے اور اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہو تو ہمارے
ر تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جب خانہ کعبہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اہل
کتاب کا یہ اعتراض ختم ہو گیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی جو تحریک شروع
وئی تھی اس کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ ان کا مرکز ایک ہی رکھا جائے۔ کعبہ خانہ خدا تھا اس لئے

خدا کی وحدت کے ساتھ اس کے گھر کی وحدت بھی برقرار رکھنا مقصود تھا۔

۱۳۔ معاہدہ مدینہ

مدینہ آنے پر آپ نے اہلِ شہر سے ایک معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ یا معاہدہ مدینہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس معاہدہ میں مسلمانوں کے علاوہ مشرکین اور یہود بھی شامل تھے اس معاہدہ کی رو سے رسولِ کریم صلعم مدینہ کے سربراہ ہو گئے۔

مختصر یہ کہ ہجرت سے تمام اقتصادی سیاسی اور دینی ترقیوں کا باب کھل گیا۔ مسلمان محکومیت اور ظلم و استبداد کے گرداب سے نکل کر ایک خود مختار سلطنت کے مالک بن گئے۔ بعدازاں یہی سلطنت اردگرد کی سلطنتوں پر غالب آئی۔

ہجرت سے ایک یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان جب دین اور مذہب کے لئے قربانی کریں تو ان کے لئے ترقی کے دروازے کھلتے ہیں۔

مدنی زندگی

ہجرت کے بعد مدینہ میں چار جماعتیں تھیں۔

انصار:۔ مدینہ منورہ کے قحطانی قبائل اوس اور خزرج انصار کہلاتے ہیں۔ انصار کے معنی مددگار کے ہیں۔ چونکہ اوس اور خزرج نے اسلامؑ اور مسلمانوں کی جانی اور مالی اعانت کی تھی اور ان ہی کی دعوت پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا تھا۔ اس وجہ سے تاریخِ اسلام میں ان کا نام انصار ہے۔

انصار نے اسلامی اُخوت کا بہترین مظاہرہ کیا تھا انہوں نے اپنے مہاجرین بھائیوں کے لئے ہر وہ چیز جس کو وہ عزیز جانتے تھے پیش کر دی۔ انصار کے جذبۂ خلوص اور مودت کی وجہ سے مکّہ فتح ہو جانے کے بعد بھی مدینہ کو ہی اپنا دارالخلافہ بنایا۔

انصار زراعت پیشہ تھے۔ اسلام سے قبل باہمی اختلاف اور افتراق کی وجہ سے ان کی اقتصادی حالت بہتر نہ تھی۔

مہاجرین:۔ جو مسلمان مکّہ سے ترکِ وطن کر کے مدینہ میں آباد ہوئے تھے۔ وہ تاریخ اسلام میں مہاجرین کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ مہاجر ہجرت کرنے والے کو کہتے ہیں یہ لوگ حقیقی معنی میں مہاجر تھے۔ ان لوگوں نے صرف اپنے عزیز وطن کو ہی خیرباد نہیں کہا تھا بلکہ شیطانی جذبات اور خیالات سے بھی کنارہ کش ہو گئے تھے۔

یہ لوگ مکّہ میں مختلف آزمائشوں اور مصائب کی بھٹی سے نکل کر آئے تھے اس وجہ سے وہ ایمانی قوت کے لحاظ سے اتنی مضبوط چٹان پر کھڑے تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش کا آنا ناممکن ہو

گیا تھا۔ یہ لوگ شجرِ اسلام کی سب سے پہلے اپنے خون سے آبیاری کرنے والے تھے اس وجہ سے السابقون الاوّلون کہلائے۔ یعنی سب سے پہلے ایمان کے میدان میں سبقت لے جانے والے۔

منافقین:۔ یہ وہ گروہ ہے جو اسلام کی ابھرتی ہوئی قوت کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے ظاہراً دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ لیکن ان کے دل کفر کی وجہ سے سیاہ تھے۔ ان کا سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا اس کا مدینہ میں بہت ہی اثر ورسوخ تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدینہ میں آمد سے پہلے اہلِ مدینہ اس کو اپنا قائد تسلیم کرنے والے تھے۔ اس کی تاج پوشی کا انتظام بھی ہو چکا تھا لیکن آفتابِ رسالت کی آمد کی وجہ سے اس کی قیادت ختم ہو گئی اور اہلِ مدینہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنا قائد تسلیم کر لیا۔ رائے عامہ کے دباؤ کی وجہ سے کھلم کھلا اسلام کی مخالفت تو نہ کر سکا لیکن اندرونی طور پر اسلام کے دشمنوں سے سازباز شروع کر دی۔ ہر لڑائی میں اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

یہود:۔ مدینہ میں یہود کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر۔ بنو قریظہ۔ یہ سب مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ عموماً زمیندار، تجارت پیشہ اور صناع تھے۔ سودی کاروبار کرتے تھے اور انصار ان کے مقروض رہتے تھے۔ علمی لحاظ سے بھی انصار پر فوقیت رکھتے تھے اور اپنے آپ کو زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے اخلاقِ شنیعہ میں مبتلا اور انسانیت سے عاری ہو چکے تھے۔

جب انصار نورِ ہدایت سے منور ہوئے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم مدینہ تشریف لے آئے تو یہودیوں کے جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار کی عمارت پیوند خاک ہونے لگی اور یہودیت کی اشاعت رک گئی۔ اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ یہودیوں کے دل حسد اور بغض کی آگ سے جلنے لگے۔ اسلام کی بیخ کنی کے ناپاک منصوبے گھڑنے شروع کر دیئے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے طرح طرح کی کوششیں کرنے لگے۔

یہود نہ صرف خود ہی اسلام کی بربادی کی موہوم سکیمیں بناتے تھے بلکہ ان کا خفیہ تعلق منافقوں اور کفارِ مکّہ کے ساتھ بھی تھا تاکہ متحدہ طاقت کے ساتھ شجرِ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو قتل کرنے کے منصوبے بناتے۔ آخر کار یہ تینوں قبیلے اپنی ان سوز حرکات کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ ابتدا میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جو میثاقِ مدینہ کہلاتا ہے۔ بعد میں اسی معاہدہ کے خلاف ان کی سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں۔

میثاقِ مدینہ:۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم جب مدینہ میں تشریف لائے تو مدینہ کی فضا کو پُرامن رکھنے کے لئے تمام باشندگانِ مدینہ کے درمیان ایک عہد نامہ مرتب کیا۔ سب نے اس کو قبول کر کے اس پر دستخط کئے۔ یہ معاہدہ میثاقِ مدینہ کہلاتا ہے۔

یثاق مدینہ: اس یثاق کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ انصار، مہاجرین اور دیگر حامی قبائل سے تعلق رکھتا تھا۔ دوسرا حصہ یہودیوں کے متعلق تھا۔ یہ ایک قسم کا وفاق تھا جو عربوں اور یہودیوں کے مابین قائم کیا گیا اور حکومت مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

۱۔ مہاجرین اور انصار ایک ہی جماعت ہیں۔

۲۔ مسلمان اپنے باہمی اختلاف میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہیں۔

۳۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی شخص پر زیادتی کرے تو سب مل کر ایسے شخص کو سزا دیں۔

۴۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے سے ہاتھ نہ روکنا چاہیئے اور تمام مومن ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

۵۔ کسی مسلمان کے لیئے جائز نہیں کہ وہ کسی مجرم کو پناہ دے۔

۶۔ سب اپنے اپنے محلوں میں امن کے ذمہ دار ہوں گے۔

۷۔ صلح اور جنگ دونوں صورتوں میں اتحاد اور یک جہتی کو قائم رکھیں گے۔

۸۔ یہ امت دوسری قوموں اور جماعتوں سے بالکل الگ ہے۔

۹۔ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا۔

۱۰۔ مسلمانوں کے حلیفی رفیق صرف مسلمان ہی ہوں گے۔

حصہ دوم کی شرائط

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا قدیم طریقہ جاری رہے گا۔

۲۔ یہود کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

۳۔ یہود اور مسلمانوں کے تعلقات دوستانہ ہوں گے اور لڑائی کی صورت میں ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۴۔ کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔

۵۔ مدینہ پر حملہ ہوا تو دونوں فریق مل کر مدافعت کریں گے۔ اور صلح میں بھی دونوں فریق شریک ہوں گے

۶۔ جھگڑوں اور اختلافات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ثالث تسلیم کیا جائے گا۔

۷۔ اگر دشمن سے جنگ شروع ہو جائے تو یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ اخراجات برداشت کریں گے۔

۸۔ یہود کے دوست اقوام کے حقوق ان کی طرح ہوں گے۔

۹۔ مدینہ میں کشت و خون تمام قوموں پر حرام ہوگا۔

۱۰۔ یہود اور مسلمانوں کے درمیان صلح رہے گی۔

میثاق مدینہ کی اہمیت اور نتائج

۱۔ پائیدار امن

اس معاہدہ کی شرائط پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُن کی رُو سے آپؐ نے مدینہ میں پائیدار امن کی بنیاد تلاش کر لی۔ قبائل باہمی اختلاف کا شکار ہی نہ تھے بلکہ آپس میں متصادم بھی رہتے تھے ان سب پر یہ پابندی لگا دی گئی کہ وہ مدینہ کے اندر کشت و خون سے باز رہیں اور ایک پُرامن ماحول میں آسودہ زندگی بسر کریں۔ معاہدہ کی یہ شرط تمام فریقوں پر یکساں لاگو تھی۔ خواہ وہ یہودی ہوں، اوس ہوں یا خزرج، اوس اور خزرج آپس میں لڑائی جھگڑوں میں مشغول رہتے تو دوسری طرف یہودی انہیں اپنی سازش کا شکار بنا لیتے۔ اب ان تینوں کو پابند کر دیا گیا کہ وہ مکمل امن و امان قائم رکھیں نہ آپس میں لڑیں نہ دوسروں کو ایک دوسرے سے لڑانے کی کوشش کریں۔

۲۔ اسلامی حکومت کا تحریری دستور

ڈاکٹر حمید اللہ نے اسے دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور قرار دیا ہے۔ اس میں حکومت اور عوام کے حقوق و فرائض کو واضح طور پر متعین کیا گیا ہے۔

۳۔ مذہبی آزادی

معاہدہ کی رُو سے یہ قرار پایا کہ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اسلام نے مذہبی رواداری کی جو مثال قائم کی ہے۔ یہ اس کا واضح ثبوت ہے۔ یہ مذہب کبھی بھی تلوار سے نہیں پھیلایا گیا جیسا کہ عیسائی مورخ الزام لگاتے ہیں۔ بلکہ یہ صرف تبلیغی مساعی سے پھیلا ہے۔ میثاق مدینہ میں یہودیوں کو اپنے مذہب کی پیروی کی مکمل کھلا آزادی دے دی گئی تاکہ وہ اپنے مذہبی شعائر پر بلا جھجک عمل کر سکیں۔ یہ سب اس اطمینان کے بعد طے کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کو بھی مکمل مذہبی آزادی ہوگی۔ اس آزادانہ ماحول میں اب جو مذہب زیادہ جاذب ہوگا۔ لوگ خود بخود اس کی طرف کھچے چلے آئیں گے۔ چنانچہ عملی طور پر یہی کچھ ہوا جب عام لوگوں نے اپنے مذہب کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کیا تو وہ برضا و رغبت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مگر یہود اپنے مذہب پر قائم رہے۔ اگرچہ ان کا موجودہ مذہب ایک مسخ شدہ صورت میں موجود تھا۔

۴۔ قریش کی مخالفت

معاہدہ میں طے پایا کہ کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خواہ مخواہ قریش کو نشانہ انتقام بنایا لیکن غور کیجئے کہ قریش کون تھے۔ یہ وہی قبیلہ تھا جو آپؐ کے مکہ سے اخراج کا باعث ہوا، معاہدہ میں ان کے بارے میں جو شرط رکھی گئی۔ اس کی تہہ میں یہ راز تھا کہ قریش لازماً یہود سے تعلق قائم کریں گے اس لئے یہود بطور فریق معاہدہ انہیں امان دینے، یعنی انہیں مدینہ میں قیام کرنے کی اجازت نہ دیں گے تاکہ وہ یہاں آ کر مسلمانوں کے خلاف محاذ بنا لیں یا ان کی جاسوسی نہ کر سکیں۔ بعد کے حالات سے یہ بات واضح

ہو گئی کہ یہود نے اسی شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قریش سے سازباز کی تھی۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن ابی اسی شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قریش سے خفیہ طور پر مراسلت شروع کر چکا تھا۔

۵۔ مدینہ کا تحفظ اور دفاع | معاہدہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے تو دوسرا فریق اس کی مدد کرے گا۔ نیز مدینہ پر حملہ ہوا تو دونوں فریق مل کر اس کا دفاع کریں گے یہ ایک قسم کا دفاعی معاہدہ بھی تھا۔ یہ زمانۂ حال میں بھی اس قسم کے فوجی معاہدے ہو رہے تھے۔ جن میں یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ ایک ملک پر حملہ دوسرے ملک پر حملہ تصور کیا جائے گا، اس کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ جنگ کی صورت میں دونوں ملک ایک دوسرے کی پشت پر ہوں گے۔ آپ کو معلوم تھا کہ مدینہ چلے آنے کے بعد اہلِ مکّہ آرام سے نہیں بیٹھیں گے اور اہلِ مکّہ اور مدینہ کے مابین جنگ تاریخ کا مقدر بن چکا ہے۔ اس لئے آپ نے کمال فوجی بصیرت سے کام لے کر یہ معاہدہ طے کیا۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ حملہ کی صورت میں جب تک اہلِ مدینہ متحد نہ ہوں گے وہ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ دوسری طرف یہود نے کہنے کو تو یہ شرط منظور کر لی لیکن جب وقت آزمائش آیا تو انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی جس کے نتیجہ میں انہیں مدینہ سے جلاوطن ہونا پڑا۔

۶۔ رسول خدا کی حیثیت ۔ اس معاہدہ نے آپ کو مدینہ کا سربراہ مملکت بنا دیا حالانکہ پہلے آپ اپنی جان کی سلامتی کے لئے مکہ سے رات کے اندھیرے میں ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اس منصب کا اعزاز آپ کو یوں ملا کہ معاہدہ میں طے پایا تھا کہ جھگڑے کی صورت میں آپ کو ثالث مان لیا جائے اور آپ کا حکم آخری ہو گا اور نافذالعمل سمجھا جائے گا۔ آپ کی یہ قانونی حیثیت درحقیقت آپ کو سیاسی قائد بنا گئی۔ تمام قبائل سیاسی خودمختاری سے سبکدوش ہو گئے اور انہوں نے ایک ذات کو اپنا قائد تسلیم کر لیا۔ اس طرح سے گویا آپ کو مدینہ میں مرکزیت حاصل ہو گئی اور آپ نے بحیثیت قائد وہ فیصلے کئے جو آگے چل کر تاریخ اسلام کے مؤثر ثابت ہوئے۔

۷۔ رسول کریم صلعم ایک بین الاقوام قاضی کی حیثیت سے | اس بین الاقوام معاہدہ نے رسول کریم صلعم کو ایک طرح مدینہ کی مختلف اقوام میں پولیٹکل لیڈر اور انتظامی حاکم کی حیثیت دے دی تھی اور آپ اس بین الاقوام جمہوری سلطنت کے گویا صدر قرار پائے تھے جو مدینہ میں ہجرت کے بعد قائم ہوئی تھی۔ اس پوزیشن میں اہم مقدمات بھی آپ ہی کے سامنے پیش ہونے لگ گئے تھے اور آپ ہر قوم کے ضابطہ عدالت کے ماتحت اُن کا فیصلہ فرماتے تھے۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ ۴ھ ہجری کے آخر میں آپ کے سامنے ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کا ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ان کے خلاف زنا کا الزام ثابت کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے یہودی علماء سے پوچھا کہ اس بارہ میں موسوی شریعت کیا فتویٰ دیتی ہے انہوں نے دھوکے اور افترا

کے طور پر یہ جواب دیا کہ جو شخص زنا کرے اسے ہمارے ہاں منہ کالا کر کے اور سواری پر الٹا سوار کر کے پھرایا جاتا ہے اس وقت عبداللہ بن سلام جو ایک یہودی عالم اور اب مسلمان ہو چکے تھے پاس ہی بیٹھے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ لوگ غلط کہتے ہیں تورات میں زنا کی سزا سنگسار کرنا لکھی ہے چنانچہ تورات منگوائی گئی اور گو یہودیوں نے بہت پردہ ڈالنے کی کوشش کی حتیٰ کہ بہانے بہانے سے اس آیت پر ہاتھ رکھ کر اسے چھپانا چاہا۔ مگر عبداللہ بن سلام نے یہ صاف طور پر دکھا دیا کہ از روئے تورات زنا کی سزا رجم (سنگساری) ہے اور ان کو شرمندہ ہونا پڑا۔ اور چونکہ یہ معاہدہ تھا کہ ہر قوم کے مقدمات اس کے اپنے قانون کے مطابق فیصلہ کئے جائیں گے اور اسلام میں تو ابھی تک زنا وغیرہ کی حدود کے متعلق احکام بھی نازل نہیں ہوئے تھے اس لئے آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہودی شریعت کے مطابق ان دونوں کو سنگسار کر دیا جاتا ہے چنانچہ وہ دونوں مرد و عورت سنگسار کر دیئے گئے۔

۸۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا اقتدار ختم ہو گیا۔

۹۔ انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی گئی۔

۱۰۔ باہر کے قبائل پر مدینہ کا رعب چھا گیا۔

۱۱۔ مسلمان رنگ نسل، زبان اور قوم کا امتیاز ختم کر کے ایک اُمّت بن گئی۔

مواخات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی جس چیز کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی وہ شہر کو پُرامن اور باشندوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانا تھا مہاجرین اپنے گھر، وطن، عزیز و اقارب، مال و دولت چھوڑ کر مدینہ آئے تھے۔ گو انہوں نے صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لئے یہ کام کیا تھا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پریشان اور زبوں حالی میں دیکھ نہیں سکتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ حضرت انس بن مالکؓ کے مکان پر انصار اور مہاجرین کو جمع کیا۔ آپ نے انصار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا " یہ تمہارے بھائی ہیں اس طرح مسلمانوں کے اندر مواخات اور بھائی چارہ قائم کر کے مہاجرین اور انصار کے تعلقات کو خوشگوار اور استوار بنا دیا۔ انصار نے اپنے گھروں کے اس پاس جو افتادہ زمینیں تھیں ان کو دے دیں۔ جن کے پاس زمین نہ تھی۔ انہوں نے اپنے مسکونہ مکانات دے دیئے۔ مہاجرین کے کاروبار چلانے کے لئے ان کو دل کھول کر مدد دی۔

اس رشتہ مواخات کی وجہ سے شروع میں مہاجرین کو انصار کا وارث سمجھا جاتا تھا لیکن بعد میں وراثت کو وحی الٰہی کے ذریعے صرف خونی رشتے داروں تک محدود کر دی۔

تعمیر مسجد مدینہ میں پہنچ کر سب سے پہلا کام خانۂ خدا کی تعمیر تھی۔ آپ کی قیام گاہ کے قریب بنو نجار کی افتادہ زمینیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بلا کر کہا کہ مسجد کے لئے یہ زمین قیمت سے لینا چاہتا ہوں وہ بولے ہم قیمت لیں گے لیکن آپ سے نہیں بلکہ خدا سے چونکہ وہ زمین دو یتیموں کی تھی۔ آپ نے ان کو کہلا بھیجا۔ وہ آئے انہوں نے بلا قیمت نذر کرنا چاہی مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ ان کو حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے قیمت ادا کی اور زمین ہموار کر کے تعمیر مسجد کا مقدس کام شروع ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود پتھر اٹھاتے اور صحابہ کرام رض کے دوش بدوش کام کرتے۔ قریب ہی نادار مسلمانوں کے لئے ایک مسقف چبوترہ بنایا جو صفہ کہلاتا تھا یہ گویا مسجد کے ساتھ درس گاہ تھی۔ وہ لوگ سارا وقت دین کے سیکھنے پر صرف کرتے تھے۔

مسجد سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے تعمیر ہوئے۔ تعمیر مسجد کے بعد باجماعت نماز ہونے لگی۔ باجماعت نماز اسلامی اتحاد اور یک جہتی کے لئے بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔

غزوات

مکہ میں کفار کا تشدد اور ظلم و ستم انفرادی رنگ رکھتا تھا مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو اب کفار نے مسلمانوں کی من حیث القوم بیخ کنی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ رسول کریم صلعم پر بحیثیت ایک قائد فرض ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی قومی زندگی کی بقا کی حفاظت کریں سو خدا تعالےٰ کے حکم سے قومی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ہاتھ میں تلوار لی۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ" (الحج ۲۲: ۳۹، ۴۰)

اجازت دی گئی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس بات پر کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے اگر اللہ تعالےٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ ہٹاتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جنگ کرنے کی اجازت مندرجہ ذیل امور کی بنا پر دی گئی ہے

۱۔ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے۔

۲۔ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا۔

۳۔ اگر جنگ کی اجازت نہ دی جاتی تو دنیا سے امن اٹھ جاتا مذہبی آزادی مٹ جاتی اور خدا تعالیٰ کی عبادت گاہیں تباہ ہو جاتیں۔ پھر ایک اور آیت میں مسلمانوں پر ایک واضح شرط عائد کر دی۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۰) اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

غزوہ بدر ۲ھ مطابق ۶۲۴ء

اسلامی سلطنت کا استحکام اور قریش کی تباہی

اسباب

۱۔ قریش کی اسلام سے عداوت جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیغام اسلام پہنچانے کے لئے میدان عمل میں اتر آئے تو شروع میں قریش مکہ نے اس دعوت کو حقیر جان کر محض تمسخر اور استہزا سے کام لیا۔ لیکن جب اس دعوت کا ذکر گھر گھر ہونے لگا اور ہر طبقہ سے لوگ اس دعوت کو قبول کرنے لگے تو قریش کو فکر لاحق ہوئی کہ ایسا نہ ہو کہ یہ دعوت ان کی تہذیب اور رسوم اور عقائد پر غالب آ جائے۔ تب انہوں نے اس دعوت کو ختم کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کرنے شروع کئے۔ مسلمانوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ہر قسم کی تکالیف کا نشانہ بنایا۔ شاید یہ لوگ ان تکالیف سے تنگ آکر اس دعوت سے کنارہ کش ہو جائیں لیکن جب یہ حربہ کارگر ثابت نہ ہوا تو ابو طالب کے پاس تین دفعہ وفد گئے کہ وہ اپنے بھتیجے کو بتوں کو برا بھلا اور ان کو وقودِ نار کہنے سے باز رکھے جب وہ اس سفارت میں بھی ناکام ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کا طمع دیا کہ وہ اس دعوت سے باز آجائے لیکن جب قریش نے اس طریقہ میں بھی اپنی ناکامی دیکھی تو بنو ہاشم سے معاشرتی مقاطعہ کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ تین سال شعب ابی طالب میں محصور رہے جب آپ بعض رحم دل لوگوں کی وجہ سے اس گھاٹی سے باہر آئے تو کفار نے تکالیف اور مصائب کی آگ اور تیز کر دی۔ آخر کار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہجرت کرنے کا حکم دے دیا اور نبوت کے تیرھویں سال جب کفار نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں غارِ ثور میں آ چھپے۔ وہاں تین دن قیام کرنے کے بعد مدینہ کی طرف چل پڑے۔ اس طرح کفار کے خطرناک عزائم سے نجات حاصل کر کے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ مدینہ میں آ گئے۔

جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کو ایک پُرامن زندگی مل گئی ہے اور اسلام کی شعاعیں آہستہ آہستہ پھیل رہی ہیں تو انہوں نے شجرِ اسلام کو تلوار کی ضرب سے کاٹنے کا تہیہ کر لیا۔ قریش نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو تہدید آمیز خط لکھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ ہم قسم کھاتے ہیں۔ یا تو تم اس کو قتل کر دو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم تم پر حملہ کر دیں گے اور تم کو فنا کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو قیدی بنا لیں گے۔"

جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی خبر ہوئی تو آپؐ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کو سمجھایا کہ "کیا تم اپنے ہی بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟"

یہ خط مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا اعلانِ جنگ تھا۔

اس کے بعد قریش نے مدینہ کے یہودیوں سے سازباز شروع کر دی جب ان کو خفیہ طور پر اپنے ساتھ ملا لیا۔ تب مسلمانوں کو تہدید آمیز پیغام بھیجا۔ تم مغرور نہ ہو جانا کہ مکہ سے جان بچا کر آ گئے ہو۔ ہم مدینہ پر حملہ کر کے تمہیں فنا و برباد کر دیں گے۔

قریش کی دشمنی کی لہروں نے صرف مہاجرین کو ہی اپنی لپیٹ میں نہ لیا تھا بلکہ انصار بھی اس لپیٹ میں آ گئے تھے۔ ایک دفعہ قبیلہ اوس کا سردار حضرت سعد بن معاذ حج کے لئے مکہ گئے تو اپنے ایک دوست اُمیہ بن خلف کے ہاں فروکش ہوئے۔ ایک دن طواف کے لئے نکلے تو ابو جہل نے دیکھ لیا۔ اور کہا "تم نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے۔ اگر تم اُمیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو زندہ واپس نہ جاتے۔ اس پر سعدؓ نے جواب دیا: "اگر تم نے ہمیں حج سے روکا تو ہم تمہاری تجارتی شہ رگ کاٹ دیں گے۔

۲۔ شام کی تجارتی شاہراہ کا مسلمانوں کی زد میں ہونا

مدینہ میں مسلمانوں کے یکجا ہونے سے کفارِ مکہ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں مسلمان اہلِ مکہ کو اقتصادی مار دینے کے لئے اس شاہراہ پر قبضہ نہ کر لیں جو یمن سے شام کی طرف ساحل بحر احمر کے ساتھ ساتھ جاتی تھی۔ اس شاہراہ کے محفوظ رہنے پر ہی اہلِ مکہ کی خوشحالی کا دار و مدار تھا۔ ایک سرسری تخمینہ کے مطابق اہلِ مکہ کی وہ تجارت جو اس راستہ ہوتی تھی وہ اڑھائی لاکھ اشرفی سالانہ تھی طائف اور دیگر مقامات کی تجارت اس کے علاوہ ہے۔

۳۔ اسلامی ریاست کے خاتمہ کا منصوبہ

قریش نے اسلامی ریاست کو نیست و نابود کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ افرادی قوت کو مضبوط کرنے کے لئے مکہ کے گرد و نواح کے قبائل سے معاہدات کئے۔ معاشی وسائل کو مضبوط کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس مرتبہ جو تجارتی قافلہ شام بھیجا جائے اس کا تمام نفع جنگ کی تیاری کے لئے وقف کیا جائے۔ اس منصوبے کی تشکیل کے بعد مکہ اور مدینہ کے درمیان کشیدگی میں بہت اضافہ ہو گیا۔

۴۔ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ | مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی ہانک کر بھاگ نکلا۔ مسلمانوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے سرعت کے ساتھ تعاقب کیا۔ مویشی چھین لئے مگر کرز بن جابر بچ کر نکل گیا

قریش کے تجارتی قافلے ہر سال گرمیوں میں ملک شام کی طرف جاتے تھے۔ مکہ کی تمام اقتصادی ترقی کا انحصار اس تجارتی قافلہ پر ہوتا تھا۔ بعض مورخوں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ تجارت ۵۰۰،۰۰۰ دینار سالانہ ہوتی تھی۔

۵۔ عمرو بن حضرمی کا قتل | رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ جحش کو بارہ آدمیوں کے ہمراہ نخلہ کی طرف دشمنوں کی حرکات کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ ایک بند خط دیا اور فرمایا کہ دو دن کے بعد کھولنا۔ عبداللہ نے جب خط کھولا تو لکھا تھا "مقام نخلہ میں قیام کرو۔ اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ۔ اور اطلاع دو۔ اتفاق سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ مل گیا۔ دونوں گروہوں کے درمیان جھڑپ ہو گئی جس میں قریش مکہ کا ایک شخص عمرو بن حضرمی قتل ہو گیا اور دو گرفتار ہوئے جب عبداللہ اس سمت کی اطلاعات لے کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ناراضی کا اظہار کیا۔ یہ واقعہ ایسے مہینے میں رونما ہوا جس میں جنگ و جدل حرام تھا۔ کفار نے اس واقعہ کو خوب اچھال کر تمام عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانے کی کوشش کی۔ اسی طرح عمرو بن حضرمی کے ورثاء نے بھی انتقام لینے کے لئے اہلِ مکہ کو اکسایا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اس کا سبب یہی حضرمی کا قتل تھا۔ اس لئے کہ خون کا بدلہ لینا عربوں کا قومی خاصہ تھا"

۔ ابوسفیان کا قافلہ | قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آ رہا تھا کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ مسلمان قافلے کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان نے ایک تیز رو قاصد مکہ روانہ کر دیا تاکہ وہ مسلمانوں کے عزائم سے اہلِ مکہ کو آگاہ کرے۔ ابوسفیان خود تو احل راستہ اختیار کر کے مکہ پہنچ گیا۔ لیکن فوج مدینہ کی طرف روانہ ہو چکی تھی۔ ابوسفیان نے ایک قاصد بھجا کہ ہم خیریت سے مکہ پہنچ گئے اس وجہ سے واپس لوٹ آؤ۔ کچھ سرداروں نے واپس لوٹ جانے کی ئے دی۔ لیکن ابوجہل نہ مانا۔ بنی زہرہ اور عدی کے قبائل تو اس اقدام کو غیر ضروری سمجھ کر واپس آ گئے لیکن بل باقی ماندہ فوج لے کر بدر کی طرف روانہ ہو گیا۔

نگ بدر | قریش ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ جس میں سو سے زیادہ سوار تھے اسلحہ اور دیگر حربی سامان کی فراوانی تھی۔ بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ بدر مدینہ سے اسی میل کے صلے پر ایک گاؤں ہے جہاں اہلِ عرب کا سالانہ میلہ لگا کرتا تھا قریش نے پہلے پہنچ کر ان مقامات قبضہ کر لیا جو جنگی نقطہ نگاہ سے اہم تھے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش فوج کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے مسجد نبویؐ میں انصار اور مہاجرین کو جمع کیا۔ مہاجرین کی طرف سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے وفاداری اور جاں نثاری کا اظہار کیا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ انصار کو محسوس ہوا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مشورہ لینا چاہتے ہیں تو حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ تب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ تب حضرت سعد بن عبادہؓ نے کھڑے ہو کر کہا "خدا کی قسم آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ سعد کی تقریر سن کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوچ کرو۔ خدا کی طرف سے یہ بشارت سنو کہ اللہ نے دشمن کے دو گروہوں میں سے ایک پر نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ بخدا روساء مکہ میں سے ایک ایک کا مقتل میری آنکھوں کے سامنے ہے۔"

۱۲ رمضان ۲ھ کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ صحابہ کے ہمراہ جن میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ مدینہ سے نکلے اور بدر کی طرف روانہ ہو پڑے۔ مسلمانوں نے وہاں پہنچ کر ایک چشمہ پر قبضہ کر لیا اسی رات بارش ہوگئی جس سے مزید پانی جمع ہوگیا اور مٹی بھی بیٹھ گئی۔ تمام رات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حضور میں گڑگڑا کر دعا کی صبح ہوئی تو آپؐ نے فوج کو ترتیب دے کر دعا فرمائی "خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر۔ اگر آج تیرے یہ چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا کوئی نام لینے والا نہیں رہے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سپاہیوں کو نہایت اہم ہدایات دیں۔ جن کا ماحاصل یہ ہے۔

۱۔ مسلمان صف بندی کو نہ توڑیں

۲۔ اس وقت تک لڑائی کا آغاز نہ کریں۔ جب تک آپؐ اجازت نہ دیں۔

۳۔ دشمن دور ہو تو تیر چلا کر ضائع نہ کریں۔ زد میں آئے تو تیر چلائیں اور بھی قریب آئے تو پتھروں سے ماریں۔ اس سے بھی نزدیک ہو جائے تو نیزوں سے روکیں اور سب سے آخر میں تلواریں کھینچیں۔

باقاعدہ جنگ

۱۷ رمضان ۲ھ کو باقاعدہ جنگ کا آغاز انفرادی مقاتلہ سے ہوا۔ کفار مکہ کی طرف سے سپالار فوج عتبہ ولید اور شیبہ نکلے۔ مسلمانوں کی فوج سے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ مقابلہ کے لئے نکلے۔ تینوں کافر ہلاک ہو گئے۔ حضرت عبیدہؓ کو ایک مہلک زخم آیا جن سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔

عبیدہ بن سعید سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا۔ نخوت اور تکبر کے نشہ میں چور ہو کر صف سے نکلا اور للکارا۔ حضرت زبیرؓ نے اس کی آنکھ پر برچھی ماری اور ایک ہی وار میں ہلاک کر دیا۔ اب عام لڑائی شروع ہوگئی۔ ابوجہل کو انصار کے دو لڑکوں معوذ اور معاذ نے قتل کیا۔ مکہ کا ایک اور سردار امیہ

بن خلف بھی مارا گیا۔ جب کفار نے اپنے سرداروں کو میدان جنگ میں کھیت ہوتے ہوئے دیکھا تو ستر مقتول میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے اور ستر کے قریب قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ مسلمانوں کے کوئی ایک درجن سپاہی شہید ہوئے۔

مسلمانوں کی فتح کے اسباب

مسلمانوں کو فتح باوجود حربی سامان کی کمی کے محض نصرت الٰہی سے ہوئی تھی۔ لیکن اس فتح عظیم کے پیچھے کچھ مادی اسباب بھی ہیں۔

۱۔ قریش میں جنگ سے قبل ہی اختلاف رونما ہو چکا تھا۔ عتبہ قائد لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا۔ قبیلہ زہرہ کے لوگ میدان جنگ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس وجہ سے فوج میں اتحاد اور یک دلی کا فقدان تھا۔

۲۔ بارش ہو جانے کی وجہ سے کفار مکہ جہاں صف آرا تھے وہاں کیچڑ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے چلنا پھرنا اور فوجی نقل وحرکت مشکل ہو گئی۔ مسلمانوں کی طرف سے مٹی بیٹھ کر زمین بہتر ہو گئی تھی۔

۳۔ کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی۔ اسلامی لشکر کی صف بندی خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔

۴۔ سورج مسلمانوں کی پشت پر تھا لیکن کفار کے عین سامنے تھا جس کی وجہ سے کفار کی آنکھیں چندھیا گئیں

۵۔ کفار مکہ اسلامی فوج کا تخمینہ کرنے میں غلطی کر رہے تھے۔ یعنی اپنی تعداد سے دوگنا تصور کرتے تھے۔

۶۔ جب عام لڑائی شروع ہوئی کفار حربی ساز وسامان کی فراوانی کی وجہ سے بے نظمی اور بے ترتیبی سے آگے بڑھے۔ جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو پیش قدمی سے روک دیا ہوا تھا اور ہدایت کر دی ہوئی تھی کہ جب دشمن بالکل قریب آئے تو پھر حملہ کرنا ہے اس طرح کفار مسلمانوں کے دفعتہً حملہ کرنے کا مقابلہ نہ کر سکے۔

۷۔ اسلام نے مسلمانوں کے اندر ذوق شہادت کا جذبہ اس قدر بھر دیا ہوا تھا کہ وہ اس موت کو ابدی اور نجات والی زندگی سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے شہادت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے وہ بے جگری سے لڑے۔

۸۔ لڑائی کے آغاز میں ہی قریش فوج کے تین سردار لقمہ اجل بن گئے تھے۔ ان کے قتل سے قریش کے حوصلے پست ہو گئے۔

۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز نصرت الٰہی میں مضمر ہے جب دونوں فوجیں میدان جنگ میں اتر آئیں تو رسول کریم صلعم نے دعا فرمائی۔ "اے اللہ آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر

روئے زمین پر تیری عبادت کہیں نہیں ہوگی"۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فتح کی بشارت دی اور ایک ہزار فرشتوں سے امداد فرمائی ہے۔ (حکایات صحابہ)

جنگ بدر کی اہمیت اور نتائج

۱۔ تاریخ اسلام میں جنگ بدر ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ مولانا شبلیؒ کے الفاظ میں "بدر کا معرکہ حقیقت میں اسلام کی ترقی کا اولین قدم تھا" اور اسلم جیراجپوری کے الفاظ میں یہ لڑائی درحقیقت شوکت اسلام کا سنگ بنیاد تھی"۔

۲۔ معاندین تو سا قریش، ابوجہل، عتبہ، ولید، شیبہ، سعد بن العاص اور اُمیّہ بن خلف سب اس معرکہ میں مارے گئے اور کفار کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ آگئی۔

۳۔ تمام عرب میں مسلمانوں کی قوت اور طاقت کی دھاک بیٹھ گئی وہ لوگ جو پہلے یہ سوچتے تھے کہ مسلمانوں کو صرف ایک ہی حملہ سے تباہ کر دیا جائے گا۔ ان کے عزائم خاک میں مل گئے اور ان کو یہ احساس ہوگیا۔ اس نئی ابھرتی ہوئی طاقت کو ختم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

۴۔ وہ قبائل جو یہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان کہاں تک قریش کی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ معرکہ بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی کی وجہ سے انہوں نے مخالفت ترک کر دی۔

۵۔ یہود نے میثاق مدینہ کو بالائے طاق رکھ کر قریش کی امداد کرنا شروع کر دی۔ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو پُرامن شہر بنانے اور اس کے دفاع کو مضبوط کرنے کے لئے ان کے خلاف عملی قدم اٹھایا اور سب سے پہلے بنو قینقاع کو ان کی غداری کی وجہ سے جلاوطن کیا۔

۶۔ جب کوئی طاقتور اور متکبر قوم کسی کمزور طاقت کے ہاتھوں مار کھاتی ہے تو وہ عداوت اور حسد کی آگ میں جل کر پوری قوت کے ساتھ انتقام لینے کی کوشش کرتی ہے۔ جب قریش نے کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھائی تو وہ اس طبعی جذبہ کی وجہ سے اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی تیاری شروع کر دی۔ بعد کی جنگیں معرکہ بدر میں شکست کھانے کی وجہ سے ہوئیں۔ آخر نتیجہ یہ نکلا کہ دس سال کے اندر اندر کفار کی طاقت خاک میں مل گئی اور مسلمان تمام عرب پر غالب آگئے۔

۷۔ مسلمانوں میں یہ کامل یقین پیدا ہوگیا کہ وہ نصرت ایزدی کی وجہ سے کبھی باطل اور کفر سے شکست نہیں کھائیں گے۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

۸۔ اس موقع پر احکام جنگ اور تقسیم غنائم کے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اہلِ قرابت اور یتامیٰ اور مساکین وغیرہ کے لئے مقرر ہوا اور باقی فوج میں تقسیم کرنے کا حکم ہوا۔

۹۔ اسیرانِ جنگ سے حسن سلوک کی وجہ سے مسلمانوں کے اخلاق عالیہ کا مخالفین پر بہت اچھا اثر پڑا۔
۱۰۔ جنگ میں تباہی کی وجہ سے اقتصادی بدحالی قریش کے لئے ایک اہم مسئلہ پیدا ہو گیا تجارت بھی کمزور پڑ گئی۔ کیونکہ مدینہ کا راستہ ان پر بند ہو گیا۔
۱۱۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی جنگ بدر نے اس کو مستقل کر دیا مسلمانوں کے پاؤں مدینہ میں مضبوط ہو گئے اور جنگ میں فتح سے آپ کو فوجی بالادستی حاصل ہو گئی۔
۱۲۔ مدینہ میں قبائل اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ شرک پر قائم تھے بدر کی فتح نے ان لوگوں میں ایک حرکت پیدا کر دی ان میں سے بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور بعضوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا اور اسلام کے استیصال کے لئے منافقوں کے گروہ میں شامل ہو گئے

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس معرکہ کی اہمیت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے "جنگ بدر نہ صرف تاریخ اسلام کا زبردست معرکہ ہے بلکہ ساری دنیا کا سب سے اہم تاریخی واقعہ ہے۔"

بدر کے نتائج پر بحث کرتے ہوئے سر ولیم میور لکھتا ہے "بدر کے حالات میں ایسی باتوں کا بہت عنصر نظر آتا ہے جس کی وجہ سے محمد (صلعم) اس فتح کو جائز طور پر خدائی تقدیر کا کرشمہ شمار کر سکتے تھے صرف یہ کہ فتح بہت نمایاں اور فیصلہ کن تھی بلکہ اس جنگ میں غیر معمولی طور پر محمد (صلعم) کے اکثر دشمن خاک میں مل گئے تھے۔ ان روسائے مکہ کے علاوہ جو جنگ میں قتل کئے گئے یا قید کر لئے گئے تھے ابولہب جو جنگ میں شامل نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی قریش کی بھگوڑی فوج کے مکہ پہنچنے کے چند دن بعد ہی مکہ میں مر گیا۔ گویا کہ وہ خدائی حکم جس کی مار روسائے مکہ پر پڑی ایک اٹل تقدیر تھی۔"

اسیرانِ سے حسن سلوک

اسیرانِ جنگ دو دو چار چار صحابہ میں تقسیم کر دیئے گئے اور ہدایت ہوئی کہ ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ صحابہ کرام ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ جس قیدی کے پاس کپڑے نہ تھے اسے کپڑے دیئے گئے۔

سر ولیم میور لکھتا ہے

سر ولیم میور نے قیدیوں کے ساتھ اس مشفقانہ سلوک کو مندرجہ ذیل الفاظ میں اعتراف کیا ہے:۔

"محمد (صلعم) کی ہدایت کے ماتحت انصار و مہاجرین نے کفار کے قیدیوں کے ساتھ بڑی محبت اور مہربانی کا سلوک کیا۔ چنانچہ بعض قیدیوں کی اپنی شہادت تاریخ میں ان الفاظ میں مذکور ہے "خدا بھلا کرے مدینہ والوں کا وہ ہم کو سوار کرتے تھے اور آپ پیدل چلتے تھے۔ ہم کو گندم کی پکی ہوئی روٹی دیتے تھے اور آپ صرف کھجوریں کھا کر پڑ رہتے تھے اس لئے میور صاحب لکھتے ہیں) ہم کو یہ معلوم کر کے تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ بعض قیدی اس نیک سلوک کے اثر کے نیچے مسلمان ہو گئے اور ایسے لوگوں کو فوراً آزاد کر دیا۔ جو قیدی اسلام نہیں لائے تھے ان پر بھی نیک سلوک کا بہت اچھا اثر تھا۔"

اسیرانِ جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا جو لوگ غریب اور نادار تھے اور فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے وہ چھوڑ دیئے گئے ان میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

غزوہ اُحد ۳ھ سنہ ۶۲۵ عیسوی

۱- اسباب جوشِ انتقام قریش غزوہ بدر میں مسلمانوں کی ایک قلیل اور بے سروسامان جماعت کے ہاتھ سے مغلوب ہوئے اور ان کے قائدین میدانِ جنگ میں مارے گئے تھے۔ اس وجہ سے وہ جوشِ انتقام سے لبریز تھے۔

۲- وقار کی بحالی کا مسئلہ غزوہ بدر میں قائدین کفار کھیت ہوئے تھے اور عبرت ناک شکست کی وجہ سے کفار کا وقار خاک میں مل گیا تھا۔ اس وقار کی بحالی کے لئے انہوں نے از سرِ نو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

۳- عرب شعرا اور خواتین کا پراپیگنڈہ عرب کے گوشہ گوشہ سے شعرا مکہ میں آئے انہوں نے جنگ بدر میں مقتولین کے لئے مرثیے کہے اور جنگی تر[انے] گائے۔ اس جنگی مہم کو مزید تیز کرنے کے لئے عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور زندہ سردارانِ کفار کو بدلہ لینے کے لئے طعنے دینے شروع کر دیئے۔ ان عورتوں میں ہندہ زوجہ ابوسفیان (جو عتبہ کی بیٹی تھی) ام حکیم زوجہ عکرمہ بن ابوجہل فاطمہ بنت (ولید قتل ہوا تھا) ریطہ زوجہ عمرو بن العاص اور خناس والدہ مصعب بن عمیر پیش پیش تھیں۔

۴- تجارتی مفادات کو خطرہ مکہ کے تجارتی قافلے شام جاتے ہوئے بحرِ احمر کے کنارے پر سے گزرتے تھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام قبائل سے معاہدہ کر لیا جو تجارتی گزرگاہ پر آباد تھے۔ تجارت کا دوسرا راستہ عراق بھی غیر محفوظ تھا۔ غزوہ بدر سے چھ ماہ بعد قریش کا ایک تجارتی قافلہ عراق کی طرف سے شام جا رہا تھا۔ رسولِ کریم صلعم نے حضرت زید بن حارثہ رض کو ایک سو سپاہیوں کا دستہ دے کر روانہ کیا۔ حضرت زیدؓ نے قافلہ پر چھاپہ مارا اور انہ[یں] بھگا دیا اور مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔

اس طرح قریش مکہ کی تجارتی ناکہ بندی ہو گئی۔ اہلِ مکہ کی معیشت کا دار و مدار تجارت پر ہی تھا کہ اس ناکہ بندی کی فکر لاحق ہوئی۔ سو قریش حادثہ بدر اور تجارتی ناکہ بندی دونوں کے انتقام اور مد کے لئے آتش زیر پا تھے۔

۵- یہود کی حوصلہ افزائی کعب بن اشرف یہودی نے مکہ میں جا کر قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور ان کے ساتھ معاہدے بھی کئے۔

۶۔ چھیڑ چھاڑ ابتدائی چھیڑ چھاڑ کے طور پر ابوسفیان سو ستر سواروں کو لے کر مدینہ کی طرف بڑھا وہ چوری چھپے بنو نضیر کے سردار سلام بن مشکم کے پاس جا ٹھہرا اس نے بڑے جوش و خروش سے استقبال کیا۔ صبح کے وقت وہ عریض پر حملہ آور ہوا۔ جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے یہاں اس نے ایک انصاری سعد بن عمرو کو شہید کیا۔ چند مکانات جلائے آپ کو ابوسفیان کی تباہ کاریوں کی اطلاع ملی تو آپ نے اس کے تعاقب کا حکم جاری کیا ابوسفیان گھبراہٹ میں بھاگا اور اپنے ستوؤں کے تھیلے جو زاد راہ کے لئے لایا تھا۔ پھینک دیئے۔ عربی میں ستوؤں کو سویق کہتے ہیں اس لئے یہ واقعہ سویق کے نام سے موسوم ہے۔ دراصل ابوسفیان کا اس حد تک پہنچ جانا اس بات کی علامت تھی کہ اب [redacted] مدینہ پر حملہ کے لئے تیار ہے۔

۷۔ قتل کا منصوبہ قریش نے رسول کریم صلعم کو کسی نہ کسی طرح ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ صفوان بن اُمیّہ نے عمیر بن وہب کو اس امر کے لئے تیار کیا کہ وہ مدینہ جا کر رسول کریم صلعم پر اچانک حملہ کر کے حضور کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ وہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے مدینہ گیا مسجد نبوی ؐ کے سامنے اپنا اونٹ بٹھا ہی رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے پہچان لیا اور اسے حضور کے پاس لے گئے۔ رسول کریم صلعم نے اس کی نیت کے بارے میں دریافت کیا تو جھوٹ بولا آخر سچ کہہ دیا۔ اس کے بعد وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

قریش کی جنگی تیاریاں قریش کا ایک وفد مختلف قبائل میں گیا اور مسلمانوں کے خلاف مدد پر آمادہ کیا۔ روسائے قریش میں سے جبیر بن مطعم، صفوان بن اُمیّہ۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ حارث بن ہشام اور حویطب اپنے نئے قائد ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب انتقام کا وقت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سامان تجارت سے جو نفع حاصل ہوا ہے۔ اس سے اسلحہ حرب خریدا جائے اور مدینہ پر حملہ کر کے کشتگان بدر کا بدلہ لیا جائے۔ یہ ایک ایسی درخواست تھی جو منہ سے نکلتے ہی قبول کر لی گئی۔ ان بڑوں کی کانفرنس میں یہ بھی طے پایا کہ قبائل عرب کو بھی مسلمانوں کے خلاف مشتعل کر کے لشکر میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ قبائل قریش کی امداد کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مکہ کے حبشی غلاموں کو بھی داخل فوج اور شریک جنگ کر لیا۔

عرب کی لڑائیوں میں سپاہیوں کی ثابت قدمی شجاعت اور بہادری کا ذریعہ خاتونانِ حرم ہوتی تھیں چنانچہ عورتیں بھی فوج میں شامل کر لی گئیں۔ ان میں سے ہندہ۔ عتبہ کی بیٹی امیر معاویہؓ کی ماں کا نام قابلِ ذکر ہے۔

حضرت حمزہؓ نے ہندہ کے والد عتبہ کو بدر کی جنگ میں قتل کیا تھا۔ اسی طرح جبیر بن مطعم کا چچا

طعیمہ بن عدی بھی حضرت حمزہ کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہوا تھا۔ اس بناء پر ہندہ نے ایک وحشی کو جو جبیر کا غلام تھا اور حربہ اندازی میں کمال مہارت رکھتا تھا۔ حضرت حمزہؓ کو قتل کرنے پر تیار کیا اور یہ طے پایا کہ وہ اس کارگزاری کے صلے میں آزاد کر دیا جائے گا۔

حضرت عباسؓ کی خبر رسانی

حضرت عباسؓ نے تقاضائے ایمان کے سبب ~~رسول کریمؐ کے ساتھ قرابت داری آپ کے حسنِ سلوک اور احسانات حمیدہ اور اسیرِ بدر ہونے کے موقع پر جن مراعات کی وجہ سے~~ ایک غفاری کے ہاتھ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خط ارسال کیا جس میں قریش کے جوشِ انتقام اُن کے لشکر کی تعداد اور سامانِ حرب کی پوری تفصیل تھی اس اطلاع کے ملتے ہی آپ نے معتبر اشخاص کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ اُنہوں نے آکر خبر دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے اور مدینہ کی چراگاہ کو ان کے گھوڑوں نے پامال کر دیا ہے۔ شہر پر حملہ کا خطرہ تھا۔ اس وجہ سے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ مسلح ہو کر تمام رات مسجد نبویؐ میں پہرہ دیتے رہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اکثر صحابہؓ کی یہ رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر ہی دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی یہی رائے دی۔ لیکن بعض وہ صحابہؓ جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور بعض وہ بہادر صحابہؓ جو نصرتِ ایزدی سے غزوہ بدر میں کفار پر غالب آچکے تھے۔ شہر میں رہ کر مدافعت کو بزدلی پر محمول کرتے تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کا اصرار دیکھ کر زرہ پہن لی۔

قریشی فوج اُحد کے مغرب میں مقیم ہو گئی۔ کفار کی تعداد تین ہزار تھی۔ جن میں تین ہزار اونٹ۔ دو سو گھوڑے اور سات سو زرہ پوش تھے۔ اس فوج میں قریش کے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی تھیں جو رجزیہ اشعار پڑھ پڑھ کر جوش پیدا کر رہی تھیں۔

اُحد کی طرف لشکرِ اسلام کی روانگی

جمعہ کے دن شوال کی دسویں تاریخ عصر کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار سپاہیوں کی معیت میں اُحد کی طرف چلے۔ میدان جنگ میں پہنچنے سے قبل ہی عبداللہ بن ابی تین سو سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ یہ کہہ واپس مدینہ چلا آیا کہ اس کی رائے پر عمل نہیں ہوا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن سات سو آدمیوں کو لے کر جن میں دو سو اسپ سوار اور ایک سو زرہ پوش تھے آگے بڑھے۔ آپ نے اُحد کو پشت پر لے کر صفیں باندھیں۔ عقب میں ایک درہ تھا۔ جہاں سے دشمن کے حملے کا خطرہ تھا آپ نے عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین کر دیا اور ہدایت فرمائی کہ اس درہ کو کسی صورت میں بھی نہ چھوڑنا۔

قریش کی صف آرائی

قریش نے صفیں آراستہ کیں۔ انہوں نے اسپ سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید کو میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو پیادہ فوج پر صفوان بن امیہ کو تیراندازوں پر عبداللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا۔

لڑائی کا آغاز

انفرادی جنگ میں مشرکین کے علم بردار طلحہ نے صف سے نکل کر پکارا "مسلمانو تم میں سے کوئی ہے جو کہ یا تو مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھ سے بہشت میں پہنچ جائے۔" حضرت علی بن ابی طالب نے صف سے نکل کر کہا "میں ہوں" یہ کہہ کر سر پر ایسی تلوار ماری کہ طلحہ زمین پر آگرا۔ طلحہ کے قتل ہونے کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ اس کے پیچھے عورتیں رجزیہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔ حضرت حمزہؓ مقابلہ کے لئے نکلے۔ اس زور سے شانہ پر تلوار کا وار کیا کہ کمر تک اتر گئی۔

اب عام لڑائی شروع ہو گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تلوار تھی۔ آپ نے فرمایا کون اس کا حق ادا کرے گا۔ یہ سن کر کئی جان نثار آگے بڑھے۔ مگر آپ نے وہ تلوار کسی کو نہ دی ابودجانہ نے اٹھ کر عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حق کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کا حق یہ ہے کہ تو اس کو دشمن پر مارے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔"

ابودجانہ نے کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا حق ادا کروں گا۔ ابودجانہ اکڑتے ہوئے نکلے اور مشرکین کی صفوں پر حملہ کر دیا اسی طرح حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ صفوں کی صفیں چیرتے چلے جا رہے تھے۔ وحشی نامی حبشی غلام حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا چنانچہ ایک موقعہ پا کر ایسا نیزہ مارا جو آپ کی ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حمزہ رضی اللہ لڑکھڑاتے ہوئے گرے مگر ہمت کر کے اٹھے اور ایک جست کر کے وحشی کی طرف بڑھنا چاہا مگر پھر لڑکھڑا کر گرے اور جان دے دی۔

بہادران اسلام بڑھ بڑھ کر داد شجاعت دے رہے تھے کفار کے علم بردار ڈر ڈر جاتے تھے لیکن علم زمین پر گرنے نہیں پاتا آخر مسلمانوں کے پے در پے حملوں کی تاب نہ لا کر کفار بھاگ نکلے مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر تیرانداز جو درہ میں متعین تھے وہ بھی مال غنیمت کے حصول کے لئے ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا۔ لیکن وہ نہ رکے۔

چنانچہ مشہور انگریز مورخ سر ولیم میور لکھتا ہے "مسلمانوں کے خطرناک حملوں کے سامنے مکی لشکر کے پاؤں اکھڑنے لگ گئے قریش کے رسالے نے کئی مرتبہ یہ کوشش کی کہ اسلامی فوج کے بائیں طرف عقب سے ہو کر حملہ کریں مگر ہر دفعہ ان کو ان پچاس تیراندازوں کے تیر کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا محمد (صلعم) نے وہاں خاص طور پر متعین کئے ہوئے تھے مسلمانوں کی طرف سے احد کے میدان میں بھی وہی شجاعت و مردانگی اور موت و خطر سے وہی بے پروائی دکھائی گئی جو بدر کے موقعہ پر انہوں نے دکھائی تھی مکہ کے

لشکر کی صفیں پھٹ پھٹ جاتی تھیں جب اپنی خود کے ساتھ سرخ رومال باندھے ابو دجانہ ان پر حملہ کرتا تھا اور اس تلوار کے ساتھ جو اسے محمد (صلعم) نے دی تھی چاروں طرف گویا موت بکھیرتا جاتا تھا۔ حمزہ اپنے سر پر شتر مرغ کے پروں کی کلغی لہراتا ہوا ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے۔ علی اپنے لمبے اور سفید پھریرے کے ساتھ اور زبیر اپنی شوخ رنگ کی چمکتی ہوئی زرد پگڑی کے ساتھ بہادران الئیڈ کی طرح جہاں بھی جاتے تھے دشمن کے واسطے موت و پریشانی کا پیغام اپنے ساتھ لے جاتے۔ یہ وہ نظارے ہیں جہاں بعد کی اسلامی فتوحات کے ہیرو تربیت پذیر ہوئے۔۔۔"

خالد بن ولید نے درہ کو خالی پاکر لشکر اسلام پر حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے عکرمہ نے بھی اپنے سواروں کے ساتھ دھاوا بول دیا۔ ابوسفیان جو میدان جنگ چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ وہ بھی اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر نئے جوش اور نئی ہمت سے حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں پر یہ حملے اچانک ہوئے وہ اتنے بدحواس ہوئے کہ مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اسی دوران میں مسلمانوں کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیرؓ شہید ہو گئے۔ آپ کی شکل کسی حد تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی۔ یہ مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے بہتوں نے بالکل ہمت ہار دی اس افراتفری اور اضطراب کی حالت میں صرف چند جاں نثار آپ کے پاس رہ گئے جن میں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، حضرت علیؓ، سعدؓ، طلحہؓ، ابوعبیدہ، زبیرؓ، عبدالرحمنؓ اور ابودجانہؓ کے نام قابل ذکر ہیں اچانک حضرت کعب بن مالک نے آپ کو پہچان لیا اور پکار اٹھے "مسلمانو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں"! یہ سن کر چشم زدن میں ہر طرف سے جاں نثار کعب کی آواز کی جگہ آپہنچے۔ کفار نے بھی سارا زور اسی طرف لگا دیا اور صحابہ ایک ایک کر کے آپؐ کی حفاظت میں جان دے کر زمین پر گرتے جا رہے تھے کفار کے اسی حملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بازو زخمی ہوا۔ عتبہ کے پتھر سے چار دانت شہید ہوئے عبداللہ بن قمیہ کی تلوار کے حملہ سے خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ گئیں۔ چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے۔ لیکن جاں نثاروں نے آپ کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ابودجانہ نے اپنی پیٹھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سپر بنا دی جو تیر آتے تھے وہ پیٹھ پر پڑتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے سپر کا کام لیا۔ ہاتھ پر تیر روکتے تھے۔ ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ غرض کہ صحابہؓ نے اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا ثبوت دے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ جب یہ حملہ کم ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوج کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور سپاہیوں نے پتھر مار مار کر دشمنوں کو پرے دھکیل دیا

مسلمانوں کا نقصان

اس معرکہ میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے جن میں سے چار مہاجر تھے اور باقی انصار تھے۔ لشکر مکہ کے ہلاک ہونے والوں کی تعداد بائیس ۲۲ تھی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے اپنی آتش غضب بجھانے کے لئے جاہلیت کی وحشیانہ و بہیمانہ خصلت سے کام لے

کر مسلمانوں کی لاشوں میں سے ایک ایک کے کان اور ناک کٹوائے ان کے گلے کا ہار بنا کر پہنا حضرت حمزہ رضؓ کی لاش ڈھونڈی اور ان کا کلیجہ نکال کر چبایا۔

قریش کا تعاقب

ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے میدان جنگ کو چھوڑ کر سیدھا مکہ کا راستہ لیا۔ اسی دن کئی میل واپس لوٹ گئے۔ جب مقام روحا پر پہنچے تو خیال آیا کہ کام ناتمام رہ گیا ہے اس لیئے دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہیئے۔ ادھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ستر صحابہ کی جماعت کے ساتھ قریش کے تعاقب میں نکلے۔ چنانچہ حمرا الاسد تک جو مدینہ سے آٹھ میل ہے تشریف لے گئے۔ ابوسفیان کو خزاعہ کے ایک رئیس نے بتایا کہ مسلمان پورے سازوسامان سے تعاقب کر رہے ہیں چنانچہ ابوسفیان خوف اور ڈر کے عالم میں مکہ چلا گیا۔

فتح کس کی ہوئی

یہ کہنا کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے تاریخی واقعات کی ناواقفیت ہے۔ گویا لڑائی مسلمانوں کے لئے مصیبت تھی مگر قریش خائب و خاسر لوٹے بھلا کسی نے آج تک سنا یا پڑھا ہے کہ شکست خوردہ فوج میدان کارزار پر قابض رہے اور فاتح فوج کا تعاقب کرے اور فاتح فوج شکست خوردہ فوج کی آمد کی خبر سن کر بھاگ جائے۔

حقیقت یہ ہے۔ گو اس معرکہ میں مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں ہی رہا۔

مسلمانوں کے نقصان کے اسباب

احد کی جنگ فیصلہ کن نہ تھی۔ ابوسفیان نے میدان مار لیا ہوتا تو وہ یقینی طور پر مدینہ میں داخل ہو کر شہر میں قبضہ کر لیتا لیکن اس نے تو عین میدان جنگ میں لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیئے اور بزعم خویش فاتح بن کر واپس چلا گیا۔ دوسری طرف مسلمان اس جنگ میں مکمل فتح کا دعویٰ نہ کر سکتے تھے کیونکہ انہوں نے دشمن کو شکست نہ دی تھی۔ ان حالات میں ایک تیسری جنگ کے سوا چارہ کار نہ تھا تاکہ ایک مرتبہ پھر فریقین زور آزمائی کے ذریعے دیکھ لیں کہ ان میں سے فاتح کون ہے؟ اور مفتوح کون؟ غالب کون ہے اور مغلوب کون۔؟

اس جنگ میں مسلمانوں کی جانب سے کوتاہیوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ آپ نے فیصلہ کیا تھا کہ ہمیں جنگ باہر کھلے میدان میں نہیں لڑنی چاہیئے کیونکہ اس مرتبہ دشمن کی تعداد زیادہ ہوگی اس لئے اس کا مقابلہ آسان نہ ہوگا۔ لیکن نوجوانوں کے اصرار پر آپ نے یہ فیصلہ بدل دیا اور مدینہ کے اندر رہ کر جنگ لڑنے کی بجائے احد کے میدان میں چلے گئے جنگ کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ کھلے میدان میں لڑائی فائدہ مند نہ رہی۔

۲۔ جبل عینین پر تیر اندازوں کے جس دستہ کو متعین کیا گیا تھا وہ اپنے فرائض سے غافل ہو کر مورچہ

چھوڑ گیا اور یہی وہ مقام تھا جو اس جنگ کی کنجی تھی۔ ان تیراندازوں کے وہاں سے ہٹنے کے بعد کفار نے اس پہاڑی پر قبضہ کر کے اہل مدینہ کے جنگی اہمیت کے مورچے پر قبضہ کر لیا۔

۳ - پہلے ریلے میں مسلمانوں کی پیش قدمی سے جب کفار اپنے آپ کو سنبھالا نہ دے سکے تو مسلمان یہ سمجھے کہ ان کو شکست ہو گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ کر مال غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا۔ ایک طرف مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہوئے تو دوسری طرف کفار نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اس افراتفری میں مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

۴ - آپ کی شہادت کی خبر کو تصدیق کئے بغیر سچ مان لینے سے اسلامی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور خاص طور پر وہ لوگ جو صدق دل سے جنگ میں حصہ نہ لے رہے تھے۔ زیادہ بددلی کا اظہار کرنے لگے اور میدان جنگ سے بھاگ اٹھے۔ اس سے فوج انتشار کا شکار ہو گئی۔

۵ - آپ کے مدینہ سے نکل کر احد آنے کے دوران عبداللہ بن ابی اپنے ۳۰۰ سپاہیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ اس سے فوج کی نفری میں کمی واقع ہو گئی۔ ایک بڑے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے یقینی طور پر اسلامی فوج کی تعداد زیادہ ہونی چاہیئے تھی لیکن بعض سپاہی جنگ بدر میں اپنے سے زیادہ فوج کو شکست دینے کے سبب اپنی موجودہ طاقت کا غلط اندازہ لگا بیٹھے تھے۔

۶ - جنگ احد میں کثیر تعداد نو مسلموں کی تھی۔ ان میں نظم و ضبط کا وہ معیار نہ تھا جو بدری صحابہ میں تھا۔

۷ - خالد بن ولید کے اچانک حملے سے مسلمانوں کے حواس باختہ ہو گئے۔

۸ - حضرت حمزہؓ اور مصعب کی شہادت مسلمانوں کے لئے نقصان کا باعث بنی حضرت حمزہؓ شجاعت میں بے مثال تھے۔

۹ - رسول کریم صلعم کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے۔

نتائج و اثرات

۱. قبائل کی معاندانہ سرگرمیاں اہل مدینہ کو جنگ بدر میں جو کچھ حاصل ہوا تھا وہ جنگ احد میں اسے کھو بیٹھے جو عزت و شہرت اسے بدر میں ملی تھی۔ احد میں وہ اس سے محروم ہو گئے۔ جو دبدبہ انہوں نے بدر میں قائم کیا تھا۔ وہ قبائل جو اسلامی حکومت مدینہ کے ڈر کے مارے خاموش ہو گئے تھے۔ اب اپنا سر نکالنے لگے۔ عضل اور قارہ دو قبائل آپ کے پاس آئے کہ تبلیغ کے لئے اپنے مبلغ ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ آپ نے دس صحابہ کو جن کے سردار عاصم بن ثابت تھے ان کے ہمراہ کر دیا۔ لیکن انہوں نے راستہ میں ۸ کو شہید کر دیا، باقی دو کو مکہ لے جا کر شہید کر دیا گیا۔ اسی

طرح جنگ اُحد کے تقریباً چار ماہ بعد ابراء بن مالک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی نجد میں تبلیغ اسلام کے لئے مبلغ روانہ کئے جائیں۔ آپ نے ۷۰ صحابہ کا ایک وفد منذر بن عمرو انصاری کی سیادت میں روانہ کر دیا جب مسلمان مبلغین بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو سب شہید کر دیئے گئے گویا اس طرح عرب قبائل نے دھوکہ اور فریب سے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اب وہ سمجھتے تھے کہ مدینہ میں مسلمانوں کا قبضہ واقتدار ختم ہو گیا ہے۔

۲۔ بنو نظیر کی جلاوطنی یہودی قبائل کا رویہ شروع سے ہی منافقانہ تھا۔ جنگ بدر اور جنگ احد کے زمانہ میں ان یہودی قبائل نے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا اور جنگ احد کے بعد تو ان کے حوصلے اور بھی بلند ہو گئے چنانچہ انہیں ان کی بدعہدی کی عبرت ناک سزا دی گئی۔ بنو نظیر کو جلاوطن کر دیا گیا۔

۳۔ حب مال پر ضرب کاری سود کو حرام قرار دے دیا گیا۔ تاکہ مسلمانوں کے دل سے مال کی محبت نکل جائے عُسر اور یُسر دونوں حالتوں میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین کی گئی۔

۴۔ تربیت کی خامیوں کو دور کرنا اطاعت رسول اور امیر پر زور دیا گیا اور میدان جنگ سے فرار کرنے پر سخت تنبیہ کی گئی اور مزید آزمائشوں کے لئے مسلمانوں کو ذہنی طور پر تیار کیا گیا۔

۵۔ غزوہ خندق کا پیش خیمہ اس لڑائی میں کفار کے حوصلے بلند ہو چکے تھے چنانچہ تین سال بعد اسلامی سلطنت کو روئے زمین سے نیست ونابود کرنے کے لئے مدینہ پر ایک بھرپور حملہ کیا گیا۔ یہ حملہ "غزوہ خندق" کے نام سے مشہور ہے۔

۶۔ منافقین کا بے نقاب ہونا غزوہ بدر میں کفار کو اہانت آمیز شکست کی وجہ سے منافقوں نے درپردہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے منصوبے بنائے لیکن جنگ اُحد میں مسلمانوں کے نقصان کی وجہ سے منافقین بے نقاب ہو گئے۔

کفّار کی بدعہدی کی دو ۲ مثالیں

رجیع پر قاریوں کا قتل ماہ صفر ۴ھ میں بنو عضل اور قارہ کے سات آدمی مدینہ آئے اور آپ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ چند مبلغ اسلام کو تعلیم سکھانے کے لئے بھیجیں۔ آپ نے دس صحابہ روانہ کئے۔ جب یہ لوگ رجیع کے مقام پر پہنچے تو ان غداروں نے بدعہدی کی اور قبیلہ ہزلیان کو پکارا۔ ان کے دو سو آدمیوں نے جن میں ایک سو تیر انداز تھے۔ مسلمانوں کو گھیر لیا

ان لوگوں نے بڑھ کر ایک ٹیکری پر پناہ لی۔ تیراندازوں نے ان سے کہا کہ اُتر آؤ۔ ہم تم کو امن دیتے ہیں دو مسلمان حبیبؓ اور زیدؓ نیچے اتر آئے۔ انہیں گرفتار کر لیا۔ باقی سب نے لڑ کر تیراندازوں کے ہاتھ سے جامِ شہادت نوش کیا۔ کفار نے زیدؓ بن دثنہ اور خبیبؓ بن عدی کو اہل مکہ کے ہاتھ میں فروخت کر دیا اہل مکہ نے ان کو مقتولین بدر کے انتقام میں قتل کر دیا۔ (بخاری غزوہ رجیع)

۲۔ واقعہ بئر معونہ ماہ صفر ۴ھ میں ابو براء عامر بن مالک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور درخواست کی کہ میری قوم میں دعوت اسلام کے لیے چند مبلغ بھیجیں۔ آپ نے ستر صحابہ جن میں اکثر اصحاب صفہ تھے ابو براء کے ساتھ بھیجے جب یہ لوگ علاقہ بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان بئر معونہ پر پہنچے تو بنو سلیم کے قبائل کے ایک مسلح لشکر نے ان پر حملہ کر دیا سب کو شہید کر دیا۔ صرف ایک صحابی عمرو بن اُمیہ بچ کر واپس مدینہ آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر ایسا صدمہ نہیں ہوا۔

جنگِ احزاب (جنگِ خندق)

(۵ھ یا ۶۲۷ء)

وجہ تسمیہ احزاب حزب کی جمع ہے۔ احزاب کے معنی گروہ کے ہیں چونکہ اس جنگ میں عرب کے مختلف قبائل نے اسلام کے خلاف لڑائی لڑی تھی۔ اس وجہ سے اس جنگ کو غزوہ احزاب کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے مدینہ کی مدافعت کے لئے خندق کھودی تھی۔ اس وجہ سے اس کا ایک نام غزوہ خندق بھی ہے۔

اسباب:۔

۱۔ قریش اپنے آپ کو طاقت ور سمجھتے ہوئے بھی مسلمانوں کو کسی جنگ میں بھی نیچا نہ دکھا سکے اس وجہ سے ہر لڑائی میں ان کی تیاری پہلی لڑائی کی نسبت زیادہ ہوتی۔ جنگِ بدر میں فوج کی تعداد ایک ہزار تھی تو جنگ احد میں تین ہزار۔ جنگِ خندق میں ایک روایت کے مطابق چوبیس ہزار پس اس لڑائی کا سبب بھی پہلے غزوات کی طرح اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانا تھا۔

۲۔ جنگ احد میں مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہو جانے کی وجہ سے دشمن قبائل کے حوصلے بڑھ گئے اس وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کو ختم کر دینے کے لئے ایک مشترکہ نصب العین بنایا جو جنگ احزاب کی شکل میں تعبیر ہوا۔

۳۔ مدینہ سے یہود کے دو قبائل بنو قینقاع اور بنو نضیر جلا وطن کئے جا چکے تھے اور یہ لوگ خیبر اور سرحدات شام پر آباد ہو چکے تھے۔ انہوں نے بھی مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے قریش سے

مل کر منصوبہ تیار کیا جو جنگ احزاب کی شکل میں ظاہر ہوا۔

۴۔ جنگ اُحد سے واپسی پر ابوسفیان نے مسلمانوں کو بدر ثانیہ کا چیلنج دیا تھا۔ اگلے سال جب وہ میدان میں آیا تو مسلمانوں کو دیکھ کر بھاگ گیا۔ اپنی ناکامی کا بدلہ پوری طرح لینا چاہتا تھا۔

۵۔ اس جنگ کی وجہ دوسری جنگوں کی طرح ایک یہ بھی تھی کہ کفار اپنے آئینہ میں اپنی رسوم اور بت پرستی کا طلسم اسلام کے سامنے ٹوٹتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ اس وجہ سے ان کے غیظ و غضب کی آگ کا الاؤ کم نہیں ہوتا تھا۔

۶۔ قریش کے سامنے سب سے زیادہ تشویشناک چیز ان کی اقتصادی ناکہ بندی تھی۔ جنگ بدر کے بعد ملک شام کا راستہ مکہ کے تجارتی قافلوں کے لئے بند ہو گیا جنگ احد کے بعد نجد اور دومۃ الجندل تک اسلام کا اثر بڑھ جانے کی وجہ مکہ کے تجارتی قافلوں کے لئے عراق کا راستہ بھی مسدود ہو گیا۔

۷۔ جنگ اُحد کے بعد مختلف قبائل دشمن اسلام نے مسلمانوں کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا اس سلسلہ میں غزوات ذات الرقاع۔ دومۃ الجندل غزوہ مریسیع پیش آئے۔ جس میں مسلمانوں کو کامرانی ہوئی۔ آخر کار کفار نے متحد ہو کر اسلام کے خلاف لشکر کشی کی۔

۸۔ کفار غزوہ اُحد کو بغیر کسی نتیجہ پر چھوڑ گئے تھے اس لئے مدینہ پر حملہ کرنے کی زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔

۹۔ مدینہ کے بدوی قبائل کا گزر ان لوٹ مار غصب و نہب پر تھا۔ رسولِ کریمؐ نے کئی بار ان کو سزا دی تھی۔ چنانچہ بدوی قبائل نے کفار مکہ کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا۔

غنیم کی جنگی تیاریاں

بنو نضیر اور بنو وائل کے روساء مکہ پہنچے اور کہا اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کیا جا سکتا ہے۔ قریش اس کے لئے تو پہلے سے ہی تیار تھے۔ انہوں نے بڑھ چڑھ کر سیم و زر مصارف جنگ کے لئے دیا۔ قریش کو آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے ان کو لالچ دیا کہ ایک سال کا پورا نفقہ کھجور کی صورت میں دیا جائے گا۔ بنو اسد قبیلہ غطفان کے حلیف تھے۔ ان کو بھی لڑائی کے لئے آمادہ کر لیا گیا۔ بنو سعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا۔ اس بنا پر ان کو بھی تیار کر لیا گیا۔ قریش کی قرابت داری قبیلہ بنو سلیم سے تھی۔ انہوں نے بھی ساتھ دیا ان کے علاوہ بنو مرہ۔ بنو فزارہ۔ اشجع نے بھی شریک جنگ ہونے کا وعدہ کیا۔

تمام قبائل کی فوج کی تعداد بروایات مختلفہ کم سے کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھی۔ یہ تمام لشکر تین حصوں پر مشتمل تھا۔ قریش کی فوج، اس کا سپہ سالار ابوسفیان تھا۔ غطفان کی فوج اس کی کمان عینیہ بن حصن فزاری کے ہاتھ میں تھی۔ بنو اسد کی فوج کا قائد طلیحہ تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ خبر سنی تو صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسی نے یہ مشورہ دیا کہ غیر محفوظ حصّے کے گرد خندق کھودی جائے آپ نے اس رائے کو بہت پسند کیا۔

شہر کے جنوب میں باغوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ مشرق میں بنو قریظہ کے سینکڑوں مکانات اور باغات تھے۔ صرف شمال کی سمت ہی سب سے زیادہ خطرناک تھی اور ایک حد تک مغربی طرف بھی۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے شمال میں حرہ شرقی اور حرہ غربی کو ملاتی ہوئی ایک خندق کھدوائی۔ جو نیم دائرہ بناتی ہوئی جبل سلع کے مغربی کنارے سے آملی۔ پھر مختلف قبائل نے اپنے محلوں کی حفاظت کے لئے اپنے طور پر اسے جنوب میں مسجد غمامہ کے مغرب سے گزارتے ہوتے کافی دور تک قبا کے رُخ میں بڑھا دیا۔ یہ خندق پندرہ فٹ گہری اور پندرہ فٹ چوڑی تھی۔

اس کھدوائی میں تین ہزار مسلمانوں نے کام کیا۔ آپ نے ہر دس آدمیوں پر دس گز خندق کی کھدائی لگائی۔ رسول کریم نے خود بھی ایک دستے میں شامل ہو کر کام کیا۔ یہ کھدائی بیس دن تک مکمل ہوئی۔

اس خندق کی کھدائی میں ایک پتھر آگیا جو کسی کی ضرب سے ٹوٹتا نہیں تھا۔ آپ نے خود خندق میں اتر کر اس پتھر پر ضربات ماریں۔ ہر ضرب پر صحابہ کو یہ خوشخبری سُنائی کہ مسلمان شام۔ ایران اور یمن کو فتح کریں گے۔

عورتوں اور بچوں کی حفاظت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے عورتوں اور بچوں کو محفوظ گڑھیوں میں بھیج دیا چونکہ بنو قریظہ کے حملے کا خطرہ تھا۔ اس لئے دو سو مجاہدین کو حضرت سلیم بن اسلم رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں متعین کر دیا۔ جب خندق مکمل ہو گئی تو آپ نے پوری فوج کے ساتھ جبل سلع پر پڑاؤ لگا کر مقیم ہو گئے۔ آپ کا خیمہ جبل سلع کے ایک اہم مگر محفوظ مقام پر نصب تھا۔

ابوسفیان بھی چوبیس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ آن پہنچا۔ غیر متوقع خندق کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ آخر کار مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابوسفیان کا خیال تھا کہ مسلمان شہر میں رسد اور خوراک کی قلت کی وجہ سے خود ہی ہتھیار ڈال دیں گے۔ لیکن مسلمان کب فاقوں سے ڈر کر پرچم اسلام کا نیچا ہونا گوارہ کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کی ٹولیاں باری باری خندق کی پاسبانی کرتی تھیں۔ خندق کی دوسری طرف دشمن کے سوار غفلت کی تلاش میں رہے بعض لوگ خندق کھودنے کی کوشش میں اس میں گرے اور جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

بنو قریظہ کی بدعہدی حی بن اخطب بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اس کو عہد شکنی پر تیار کر لیا۔ نیز کعب نے حی بن اخطب سے یہ شرط کی کہ اگر وہ مسلمانوں کے خلاف کامیاب نہ ہو سکیں تو وہ بھی ان کے ساتھ قلعہ بند ہو جائے گا۔ تاکہ جو سزا انہیں ملے اسے بھی مل کر رہے۔ اس نے یہ شرط قبول کر لی۔

یہود نے عورتوں اور بچوں پر حملہ کرنے کی سازش کی اور ایک آدمی کو حالات دریافت کرنے

کے لئے بھیجا۔ رسول کریم صلعم کی پھوپھی حضرت صفیہ نے اسے دیکھ لیا اور لاٹھی لے کر . . . . اس کا سر پھوڑ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی لاش کو پہاڑ کے نیچے لڑھکا دیا۔ اس سے یہود ڈر گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ گڑھیوں میں مسلمانوں کی فوج موجود ہے۔

لڑائی کفار کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص۔ ضرار بن الخطاب اور ہبیرہ کا ایک ایک دن لڑائی کے لئے مقرر تھا۔ وہ اپنی اپنی باری پر خندق کے دوسری طرف تیر اور پتھر برساتے۔ اس طریقے سے خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ پھر مشورہ سے یہ طے پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے۔ تمام لشکر کفار ایک جگہ جمع ہو گیا۔ ایک جگہ سے خندق کم چوڑی تھی۔ اس جگہ سے ضرار، ہبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدود اور عکرمہ خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سب سے پہلے عمرو بن عبدود نے مبارزت طلب کی۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ ضرار اور ہبیرہ عکرمہ اور نوفل بھاگ نکلے۔ نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گر پڑا اور وہیں مر گیا۔ حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا۔ تمام دن لڑائی جاری رہی۔ کفار ہر طرف سے تیر اور پتھروں کا مینہ برساتے رہے۔

شہر میں رسد کی کمی کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی کئی دن کے فاقے گزرے بنو نضیر کی بدعہدی اور صحابہ کی فاقوں کی وجہ سے شکستہ حالی دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ جو روسائے انصار تھے۔ بلا کر مشورہ کیا۔ غطفان سے مدینہ کی پیداوار کے ایک ثلث پر معاہدہ کر لیں۔ دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں۔ اگر رائے ہے تو گزارش ہے کہ کفر کی حالت میں بھی ہم نے کبھی خراج نہیں دیا۔ اب ہم ان سے دب نہیں سکتے۔ جو کچھ بھی ہو ہم لڑائی کریں گے۔ حضرت سعدؓ نے معاہدہ کا کاغذ لے کر تمام عبارت مٹا دی۔

جوں جوں محاصرہ طول پکڑتا جا رہا تھا۔ محاصرین کے پائے استقلال میں لغزش آ رہی تھی۔ اسی اثنا میں شوال کا مہینہ بھی ختم ہو چلا۔ اور ذیقعدہ قریب آ گیا جس میں قریش مذہباً لڑائی نہیں کر سکتے تھے۔ فتح کے امکانات بھی یہود کی عدم معاونت کی وجہ سے ختم ہو گئے تھے: موسم بھی خراب ہو گیا تھا۔ بارش۔ آندھی۔ سردی اور قلت رسد وغیرہ سے محاصرین تنگ آ گئے آخر بیزار ہو کر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہو گیا۔ اس پر دوسرے قبائل بھی یکے بعد دیگرے چلتے بنے

محاصرہ کی ناکامی کے اسباب

۱۔ کفار کی ناکامی کی وجہ خندق کی کھدائی تھی۔ دشمن اپنی پوری طاقت کے ساتھ خندق کو عبور نہیں کر سکتا۔ جو کوئی عبور کرتا۔ وہ مسلمانوں کی تلوار کا لقمہ بن جاتا۔

۲۔ محاصرہ کے طویل ہو جانے کی وجہ سے کفار کا رسد ختم ہو گیا تھا۔ مزید رسد پہنچنا کرنا مشکل تھا۔ اس

وجہ سے کفار محاصرہ کو مزید طویل نہیں دے سکتے تھے۔ تنگ آکر محاصرہ اٹھا لیا۔

۳ - کفار کے لشکر میں مختلف قبائل شامل تھے۔ ان میں یک رنگی اور یک جہتی۔ اتحاد فکر و عمل برقرار نہ رہ سکا اور ان میں بد اعتمادی اور منافرت پھیل گئی۔

۴ - موسم کی خرابی اور شدت کی سردی نے کفار کی رہی سہی ہمت کو بھی بالکل پست کر دیا۔

۵ - مسلمانوں نے خندق کی حفاظت میں پوری جانفشانی۔ عزم اور استقلال سے کام لیا۔ عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔

۶ - قریش کی واپسی کا ایک سبب حرمت والے مہینوں کی آمد تھی۔ جن میں عرب کے قدیم دستور کے مطابق جنگ کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

جنگِ احزاب کے نتائج و اثرات

۱ - بعض مورخوں نے غزوہ احزاب کو دنیا کی مشہور ترین لڑائیوں میں شمار کیا ہے۔ کفار مکہ کی ناکامی سے مسلمانوں کا وقار بہت بڑھ گیا۔

۲ - اسلام کو مٹانے کے لئے کفار کی یہ آخری متحد کوشش تھی۔ جب وہ متحدہ طاقت کے باوجود بھی اسلام کو کوئی زک نہ پہنچا سکے۔ بلکہ کفار اپنے ارادہ میں ناکام ہو گئے تو مسلمانوں کی طاقت کی دھاک تمام عرب پر بیٹھ گئی۔ اسلام سرعت کے ساتھ عرب میں پھیلنے لگا اور جاہلیت کی رسوم مٹنی شروع ہو گئیں۔

۳ - اس جنگ کے بعد مدینہ منورہ یہودی قبائل سے خالی ہو گیا۔ بنو قریظہ آخری یہودی قبیلہ مدینہ میں رہ گیا تھا۔ وہ بھی غداری کی وجہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔

۴ - مکہ پر اقتصادی دباؤ بہت بڑھ گیا۔ مسلمانوں نے تجارتی شاہراہوں کی سختی کے ساتھ ناکہ بندی کر دی

۵ قریش کا عرب میں بھرم کھل گیا۔ میدان جنگ میں سب سے پہلے ابو سفیان بھاگا۔

۶ - اس جنگ کے بعد کفار کے حوصلے پست ہو گئے۔ اتنی جرأت نہ رہی کہ وہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کریں

۷ اس کے بعد مسلمانوں کی طاقت بڑھ گئی اور مسلمانوں نے اپنی طاقت سے فتح مکہ کیا۔

۸ اس جنگ نے مسلمانوں کو چند جنگی اصول دیئے ایک یہ کہ مسلمانوں کو وقت کے تقاضا کے مطابق جنگی طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ دوم۔ ملکی اور قومی معاملات میں مشاورت ضروری ہے۔ سوم۔ برسرپیکار قوم کے خلاف جنگی چالیں جائز ہیں۔

۹ - اس جنگ سے مسلمانوں کی تنظیمی برتری مسلم ہو گئی۔ جس نے مسلمانوں کو ہر جنگ میں کامیابی سے ہمکنار کیا تھا۔

یہودیوں اور مسلمانوں کے تعلقات

یہود اپنی کتاب تورات کی رو سے ایک نبی کے منتظر تھے جس کا ظہور عرب میں ہونے والا تھا جیسا
موسےٰ کی پانچویں کتاب استثنا میں مثیل موسےٰ کی پیش گوئی ہے ۔

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ
میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں
وہ میرا نام لے کر کہے گا [redacted] نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا"

ان آیات میں مثیل موسےٰ کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے
ایک نبی موسےٰ علیہ السلام کا مثیل آئے گا جو اس کی مخالفت کرے گا اللہ تعالےٰ اس کا محاسبہ کرے گا۔

بنی اسماعیل میں سے حضرت رسول کریم صلعم نے دعویٰ نبوت کیا اور مثیل موسےٰ ہونے کا دعویٰ کیا۔
حضرت رسول کریم صلعم نے کہا جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے

یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے۔
جیسا کہ فرعون کی طرف بھیجا۔ تورات میں پیشن گوئی ہے ۔

خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار
قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے ہوئی۔ (استثنا ۳۳:۲)
سینا سے آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہے۔ شعیر سے جس کے پاس بیت لحم اور ناصرہ ہے
مسیح کا ظہور ہوا ہے۔

فاران سے جلوہ گر ہونے سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے اور دس ہزار قدسیوں
کے ساتھ آنے سے مراد وہ فتح عظیم ہے جب آپ دس ہزار مقدس نفوس کو لے کر مکہ میں فاتحانہ رنگ میں
داخل ہوئے ۔

ابن ہشام میں ایک روایت ہے کہ رسول کریم صلعم کی بعثت سے کچھ عرصہ پہلے ابن الہیبان نامی
ایک یہودی عراق سے ترک سکونت کر کے مدینہ میں آباد ہو گیا تھا۔ وہ اپنے تقدس کی وجہ سے اپنے
ہم مذہبوں میں بہت بلند مقام رکھتا تھا۔ جب مرنے لگا تو اس نے یہودیوں کو بلا کر کہا کہ میں عراق کی
سرسبز اور زرخیز زمین صرف اس وجہ سے چھوڑ کر آیا تھا کہ نبی آخرالزماں کے ظہور کا وقت آچکا ہے اور
وہ یہیں آئے گا اس کی زیارت سے پہلے موت کی آغوش میں ابدی نیند سو رہا ہوں۔

یہ روایت ظاہر کرتی ہے۔ مدینہ میں یہودی قبائل کی آبادی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی کتب میں
پیش گوئی تھی کہ نبی آخرالزماں عرب میں ظاہر ہونے والا ہے ۔

مدینہ میں تین قبیلے بنوقینقاع۔ بنونضیر۔ بنوقریظہ آباد تھے۔ یہ عموماً زمیندار تجارت پیشہ اور صنا[ع]
تھے۔ سودی کاروبار کرتے تھے اور انصار ان کے مقروض رہتے تھے علمی لحاظ سے بھی انصار پر فوقیت
رکھتے تھے۔ اور اپنے آپ کو زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔

جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ایک معاہدہ کیا۔ جس میں یہ[ود]
بھی شامل تھے۔ یہ معاہدہ میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے اس معاہدہ کی بنیاد مذہبی آزادی۔ باہمی اتحا[د]
اور مدینہ کے مشترکہ دفاع پر رکھی گئی تھی۔

یہود کی مخالفت اور معاہدہ توڑنے کے اسباب

۱۔ اسلام نے یہودیت کی اشاعت کو بالکل ختم کر دیا اور لوگوں کی توجہ کا مرکز صرف اسلام بن گیا اس
مذہبی تعصب کی وجہ سے یہود مسلمانوں کے دشمن بن گئے۔

۲۔ دولت اور ثروت کی فراوانی کی وجہ سے یہود اخلاق شنیعہ میں مبتلا ہو گئے۔ دو چار روپے کے
زیور کے بدلے بچوں کو پتھر سے مار دیتے تھے۔ قرضہ کی کفالت میں بچوں اور عورتوں کو رہن رکھوا[تے]
تھے۔ امرا کو زنا اور بدکاری کی سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ ایک دفعہ رسولِ کریم صلعم نے ایک
یہودی سے دریافت کیا۔ کیا تمہاری شریعت میں زنا کی سزا درہ مارنا ہے اس نے کہا نہیں بلکہ
سنگسار کرنا ہے۔ لیکن ہمارے امرا اس مرض میں مبتلا ہیں اس وجہ سے جب وہ پکڑے جاتے ہیں ت[و]
ہم ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ عام آدمیوں کو یہ سزا دی جاتی ہے۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ سنگسار کرنے
کی سزا درہ مارنے میں بدل دی جائے۔

اسلام اس قسم کی تمام برائیاں معاشرہ سے ختم کرنے کے لئے آیا تھا اور قانون کی نظر میں امیر
غریب سب برابر تھے اس وجہ سے یہ ضروری تھا کہ یہ لوگ اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تا ک[ہ]
ان کی بداخلاقیوں کی پردہ دری نہ ہو۔

۳۔ یہود صرف اخلاقی گراوٹ سے ہی دوچار نہیں تھے بلکہ غلط عقائد کو بھی اپنا لیا تھا۔ عیسائیوں کے
نقش قدم پر چل کر حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا بنا لیا تھا۔ اسلام خالص توحید کا مذہب تھا اور شرک
کا شدید مخالف۔ اسلام نے یہود کے باطل عقائد کی غیر مبہم الفاظ میں تردید کی۔ اس وجہ سے
لوگ اسلام کے مخالف بن گئے۔

۴۔ اوس اور خزرج اسلام قبول کرنے سے قبل باہمی اختلاف اور انتشار میں مبتلا تھے۔ اسلام نے ا[ن]
کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح بنا دیا۔ اس اتحاد کی وجہ سے اوس اور خزرج یہود کی اقتصادی غلا[می]
سے نجات پا گئے۔ اس نجات کی وجہ سے یہودیوں کے دل حسد اور بغض کی آگ سے جلنے لگے

آن اس کوشش میں تھے مسلمان تباہ ہو جائیں۔

۵۔ یہود کو انصار پر قبول اسلام سے قبل علمی تفوق حاصل تھا۔ جب انصار نے اسلام قبول کر لیا تو یہود کی برتری ختم ہو گئی۔ بلکہ میثاق مدینہ کی رو سے رسول کریم صلعم کو اس معاملہ میں حاکم اعلیٰ کی حیثیت حاصل تھی۔ پس یہود اپنی علمی برتری کو خاک میں ملتا ہوا دیکھ کر اسلام کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

۶۔ یہود یہ توقع رکھتے تھے کہ نبی آخرالزمان بنی اسرائیل میں سے آئے گا لیکن رسول کریم صلعم کا نسبی تعلق بنو اسماعیل سے تھا۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کہ آخری نبی الزمان کا تعلق بنو اسماعیل سے ہو۔

۷۔ یہود عیسائیوں کے شدید مخالف تھے۔ حضرت عیسیٰ السلام پر ہر قسم کے الزامات اور اعتراضات کرتے تھے۔ قرآن مجید نے عیسیٰ السلام پر عائد کردہ الزامات کا جواب دیا اور ان کو ایک مقدس نبی ٹھہرایا جس کی وجہ سے یہود کا غیظ و غضب بھڑک اٹھا۔

۸۔ یہود کی مخالفت کی وجہ تحویل قبلہ بھی ہے۔ رسول کریم صلعم مدینہ میں ہجرت کے بعد ۱۶، ۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے بعد میں اللہ کے حکم سے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ تحویل کعبہ کی وجہ سے بھی یہود نے اسلام کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا۔

۹۔ اسلام سے پہلے مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں کا سارا معاشی نظام یہودیوں کے قبضہ میں تھا۔ سودی کاروبار کرتے تھے۔ اہل مدینہ مقروض رہتے تھے اوس اور خزرج کے مابین ہر وقت لڑائی جھگڑا رہتا تھا۔ جب مسلمان ہجرت کر آئے تو انہوں نے بھی تجارت اور کاروبار شروع کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشی حالت درست ہوتی چلی گئی۔ دوم اوس اور خزرج کے درمیان تمام اختلافات ختم ہو گئے اور وہ بھائی بھائی بن گئے جس کی وجہ سے یہ لوگ یہود کے زیر اثر سے نکل گئے اور من حیث القوم مسلمان دولت اور ثروت میں کھیلنے لگے۔ یہودیوں کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اس وجہ سے مسلمانوں کے مخالف ہو گئے۔

۱۰۔ مدت سے یہودیوں کو مدینہ میں مذہبی تفوق حاصل تھا۔ یہ ایک الہامی دین کے پیروکار تھے جبکہ مدینے کے مشرک اور بت پرست اس سے محروم تھے۔ اسلام آنے کے بعد یہودیوں کی فوقیت ختم ہو گئی۔

۱۱۔ ہجرت سے پہلے مدینہ میں یہودیوں کو بڑی سیاسی اہمیت تھی۔ انہوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے قلعے بھی بنائے ہوئے تھے۔ جب رسول کریم صلعم ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے تو یہودیوں کی سیاسی برتری ختم ہو گئی۔ جنگ بدر کے بعد تو مسلمانوں کی سیاسی برتری تیزی سے بڑھنے لگی۔ مسلمانوں کی ترقی کو روکنے کے لئے یہودی کمربستہ ہو گئے اور کفار مکہ سے ساز باز شروع کر دی۔

۱۲۔ یہود مدینہ قریش مکہ سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے جب جنگوں میں قریش کے سردار مارے گئے تو انہیں تکلیف ہوئی۔ کفار مکہ سے ساز باز شروع کر دی)

بنو قینقاع کا اخراج شوال سنہ ۲ھ

بنو قینقاع نے سب سے پہلے عہد شکنی اور مسلمانوں کے خلاف صف آرائی کی۔ یہ قبیلہ اپنی دولت اور بہادری کی وجہ سے بہت مشہور رہا تھا۔ لڑائی کا سبب یہ ہے ایک مسلمان عورت بنو قینقاع کے بازار گئی۔ ایک یہودی نے شرارت سے اس کی بے حرمتی کی مسلمان عورت نے واویلا شروع کر دیا۔ ایک مسلمان دیکھ کر آگے بڑھا اور اپنی تلوار سے یہودی کا سر قلم کر دیا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو ہمیشہ کے لئے موت کی آغوش میں سلا دیا۔

رسول کریم صلعم نے یہود سے جواب طلب کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم کو قریش نہ سمجھنا۔ ہم سے مقابلہ ہوا تو ہم تمہیں بتائیں گے کہ کس طرح لڑتے ہیں۔ یہ کھلم کھلا اعلان جنگ تھا۔ رسول کریم صلعم نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانوں نے باہر سے ان کی رسد بند کر دی۔ یہودی پندرہ دن کے سخت محاصرہ کے بعد اطاعت پر آمادہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا مدینہ چھوڑ دو چنانچہ وہ مدینہ چھوڑ کر کچھ عرصہ وادی القریٰ میں مقیم رہے۔ مگر یہاں سے آذرعات نام بستی میں جو شام کے علاقہ میں منتقل ہو گئے۔

قتل کعب بن اشرف ربیع الاوّل سنہ ۳ھ

کعب بن اشرف ایک مشہور قادر الکلام شاعر تھا۔ یہود..... کا رئیس اعظم تھا۔ جب جنگ بدر میں قریش کے روسا کھیت ہوئے تو وہ تعزیت کے لئے مکہ گیا۔ پرزور مرثیے کہے۔ قریش کو خوب رلایا ان کو بدلہ لینے کے لئے برانگیختہ کیا۔ دوسرے قبائل کو بھی اسلام کے خلاف اکساتا رہا۔ رسول کریم صلعم کی ازواج مطہرات اور مسلمان خواتین کے خلاف ہجویں کہیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ مدینہ لوٹ کر رسول کریم صلعم کو چپکے سے قتل کرا دینے کا قصد کیا۔ یہ وہ امور ہیں جن پر چشم پوشی سے کام نہیں لیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ روسائے اوس نے باہم مشورہ کیا اور رسول کریم صلعم کی اجازت سے محمد بن مسلمہ انصاری نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا۔

بنو نضیر کا اخراج ربیع الاوّل سنہ ۴ھ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو عامر کے مقتولین کے خون بہا کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے بنو نضیر کے پاس گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محلہ میں دیکھ کر کعب بن اشرف کے قتل کا زخم ہرا ہو گیا چند

سرغنے مجلس سے اٹھ کر فریب سے قتل کرنے کے منصوبے گھڑنے لگے۔ چنانچہ یہ سازش کی کہ ایک شخص بالاخانہ پر چڑھ کر رسول کریم صلعم پر پتھر گرا دے۔ عمرو بن حجاش یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا تو رسول کریم صلعم کو اس سازش کا علم ہو گیا۔ آپ فوراً واپس تشریف لے آئے۔ آنحضرت نے پرانے معاہدہ کی تجدید کرنا چاہی۔ بنو قریظہ نے تجدید کر دی۔ مگر بنو نضیر نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد رسول کریم کو اپنے علماً سے مباحثہ کے لئے بلا کر قتل کرنے کی دوبارہ سازش کی۔ رسول کریم صلعم باوجود ان کی خبث باطنی کو جانتے ہوئے اتمام حجت کے لئے بنو نضیر کی طرف گئے۔ راستہ میں آپ کو علم ہوا کہ یہود میانوں سے تلواریں سونت کر کھڑے ہیں۔ رسول کریم صلعم نے اسی وقت محمد بن مسلمہ کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ کیونکہ تم نے عہد شکنی کی ہے ورنہ دس روز کے بعد تم میں سے جو شخص بھی مدینہ میں دیکھا گیا اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

عبداللہ بن ابی نے یہود کو کہلا بھیجا کہ گھر بار چھوڑ کر چلے نہ جانا۔ بلکہ بہت مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے اپنے قلعوں میں رہنا۔ دو ہزار آدمی سے کر تمہاری اعانت کروں گا۔

حی بن اخطب رئیس بنو نضیر نے رسول کریم صلعم کو کہلا بھیجا کہ ہم شہر کو کسی صورت میں بھی خالی نہیں کریں گے۔ یہ کہلا بھیجنے کے بعد انہوں نے قلعہ بندی کی تیاری شروع کر دی اور محاصرین پر پتھراؤ کرنے کے لئے چھتوں پر پتھر جمع کر لئے۔ اور اشیائے خوردنی سے ان کے گھر بھرے پڑے تھے جو ایک سال کے لئے کافی تھیں۔

اس کھلم کھلے اعلان جنگ کے بعد رسول کریم صلعم نے بنو نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ یہود پندرہ دن تک قلعہ بند رہے۔ جب بنو نضیر نے مقابلہ کی تاب نہ پائی اور نہ ہی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی مدد پہنچی تو اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ مدینہ کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور ان کو مال و اسباب اونٹوں پر لے جانے کی اجازت ہو۔

چنانچہ اپنی ذلت و رسوائی کو چھپانے کے لئے بڑی ٹھاٹھ باٹھ اور شاہانہ طریقے سے مدینہ سے نکلے اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔

بنو قریظہ کا خاتمہ ۵ھ

یہودیوں کے اس قبیلہ نے جنگ احزاب میں معاہدہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی اور دشمنوں کا ساتھ دیا اور قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا۔ ان قلعوں پر حملہ کرنا چاہا جہاں عورتیں پناہ گزین تھیں۔ یہ قریظہ کی طرف سے جنگ میں عملی شرکت کا اعلان تھا۔ جب کفار کا لشکر واپس چلا گیا تو رسول کریم صلعم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایک مہینہ کے بعد بنو قریظہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہود نے

حضرت سعد بن معاذ کو فیصلہ کے لئے حکم منتخب کیا۔ حضرت سعد نے توریت کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ
والے قتل کر دیئے جائیں۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر لئے جائیں اور ان کا مال و اسباب مال غنیمت سمجھا
جائے۔ اس فیصلہ کی رو سے چار سو یہودی قتل کئے گئے۔

مخالفین اسلام نے حضرت سعد بن معاذ رض کے فیصلہ کو رسول کریم صلعم کی سنگ دلی پر محمول کیا ہے
اگر منصفانہ نظر سے واقعات کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔

۱ - آنحضرت صلعم نے ان سے دوستانہ معاہدہ کیا تھا جس میں جان و مال کی حفاظت اور مذہب کی آزادی کا اقرار کیا گیا تھا۔ یہود نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے قریش کے ساتھ سازش کر لی اور جنگ احزاب میں عملاً حصہ لیا۔

۲ - جنگ احزاب میں ان قلعوں پر حملہ کرنا چاہا جس میں عورتیں پناہ گزین تھیں۔

۳ - یہ فیصلہ ان کی شریعت کے مطابق تھا اور یہود خود بھی اپنے دشمنوں سے جنگ میں یہی سلوک کرتے تھے

۴ - حضرت سعد بن معاذ کو خود یہود نے ہی منصف مانا تھا۔

۵ - اگر یہ لوگ نبی کریم صلعم کے فیصلہ پر راضی ہو جاتے تو آپ ان سے وہی سلوک کرتے جو ان سے پہلے بنو قینقاع اور بنو نضیر سے کیا تھا۔ یعنی ان کو جلاوطن کر دیتے۔

اس تہذیب کے زمانہ میں اگر کوئی قوم غداری اور عہد شکنی کا ارتکاب کرتی ہے تو اس سے نرم سلوک نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ایسی سزائیں دی جاتی ہیں جن سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔

صلح حدیبیہ و بیعت رضوان ۶ھ

جنگ احزاب پر تقریباً ایک سال کی مدت گزر گئی۔ موسم حج قریب آگیا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رویا میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس رویا کے پیش نظر آپ نے بیت اللہ کی زیارت کا اعلان فرما دیا۔ صحابہ پہلے ہی سے اس سعید گھڑی کے منتظر تھے۔ ان کی ارواح بیت اللہ کی زیارت کے لئے تڑپتی تھیں۔

اس گھر کی تعظیم سب کو تسلیم تھی اور ہمیشہ سے حج کے مناسک ادا ہوتے چلے آ رہے تھے۔ حج کے ایام میں لڑائیوں کو بھی ملتوی کر دیا جاتا تھا۔ وہ قبائل جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے تھے ایک میدان میں نظر آتے تھے خطرناک سے خطرناک دشمن کو بھی حج سے نہیں روکا جاتا تھا۔ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال تھا کہ قریش مکہ حج کرنے میں آپ کے مزاحم نہیں ہوں گے۔

عمرہ کے لئے روانگی آپؐ چودہ سو پاک باز مقدس صحابہ کے ساتھ ذی قعدہ ۶ھ میں عمرہ کے لئے عازم مکہ ہوئے۔ حضرت ام سلمہؓ بھی ساتھ تھیں۔ قربانی کے اونٹ بھی ساتھ تھے۔ حذر و احتیاط کے لئے آپ نے حکم دیا کہ کوئی بھی جنگ کے ہتھیار اور سامان حرب ساتھ نہ لے۔ تاکہ قریش مزاحمت کا بہانہ نہ بنالیں۔ صرف تلوار جو عرب کا ضروری اسلحہ تھا۔ ساتھ لی جائے۔ اس میں بھی یہ شرط تھی کہ نیام میں بند ہو۔ جب آپؐ ذوالحلیفہ پہنچے جو اہل مدینہ کا میقات ہے۔ آپ نے احرام باندھا اور قربانیوں کو نشان لگائے۔

دوسری طرف جب قریش کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے مقابلہ کی تیاری شروع کردی ایک خزاعی خبر رساں بسر بن سفیان نے مقام عسفان میں آکر اطلاع دی کہ قریش نے ایک عظیم لشکر مقابلہ کے لئے جمع کرلیا ہے۔ وہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

قریش نے دوسو سواروں کا ایک دستہ خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں کو روکنے کے لئے روانہ کیا۔ چونکہ رسول کریمؐ کا مقصد صرف عمرہ کرنا تھا۔ اس وجہ سے راستہ سے ہٹ کر آگے بڑھے اور حدیبیہ کے مقام پر قیام کیا۔ یہ قیام حرم مکہ کی حدود میں داخل تھا۔ اس وجہ سے لڑائی کا امکان باقی نہ رہا۔

گفت و شنید قبیلہ خزاعہ کا رئیس اعظم بدیل بن ورقا چند آدمیوں کے ساتھ رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ قریش نے آپ کی مزاحمت کے لئے ایک عظیم لشکر جمع کر رکھا ہے۔ وہ آپ کو کعبہ میں جانے نہیں دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ قریش سے کہہ دو کہ ہم عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ جنگ کے ارادہ سے نہیں۔ جنگ نے ان کی حالت زار کردی ہے۔ ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ ایک مدت کے لئے ہمارے ساتھ معاہدہ کرلیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں اس پر بھی وہ راضی نہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کردے۔ بدیل یہ پیغام لے کر قریش کے پاس گیا اور کہا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے آیا ہوں۔ اجازت ہو تو کچھ کہوں چند فتنہ پردازوں نے کہا کہ ہم کو محمدؐ کے پیغام کے سننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم ان کو بیت اللہ کی زیارت کے لئے نہیں آنے دیں گے۔ کچھ فہمیدہ لوگوں نے اجازت دی تو بدیل نے رسول کریم صلعم کا پیغام سنایا۔ اس پر عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ یہ مناسب بات تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے۔ اسے قبول کرلو۔ اور میں خود ان کے پاس سمجھوتہ کے لئے جاتا ہوں۔ چنانچہ آپؐ کے پاس آیا اور گفتگو کرنے لگا۔ رسول کریم صلعم نے جو بات بدیل سے کہی تھی وہ دہرائی۔ اس پر عروہ کہنے لگا "محمد (صلعم) فرض کرو کہ تم نے قریش کو تباہ و برباد کردیا تو کیا اس کی اور بھی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کردیا ہو اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدل گیا تو تمہارے ساتھی تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس بات پر غصہ آیا اور کہا "کیا ہم رسول کریم صلعم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟" عروہ نے پوچھا یہ کون ہے۔ آپؐ نے

فرمایا ابوبکرؓ۔ عروہ کہنے لگا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مجھ پر تیرا احسان نہ ہوتا جس کا بدلہ میں نے ابھی تک نہیں اتارا تو تجھے جواب دیتا"

عروہ پھر رسول کریم صلعم سے گفتگو کرنے لگا اور بار بار آپ کی ریش مبارک پر ہاتھ ڈالتا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ہتھیار لگائے ہوئے پشت پر کھڑے تھے۔ اس جرأت کو پسند نہ کر سکے۔ مغیرہ نے تلوار کا دستہ ہاتھ پر مارا اور کہا اپنا ہاتھ ہٹا لے۔ ورنہ یہ ہاتھ واپس نہ جا سکے گا۔ عروہ نے پوچھا یہ کون ہے۔ جواب ملا مغیرہؓ بن شعبہ عروہ نے کہا "او بے وفا کیا میں تیری دیت میں کوشش نہ کرتا تھا"

نماز کا وقت آ گیا۔ رسول کریم صلعم نے وضو کیا صحابہ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ وضو کرتے تو وضو کا پانی زمین پر گرنے نہ پاتا تھا۔ عقیدت کیش اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے تھے۔ عروہ پر اس حیرت انگیز عقیدت نے عجیب اثر کیا۔ بات تو کوئی طے نہ ہوئی۔ وہ قریش کے پاس گیا اور کہا کہ "میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ وہاں بھی وہ عشق۔ عقیدت اور وارفتگی کی کیفیت نہیں ہوتی جو محمدؐ کی مجلس میں ہے۔

اس کے بعد رسول کریم صلعم نے حضرت خراشؓ بن امیہ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے ان کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا لیکن حلیس اور اس کے لوگوں نے حضرت خراشؓ کو واپس روانہ کیا۔

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ صحابہ کرام نے دیکھ لیا اور سب کو گرفتار کر لیا۔ بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو رہا کر دیا۔

بیعتِ رضوان

حضرت خراشؓ کی ناکامی کے بعد رسول کریم صلعم نے صلح کی گفتگو کے لیے حضرت عمرؓ کا انتخاب کیا۔ لیکن انہوں نے معذرت کر دی کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ بنو عدی بن کعب کا کوئی آدمی نہیں۔ جو مجھ کو اپنی حمایت میں لے۔ لہٰذا میرا جانا مناسب نہیں۔ بہتر ہے کہ حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا جائے کیونکہ ان کے قبیلہ بنو امیہ کے بہت سے صاحب اثر اور طاقت ور آدمی موجود ہیں۔

رسول کریم صلعم نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو سفیر کے طور پر ابوسفیان کے پاس بھیجا۔ وہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی حمایت میں مکہ گئے۔ تمام روساء سے ملاقات کی انہوں نے رسول کریم صلعم کا پیغام سن کر کہا کہ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کر لیں حضرت عثمانؓ نے کہا کہ "میں رسول کریم صلعم کے بغیر تنہا طواف نہ کر سکتا۔ یہ سن کر روسائ برہم ہوئے اور ان کو نظر بند کر لیا۔

حضرت عثمانؓ کے واپس آنے میں تاخیر ہوئی تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے ہیں اس خبر کے سنتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب تک عثمان کا بدلہ نہ لیں گے یہاں

سے نہ ہٹیں گے۔ آپ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی۔ تاریخ اسلام میں یہ بیعت، بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ سورہ فتح میں اس کا ذکر ہے صحابہ کی جان نثاری پر قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

یعنی خدا مومنوں سے راضی تھا جب کہ وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر بے بنیاد ہے اور حضرت عثمانؓ صحیح سلامت واپس آ گئے۔

صلح نامہ

کفار مکہ کے مآل اندیش اور فہمیدہ لوگ تو پہلے سے ہی لڑائی کو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن اب مفسد لوگ بھی مسلمانوں کی جنگ پر آمادگی دیکھ کر کچھ کچھ صلح و آشتی کی طرف مائل ہوئے۔

چنانچہ سب نے سہیل بن عمرو کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا وہ نہایت ہی فصیح و بلیغ مقرر تھا۔ قریش نے ان سے صاف صاف یہ کہہ دیا تھا صلح صرف اس شرط پر ہو کہ محمد (صلعم) اس سال واپس چلے جائیں۔ سہیل رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہوا اور طویل گفتگو کے بعد ذیل کی شرائط پر صلح ہو گئی۔

۱۔ اس سال مسلمان بغیر حج کئے واپس چلے جائیں۔

۲۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے واپس لوٹ جائیں۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں۔ وہ بھی نیام میں ہو۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵۔ مسلمانوں میں سے کوئی شخص مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن کوئی مسلمان مکہ آ جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

۷۔ اس معاہدہ کی مدت دس سال قرار پائی کہ اس عرصہ میں فریقین ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما نہیں ہوں گے۔

یہ معاہدہ حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عنوان پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو سہیل نے کہا ہم رحمٰن کو نہیں مانتے۔ ہم عرب کے قدیم دستور کے مطابق باسمک اللھم لکھیں گے۔

آپؐ نے فرمایا اچھا ایسا ہی لکھ دو۔ جب حضرت علیؓ نے یہ فقرہ لکھا "یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ نے تسلیم کیا۔ سہیل نے اعتراض کیا اور کہا اگر ہم محمد کو رسول اللہ تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا اب محمد بن عبد اللہ لکھا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گو تم تکذیب کرتے ہو۔ لیکن خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں یہ کہہ کر آپؐ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ سہیل کی خواہش کے مطابق اس لفظ کو کاٹ دو۔ حضرت علیؓ نے کہا مجھ سے یہ نہیں

ہو سکے گا کہ میں لفظ "رسول اللہ" کو اپنے قلم سے کاٹوں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا مجھ کو بتاؤ میرا نام کہاں ہے حضرت علیؓ نے بتایا آپؐ نے رسول اللہ کا لفظ کاٹ دیا۔

ابوجندل کا واقعہ

معاہدہ کی شرائط مسلمانوں کو سخت ناگوار تھیں مگر ادب کی وجہ سے خاموش تھے۔ اتفاق سے ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ خود سہیل کا لڑکا ابوجندل مکہ میں اسلام قبول کر چکا تھا۔ وہ اس جرم کی پاداش میں پابند سلاسل کر دیا گیا تھا چنانچہ وہ قید سے بھاگ کر رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنی حالتِ زار دکھائی۔ آپؐ نے چاہا کہ ابوجندل کو معاہدہ سے مستثنیٰ کر دیا جائے مگر سہیل نے ایک نہ مانی۔ آخر کار آپؐ کو مجبوراً ماننا پڑا کہ ابوجندل واپس چلا جائے ابوجندل نے اپنے جسم سے مار کے زخم دکھائے اور کہا۔ برادران اسلام! کیا پھر مجھ کو کفار کے ہاتھ میں دیکھنا چاہتے ہو۔ تمام مسلمان تڑپ اٹھے۔ آخر حضرت عمرؓ نہ رہ سکے۔ بارگاہِ نبوی میں آئے اور کہا۔ یا رسول اللہ کیا آپ برحق نہیں ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پھر کہا کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں آپ نے فرمایا ضرور وہ مشرک ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا "میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ مجھے ہرگز ذلیل نہیں کرے گا حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔ حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور یہی گفتگو کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا وہ خدا کے نبی ہیں جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔

رسول کریم صلعم نے ابوجندل کی طرف دیکھا اور فرمایا "اے ابوجندل صبر اور ضبط سے کام لو۔ خدا تمہارے لئے اور کمزوروں کے لئے راہ نکالے گا" اب صلح ہو چکی ہے ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔

ابوجندل کو ایسی حالت میں واپس جانا پڑا۔

رسول کریم صلعم ۔ اور صحابہ کرام نے احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائے اور قربانیاں کیں۔

صلح کے بعد تین دن تک رسول کریم صلعم نے حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے روانہ ہوئے تو راستے میں سورہ فتح نازل ہوئی۔ جس میں اس معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا گیا ہے۔ رسول کریم صلعم نے حضرت عمرؓ کو بلایا اور فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا یعنی ہم نے تیرے لئے ایک کھلی فتح کی راہ کھول دی ہے

اہمیت

قرآن مجید میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔ اس لئے اس کی بہت اہمیت ہے۔

۱ ۔ جس صلح کو مسلمان اپنی توہین خیال کرتے تھے اللہ تعالےٰ نے اسی وقت سورۃ فتح نازل کر کے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا اور اس سے مسلمان مطمئن ہو گئے۔

۲ - اس معاہدہ کی رو سے جنگ وقتال کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ مسلمان کفار آپس میں ملنے جلنے لگے۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ آنے لگے۔ ملاقاتوں سے اسلام کی حقیقت سے آگاہ ہونے لگے۔ اس صلح سے لے کر فتح مکہ تک لوگ اتنے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے کہ اس سے قبل نہیں ہوتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص رضؓ اور حضرت خالد بن ولید رضؓ بھی اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے۔

۳ - قریش نے مسلمانوں کو اپنے مدمقابل ایک سیاسی جماعت تسلیم کر لیا جس سے دوسرے قبائل معاہدہ کر سکتے ہیں اور یہ بڑی اہم بات تھی کئی عرب قبائل ایسے تھے جو مسلمانوں سے مصالحت کے ساتھ رہنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ عہد نامہ کے بعد قبیلہ خزاعہ نے اس موقع پر معاہدہ کیا تھا اور رسولِ کریم صلعم کا حلیف بن گیا اور قبیلہ بنو بکر قریش کا حلیف بن گیا۔ اس معاہدہ کے بعد سب کی توجہ رسولِ کریم صلعم کی طرف پھیر دی۔ عرب مذہب کی پرواہ کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں لیکن جس وجود نے قائدین مکہ کو نیچا دکھایا تھا اس کے احترام کے سوا اب کوئی چارہ نہ تھا۔

۴ - یہ معاہدہ فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قبیلہ بنو بکر کی قبیلہ خزاعہ پر حملہ کے وقت معاونت کی اور ساتھ ہی معاہدہ کے توڑنے کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں کو اپنے حلیف کی مدد کے لئے مکہ پر حملہ کرنے کا قانونی جواز مل گیا۔ رسولِ کریم صلعم دس ہزار قدسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ رنگ میں داخل ہوئے۔

۵ - یہ معاہدہ مسلمانوں کی امن پسندی کا ایک واضح ثبوت تھا۔ جس کا اثر ہمسایہ قبائل پر اچھا پڑا۔

۶ - قریش سے صلح ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو دوسرے دشمنانِ اسلام سے نمٹنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ اس صلح کے تین ماہ بعد یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز خیبر فتح ہو گیا۔ اس کے بعد فدک وادی القریٰ تیما اور تبوک کی یہودی بستیاں اسلام کے زیرِ نگیں آ گئیں۔ اس طرح یہود کی تمام طاقت ختم ہو گئی اور مسلمان ان کی تخریبی کارروائیوں اور سازشوں سے محفوظ ہو گئے۔

۷ - جنگوں کا سلسلہ ختم ہو جانے کی وجہ سے رسول کریم صلعم کو اسلامی ریاست کے استحکام کا موقعہ مل گیا۔

۸ - صلح حدیبیہ کی رُو سے مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کرنے کا حق تسلیم کر لیا گیا۔ اس طرح قریش نے خود تسلیم کر لیا کہ مسلمان کوئی بے دین جماعت نہیں ہے بلکہ دینِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں اس سے عربوں کے دلوں سے مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات سرد پڑ گئے۔

۹ - رسولِ کریم صلعم کو ہمسایہ حکومتوں، روم، مصر، ایران، حبش، یمامہ، شام اور بصریٰ کے بادشاہوں کو دعوت

اسلام دینے کا موقعہ مل گیا۔

۱۰ ۔ پہلے مدینہ کی تجارت بہت محدود تھی اب مسلمان تاجروں کا کاروبار وسیع ہو گیا۔

۱۱ ۔ اس صلح سے قریش کو فوری طور پر اقتصادی فوائد حاصل ہوئے شام اور عراق سے تجارت کرنے لگے۔

۱۲ ۔ چند روز کے بعد ایک شخص عتبہ بن اُسید (ابو بصیر) بھاگ کر مدینہ آیا۔ قریش نے دو قاصد بھیجے کہ معاہدہ کی شرائط کے مطابق عتبہ کو واپس کیا جائے۔ آنحضرت صلعم نے عتبہ سے فرمایا کہ واپس جاؤ عتبہ نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ وہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں۔

آپؐ نے فرمایا ہم تم کو واپس کرنے پر مجبور ہیں۔ ہاں اللہ کوئی راہ نکال دے گا۔ عتبہ قاصدوں کے ہمراہ مکہ روانہ ہو گیا۔ جب مقام ذوالحلیفہ پہنچے تو عتبہ نے ایک قاصد کو قتل کر دیا ۔ دوسرا بھاگ کر مدینہ آیا۔ آپؐ سے شکایت کی۔ اتنے میں عتبہ بھی پہنچ گیا اور عرض کی آپ نے معاہدہ کے مطابق مجھ کو واپس کر دیا آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ عتبہ مدینہ سے چلا گیا اور مقام عیص پر جو سمندر کے کنارے پر ہے۔ سکونت اختیار کر لی۔ اب مکہ کے ظلم رسیدہ مسلمان بھاگ بھاگ کر عیص پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک نوآبادی بن گئی۔ اب ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہوتے۔ اور مالِ غنیمت حاصل کر کے گزارا کرتے۔

۱۴ ۔ اس معاہدہ کے بعد مختلف غزوات پیش آئے جن میں مسلمانوں کو زبردست کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

۱۵ ۔ قریش کا مصالحت کی گفتگو پر اُترنا اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ قریش مسلمانوں کو اپنا ہم پایہ اور ہم پلہ قرار دینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

سلاطین کو دعوتِ اسلام (محرم ۷ھ)

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح قومی مذہب نہیں بلکہ ایک عالمگیر مذہب ہے جونہی یہود کی طاقت پاش پاش ہو گئی اور حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آ گیا کہ اتمام حجت کے لئے اسلام کا پیغام تمام دنیا تک پہنچا دیا جائے سب سے پہلے یہ کام سرانجام دیا ایک دن رسول کریم صلعم نے تمام صحابہ کو اکٹھا کیا اور خطبہ دیا "اے لوگو! خدا نے مجھے تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو حوارین عیسیٰ کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔

اس کے بعد آپؐ نے قیصر روم، کسریٰ، عزیز مصر، نجاشی اور روسائے عرب کے نام خطوط ارسال کئے۔

۱- قیصر روم کے نام خط

ہرقل نے ایرانیوں کو شکست دے کر تمام مفتوحہ علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ اس کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ وحیہ کلبی نے رسول کریم صلعم کا پیغام مبارک بصریٰ میں حارث غسانی کو لاکر دیا۔ اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔ قیصر کو جب خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص بلاؤ۔ اتفاق کی بات ہے ابوسفیان تجارت کے سلسلے میں غزہ میں مقیم تھا۔ اس کو قیصر کے پاس لے جایا گیا۔ قیصر نے کھلے دربار میں ابوسفیان سے رسول کریم صلعم کے ذاتی، نسبی حالات اور تعلیم کے متعلق دریافت کیا۔ ابوسفیان نے راست گوئی سے کام لیا۔ قیصر ان جوابات سے بہت متاثر ہوا اور کہا سچا نبی اچھے کردار کا مالک ہوتا ہے اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور ہمیشہ نماز تقویٰ پرہیزگاری اور پاک دامنی کی تعلیم دیتا ہے۔

میں سمجھتا تھا کہ ایک رسول آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ ابوسفیان اگر تم نے سچ سچ جواب دیئے ہیں تو وہ ایک روز میری قدم گاہ پر قابض ہوگا۔ کاش میں ان کی خدمت اقدس میں پہنچ سکتا اور خود ان کے پاؤں دھوتا۔

اس کے بعد پڑھ کر سنایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے۔ اس پر سلامتی ہو۔ جو ہدایت کا پیروکار ہو۔ اس کے بعد تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لا تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دہرا اجر دے گا۔ اگر تو ایمان نہ لایا تو اہل ملک کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔

اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا نہ بنائے اگر تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

ہرقل اس نامہ مبارک اور ابوسفیان کے جوابات سے بہت متاثر ہوا تھا۔ اس نے امراء اور درباریوں کو بلا کر سمجھانے کی کوشش کی کہ اس دین متین کو مان لینے میں ہماری فلاح ہے۔ جب ان لوگوں کو سخت متنفر پایا تو کہہ دیا کہ میں نے تمہیں آزمانے کے لئے ایسا کیا ہے اور کفر کی حالت میں مرا۔

۲- کسریٰ ایران کے نام خط

کسریٰ کے نام جو نامہ مبارک حضرت عبداللہ بن حذافہ لے کر گئے تھے یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم کرنے والا اور بار بار رحم کرنیوالا ہے)

محمد پیغمبر کی طرف سے کسریٰ کے نام سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیروکار ہو۔ جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور یہی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور خدا نے مجھ کو تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خوف دلائے تو اسلام قبول کر تو سلامت رہے گا۔ ورنہ مجوسیوں کا گناہ تیری گردن پر ہوگا۔

کسریٰ بڑی سپاہ وجلال کا بادشاہ تھا وہ تکبّر اور نخوت کی وجہ سے یہ برداشت نہ کر سکا کہ اس کے نام کے اوپر بھی دنیا میں کسی دوسرے کا نام ہو اور بولا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ پھر نامہ مبارک کو چاک چاک کر دیا اور ساتھ گورنر یمن کو جس کا نام باذان تھا یہ حکم دیا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ وہ مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے پاس لائے۔ گورنر نے دو شخصوں کو مدینہ بھیجا۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ کسریٰ نے تم کو بلایا ہے۔ آپ نے فرمایا کل میرے پاس آؤ۔ جب وہ دوسرے دن آئے تو آپؐ نے فرمایا فلاں مہینے کی فلاں رات کو میرے خدا نے آپ کے خدا کو قتل کر دیا ہے اور اسکے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا ہے۔ آپ نے کہا واپس جاؤ اور اپنے بادشاہ کو کہہ دو کہ میرا دین اور حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچ جائے گا۔

جب دونوں یمن آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ باذان مسلمان ہوگیا اس کے بعد جلد ہی کسریٰ کی ساری سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

۳۔ شاہ حبشہ کے نام خط حبش کے بادشاہ کا لقب نجاشی تھا۔ یہ پہلے ہی دعوتِ اسلام سے متعارف تھا کیونکہ سب سے پہلی ہجرت اسی ملک کی طرف مسلمانوں نے کی تھی اور بادشاہ نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا تھا اور حضرت جعفر طیارؓ نے نہایت ہی اختصار کے ساتھ تقریر میں اسلام کی تعلیم بیان کر دی۔ رسولِ کریم صلعم نے حضرت عمرو بن اُمیہؓ کو نجاشی کی طرف نامہ مبارک دے کر بھیجا تھا جس کا مضمون حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط پیغمبر خدا کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہ حبش کے نام ہے تجھے سلامتی ہو میں پہلے خدا کی تعریف کرتا ہوں جو مالک قدوس وسلام مومن اور مہیمن ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی مخلوق ہے اس کا حکم ہے جو مریم۔ پاک باز، پاک دامن کی طرف بھیجا گیا اور عیسیٰ کا حمل ٹھہر گیا خدا نے عیسیٰ کو روح اور نفخ سے اسی طرح پیدا کیا جیسا کہ آدم کو اپنے ہاتھ اور نفخ سے پیدا کیا میں اللہ تعالےٰ کی طرف بلاتا ہوں جو واحدہٗ لاشریک ہے اور ہمیشہ اس کی فرمانبرداری پر قائم رہو اور میری پیروی کرو اور میری تعلیم کو صدق دل سے مان لو کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں میں نے آپ کے

ملک میں اپنے چچیرے برادر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا۔ انہیں باآرام ٹھہرانا تم تکبر کو چھوڑ دو کیونکہ میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاتا ہوں۔ میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا ہے اور نصیحت کر دی ہے کہ تم میری نصیحت کو قبول کرو۔ سلام اس پر جو راہِ ہدایت پر چلتا ہے۔" اس خط کے پہنچنے پر نجاشی نے حضرت جعفر کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی۔ نجاشی نے اس مضمون کا عریضہ رسول کریم کی خدمت میں بھیجا۔

"اللہ کے نام پر جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ اللہ کے رسول محمدؐ کی خدمت میں نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سے جناب کا فرمان پہنچا۔ عیسےٰ کے متعلق آپ نے جو تحریر فرمایا ہے خدا کی قسم وہ اس سے ذرہ بھی بڑھ کر نہیں آپ کے چچا زاد بھائی میرے پاس آرام سے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ میں نے آپ کے چچا زاد بھائی کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے جناب کی خدمت میں اپنا فرزند روانہ کر رہا ہوں اگر آپ کی منشا ہو تو میں خود بھی حاضر ہو جاؤں۔"

ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ آدمیوں کے ساتھ رسول کریم صلعم کی خدمت میں روانہ کیا۔ لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا۔

۴۔ شاہ مصر کے نام خط

شاہ مصر کا لقب مقوقس تھا۔ اس کی طرف حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نامہ مبارک لے کر گئے جس کا مضمون یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے مقوقس امیر قبط کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اما بعد میں تجھ کو دعوتِ اسلام کی طرف بلاتا ہوں تو اسلام قبول کر سلامت رہے گا۔ تجھ کو اللہ تعالےٰ دوہرا اجر دے گا۔ اگر تو نے نہ مانا تو تجھ پر قبطیوں کا گناہ بھی لازم آئے گا۔ اہلِ کتاب ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے اگر وہ نہ مانیں تم گواہ رہو کہ ہم اطاعت کرنے والے ہیں۔

اصلی خط فرانسیسی سیاح کو اخمیم کے گرجا میں ۱۸۵۸ء میں ملا ہے۔ اب اصل خط قسطنطنیہ میں محفوظ ہے اور بڑے بڑے عیسائی محققین نے اسے اصل قرار دیا ہے منجملہ ان کے ڈاکٹر بجر ہے خط کے آخر پر ایک مہر ثبت ہے جس کا نقش محمدؐ رسول اللہ ہے اس مہر نقش اور اس کی دوسری تفصیلات کے متعلق تمام معتبر احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے۔

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر آپ کے قاصد اور خط کی بڑی تکریم کی۔ آپ کے سفیر حضرت حاطب کے ہاتھ بہت سے تحفے بھیجے جن میں تین کنیزیں ایک غلام اور ایک سفید خچر دلدل اور کپڑا وغیرہ تھا جن

میں ماریہ قبطیہ حرم نبوی میں داخل ہوئیں دوسری کنیزیں حضرت حسان بن ثابت رض کی زوجیت میں آئیں۔ یہ کنیزیں مدینہ پہنچنے سے پہلے بطیب خاطر دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔

۱۔ عمائدین عرب کے نام خط

یمامہ کے حاکم ہوذہ بن علی الحنفی کے نام مبارک نامہ حضرت سلیط بن عمرو رض عامری لے کر گئے تھے۔ ہوذہ نے رسول کریم کو جواب لکھا کہ اگر حکومت کا نصف حصہ مجھے دے دیا جائے تو میں اسلام قبول کرنے کو تیار ہوں۔ رسول کریم صلعم نے اس کے اس طمع پر لعنت کی۔ ایک سال کے بعد فوت ہو گیا۔

۲۔ حاکم بحرین کے نام خط

رسول کریم نے علاء بن الحضرمی کو منذر بن ساوی حاکم بحرین کے پاس نامہ مبارک دے کر بھیجا جو پڑھ کر ایمان لے آیا۔ اس کے ساتھ ہی رعایا کا معتدبہ حصہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

۳۔ والیان عمان کے نام خط

عمان پر دو بھائی جیفر اور عبد حکمران تھے۔ ان کے پاس حضرت عمرو بن العاص رسول کریم صلعم کا نامہ مبارک لے کر گیا دونوں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

۴۔ رئیس غسان کے نام خط

حارث بن ابی شمر غسان کا حاکم اور شام کا گورنر تھا۔ حضرت شجاع بن وہب نامہ مبارک لے کر گئے۔ خط پڑھ کر بہت بگڑا اور کہا میں خود مدینہ پر حملہ کروں گا۔ بالآخر سفیر کو عزت کے ساتھ رخصت کیا لیکن اسلام قبول نہ کیا۔

۵۔ امیر یمن کے نام خط

رئیس یمن حارث حمیری کے پاس مہاجرین بن امیہ مخزومی نامہ مبارک لے کر گئے۔ خط پڑھ کر بہت بگڑا اور بدتمیزی کا خط

۶۔ بلقا کے رئیس کے نام خط

بلقا کے رئیس شرحبیل بن عمرو نے مسلمانوں کے سفیر حارث عمیر کو قتل کر دیا یہی وہ مذموم حرکت تھی جس کے نتیجہ میں رسول شام پر لڑائیوں کا سلسلہ شروع رکھا۔

غزوہ خیبر

۷ھ ۶۲۹ء

خیبر مدینہ منورہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں یہود کے نہایت مضبوط قلعے جن میں سے بعض کے آثار اب تک باقی ہیں۔

خیبر یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بنو نضیر مدینہ سے جلا وطنی کے بعد آ کر آباد ہوئے تھے کے دل اسلام کی عداوت میں جل رہے تھے تو انہوں نے تمام قبائل عرب اور قریش مکہ کو مدینہ پر حملہ آور

کے لئے برانگیختہ کیا۔جس کے نتیجہ میں معرکہ احزاب ہوا تھا۔

حی بن اخطب کے قتل کے بعد ابورافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا۔قبیلہ غطفان کی آبادی خیبر سے متصل تھی۔اور وہ خیبر کے حلیف اور ہم عہد تھے۔سلام نے قبیلہ غطفان اور آس پاس کے قبائل کو اسلام کے خلاف اکسایا۔ایک لشکر جرار اکٹھا کر کے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ایک انصاری عبداللہ بن عتیک رض نے خیبر جا کر رسول کریم صلعم کی اجازت سے سلام کو قتل کر دیا۔سلام کے بعد اسیر بن زرام نے عنان ریاست اپنے ہاتھ میں لی اور غطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کر کے ایک عظیم الشان فوج جمع کی۔رسول کریم صلعم کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ نے عبداللہ بن رواحہ کو تیس آدمیوں کے ہمراہ تحقیق کے لئے بھیجا۔انہوں نے چھپ کر اُسیر کی زبانی تمام تدابیر سنیں اور واپس آکر رسول کریم صلعم کو گوش گزار کیں۔آپ نے دوبارہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو تیس آدمیوں کے ساتھ خیبر روانہ کیا۔وہ اسیر سے ملے اور کہا کہ مجھ کو رسول کریم صلعم نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ اگر تم مدینہ آجاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دے دی جائے گی۔چنانچہ وہ بھی تیس آدمیوں کو لے کر خیبر سے نکلا۔قرقرہ پہنچ کر اُسیر نے عبداللہ کو قتل کرنا چاہا۔عبداللہ نے اسیر کا خاتمہ کر دیا۔اب مسلمان یہودیوں پر ٹوٹ پڑے اور ایک کے سوا سب کا خاتمہ کر دیا۔یہ شعبان سنہ ۶ھ کا واقعہ ہے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی یہودیوں کو برانگیختہ کیا اور کہا کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں اب لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اس وجہ سے حملہ کرنے کی ہمت نہ ہارنا۔

سلام بن ابی الحقیق کے بھتیجے کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق نے زمام امارت ہاتھ میں لے لی۔قبیلہ غطفان کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا اور انہوں نے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے عبدالرحمٰن بن عتبہ کی سرداری میں ذی قرد کی چراگاہ پر چھاپہ مارا۔اور حضرت ابوذر رض کے صاحبزادے کو قتل کر دیا۔بیس اونٹنیاں اور ان کی بیوی کو پکڑ کر لے گئے لیکن مسلمانوں کی بروقت مدد سے اونٹنیوں اور حضرت ابوذر کی بہو کو چھڑا لیا۔اس واقعہ کے تین دن بعد معرکہ خیبر ہوا۔

خیبر پر حملہ کی تیاری

رسول کریم صلعم نے غطفان اور یہود کے حملوں کی مدافعت کے لئے محرم سنہ ۷ھ ایک لشکر اکٹھا کیا۔جس کی تعداد سولہ سو تھی۔جن میں دو سو سوار اور باقی پیدل تھے۔آپ نے تین علم تیار کرائے۔جو حضرت خباب بن منذر رض اور حضرت سعد بن عبادہ رض اور حضرت علی رض کو دیئے۔

رسول کریم صلعم نے خیبر اور بنی غطفان کے درمیان مقام رجیع میں فوجیں اتاریں۔بنو غطفان کو یہ خوف لاحق ہوا کہ مسلمان ہماری بستیوں پر حملہ آور ہوں گے۔اس لئے وہ اپنے گھروں میں ہی مدافعت کے لئے موجود رہے اور خیبر کے یہودیوں کی اعانت کے لئے نہ نکلے۔

رسولِ کریم صلعم نے آگے بڑھ کر سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح کیا۔ پھر چھوٹے چھوٹے قلعے بھی فتح کیے۔ سب سے سخت مقابلہ قلعہ قموص کی فتح میں ہوا۔ یہ قلعہ مرحب اور ابن ابی الحقیق کا مسکن تھا۔ قلعہ کے فتح کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھیجا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ حضرت علیؓ کو بھیجا۔ حضرت علیؓ نے مرحب اور عنتر سے جنگ کر کے انہیں قتل کیا۔ یہ قلعہ بیس دن کے کے بعد فتح ہوا۔ اس جنگ میں پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ۹۳ یہودی مارے گئے۔ اس قلعہ میں صفیہ بنت حی اخطب اور دوسرے بہت سے قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ صفیہ حضرت دحیہ کے حصہ میں آئی۔ لوگوں نے آنحضرت سے کہا اتنے بڑے رئیس کی لڑکی آپ ہی کے شایانِ شان ہے اس لئے آنحضرت نے صفیہ کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا۔

یہودیوں کی درخواست پر خیبر کی اراضیات انہیں واپس کر دی گئیں اور کل پیداوار کا نصف حصہ خراج کے طور پر وصول کیا جاتا تھا۔

۱ - خیبر کی فتح سے شام کی طرف ناگہانی حملے کا خطرہ ٹل گیا۔

۲ - یہود کی طاقت بالکل ختم ہو گئی اور اس معرکہ کے بعد مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کی ہمت نہ رہی۔

۳ - خراج کی آمد کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہو گئی اور فتح مکہ پر چڑھائی کے وقت دس ہزار لشکر کے تمام اخراجات خیبر کی آمدنی سے پورے کئے گئے تھے۔

۴ - اس جنگ میں یہودی مسلمانوں کے اخلاق عالیہ سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

خیبر فتح ہونے کے بعد یہودیوں کی مخفی شرارتیں جاری رہیں۔ سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے رسولِ کریم صلعم کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ نے بہت کم نوش فرمایا تھا اس لئے زہر کا اثر نہ ہوا۔ لیکن ایک دوسرے صحابی بشر بن براءؓ ہلاک ہو گئے اس لئے آپ نے ان کے قصاص میں زینب کو قتل کرا دیا۔

غزوہ خیبر کے سلسلہ میں متعدد نئے احکام جاری ہوئے۔ درندے جانور، پنجہ والے پرندے اور گدھے حرام قرار دیئے گئے۔ چاندی سونے کا تبادلہ بہ تفاضل حرام قرار دیا گیا۔

وادی القریٰ

خیبر کے بعد مسلمان وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ اہل وادی القریٰ نے معمولی مقابلہ کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور خیبر کی شرائط پر صلح کر لی۔

ادائے عمرہ

معاہدہ حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ آکر عمرہ ادا کریں اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں۔ اس شرط کے مطابق آپ نے ۷ھ کو اعلان کر دیا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ میں شریک تھے وہ سب بیت اللہ کی زیارت کے لئے

...ں جو صحابہ خیبر میں شہید ہو گئے یا وفات پا گئے تھے ان کے علاوہ تمام نے یہ سعادت ...ل کی۔

جب مسلمان مکہ میں داخل ہو گئے تو کفار مکہ تین دن کے لئے شہر خالی کر کے پہاڑوں پر ... گئے۔ رسول کریم صلعم تین دن قیام کے بعد عمرہ پورا کر کے واپس تشریف لائے حج میں "رمل" ...سنت اس عمرہ میں جاری ہوئی۔

معرکہ موتہ

جمادی الاول ۸ھ ~~ستمبر ۶۲۹ء~~

رسول کریم صلعم نے شاہ بصریٰ شرجیل بن عمرو غسانی کے نام ایک تبلیغی نامہ مبارک حضرت حارث ...عمیر کے ہاتھ بھیجا۔ بصریٰ بیت المقدس کے قریب شام کا ایک مشہور تجارتی شہر تھا۔ شرجیل رومی ...سلطنت کی طرف سے گورنر تھا۔ اس نے سفیر کو نہایت ہی بے رحمی سے بلا وجہ قتل کر دیا۔ جب مدینہ میں ...کی خبر پہنچی تو مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ آنحضرت صلعم نے قصاص کے لئے مہم بھیجی۔ اگر آپ اس مہم کی ...گی میں ذرا بھی تامل کرتے تو مدینہ پر حملہ ہونا ضروری تھا۔ رسول کریم صلعم نے حکم دیا کہ مسلمان اپنے اپنے ...تیار لے کر موضع حرق میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ تین ہزار مجاہدین موضع حرق میں جمع ہو گئے۔ آپ نے اس ...کر کی قیادت حضرت زید بن حارث کو دی۔ آپ نے فرمایا اگر زید بن حارث شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی ...لب کو امیر بنا لینا۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر بنا لینا اگر وہ شہید ہو جائیں تو پھر ...سلمان جس کو مناسب سمجھیں امیر بنا لیں۔

ثنیتہ الوداع تک رسول کریم صلعم خود فوج کے ساتھ گئے اور اسلامی لشکر کو میدان جنگ کی طرف ...وداع کرتے ہوئے اصول جنگ کے متعلق چند ہدایات فرمائیں کیونکہ تمام مہمات کی غرض وغایت تبلیغ ...اسلام تھی۔ ارشاد ہوا کہ پہلے ان کو دعوت اسلام دی جائے۔ اگر وہ سلام قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت ...نہیں۔ اگر ... جنگ پر آمادہ ہوں تو حسب ذیل وصیت پر کاربند رہیں۔

۱۔ راہبوں سے کوئی تعرض نہ کرنا۔ ۲۔ کسی عورت پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھانا ۳ کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔

۴۔ کسی بوڑھے کو نہ مارنا ۵۔ پھل دار و سرسبز درختوں کو نہ کاٹنا ۶۔ کوئی مکان منہدم نہ کرنا۔

اس کے بعد فرمایا اظہار تعزیت کے لئے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر کو شہید کیا گیا ہے

جب اسلامی فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تھی تو شامی جاسوسوں نے شرجیل کو اطلاع دے دی۔

...اتفاق سے ہرقل قیصر روم بھی شام میں موجود تھا۔ اس کی مدد سے شرجیل نے ایک لاکھ فوج جمع کی۔

جب حضرت زید کو ان حالات کا علم ہوا تو چاہا کہ ان حالات سے رسول کریم صلعم کو اطلاع ...دی جائے اور کمک اور امداد کا انتظار کیا جائے لیکن عبداللہ بن رواحہ نے ایمان پرور تقریر کی اور کہا

ہمارا مقصد فتح مندی نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں شہادت پانا ہے جو ہر صورت میں ممکن ہے۔

اسلامی لشکر موتہ کے میدان کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف سے دشمن کا جرار لشکر میدان موتہ کی طرف آ گیا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ حضرت زید بن ثابت شہادت کے شوق میں کفار کے لشکر جرار کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ وہ ان کے تیروں کی آماجگاہ بن گئے۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت جعفر طیار رض نے علم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ گھوڑے سے اتر کر پہلے اس کی کونچیں کاٹیں۔ پھر موت سے کھیلتے ہوئے دشمن کی صفوں کے دل میں گھس گئے۔ چاروں طرف تیغ و سنان پڑنے لگے۔ ان کا دایاں ہاتھ جس میں علم سنبھالا ہوا تھا۔ کٹ کر الگ ہو گیا مگر انہوں نے علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور شوقِ شہادت کے نشے میں مخمور ہو کر لڑتے رہے یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو گردن سے علم لگا کر سینے سے سنبھالے رکھا۔ اسی حالت میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رض نے آگے بڑھ کر اسلامی جھنڈا تھام لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد فوج نے حضرت خالد بن ولید کو اپنا قائد منتخب کر لیا۔ وہ شام تک نہایت بہادری سے لڑتے رہے اور اس خوبی سے دشمن فوج پر حملے کئے کہ ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور میدان جنگ کو چھوڑ کر چل دیئے۔ مسلمانوں نے تھوڑی دور تک تعاقب کیا اور کچھ مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اس جنگ میں کل بارہ صحابی شہید ہوئے۔ کفار کے مقتولوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔

اسلامی لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو رسول کریم صلعم مدینہ سے نکل کر دُور تک استقبال کرنے کے لئے چلے گئے۔ حضرت خالد بن ولید رض کو سیف اللہ کا خطاب دیا۔

نتائج و اہمیت

۱۔ جنگ موتہ سے رومی سلطنت کو پہلی بار یہ علم ہوا کہ مسلمان بھی ایک ایسی قوت کے مالک ہیں جو بڑی بڑی سلطنتوں کی جارحیت کا جواب دے سکتے ہیں۔

۲۔ موتہ کی فتح سے مسلمانوں کے جذبہ ایمانی میں اضافہ ہو گیا۔

۳۔ مدینہ اور شام کے درمیانی علاقوں میں مختلف قبائل ہمت ہار گئے اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں کو ترک کر دیا۔

۴۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں کی طاقت میں بہت اضافہ ہو گیا۔

۵۔ جنگ موتہ، غزوہ بدر کی طرح تاریخ میں ایک روشن باب کا اضافہ ہے۔ جسے "بین الاقوامی جنگ بدر" کے نام سے تعبیر کرنا بے جا نہ ہوگا۔

فتح مکّہ

رمضان سنہ ۸ھ جنوری سنہ ۶۳۰ عیسوی

مکّہ پر چڑھائی کے اسباب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا سب سے اہم مقصد خانۂ کعبہ کو بتوں کی آلائش سے پاک کرنا تھا لیکن قریش کی دشمنی نے اب تک اس کا موقع نہ دیا تھا۔ مزید برآں اسلام کی بیخ کنی کے لئے مدینہ پر حملے بھی کئے۔ ان جنگوں کا ایک سیاسی فائدہ یہ ہوا کہ کم از کم عارضی طور پر قوت میں توازن پیدا ہو گیا۔ چونکہ اہل مکّہ بدر اور خندق میں ذلت آمیز شکست کھا چکے تھے اور اسی طرح حکومت مدینہ ان کی شامی تجارت کے راستہ منقطع کر رہے تھے، ان کے قافلوں پر ترک تازیں ہو رہی تھیں اس وجہ سے دونوں فریق صلح کے خواہاں تھے۔ لیکن رسول کریم صلعم کا مکّہ عمرہ کے لئے جانا اور کفار کا عمرہ نہ کرنے دینا فوری طور پر معاہدہ حدیبیہ کا سبب بنا۔ اس معاہدہ کی رو سے بنو خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے حلیف بن گئے اور بنو بکر قریش کے دونوں قبیلوں کے درمیان پشتینی عداوت چلی آ رہی تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد بظاہر عداوت کی آگ ٹھنڈی ہو گئی لیکن معاہدہ پر ابھی دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ بنو بکر نے رات کے وقت بنو خزاعہ پر حملہ کیا۔ قریش مکّہ نے بنو بکر کو اسلحہ وغیرہ سے مدد دی مگر صفوان بن اُمیہ اور سہیل بن عمرو نے راتوں کو بھیس بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلواریں چلائیں۔ بنو خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ لیکن ان ظالموں نے حرم کا بھی..... احترام نہ کیا۔ وہاں بھی انسانوں کا خون بہا دیا گیا۔

قبیلہ بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم چالیس ناقہ سواروں کی جمعیت میں مدینہ پہنچا۔ رسولِ کریم صلعم مسجد میں صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے قریش مکّہ کی بدعہدی اور مظالم کی شکایت ایک نہایت پُر درد نظم میں بیان کی۔

آپؐ نے ان کی درد بھری فریاد سنی اور تسلّی دی اور کہا ہم تمہاری امداد کریں گے۔ آپؐ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرائط پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے۔

١ - مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

٢ - قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

٣ - اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

قرطہ بن عمرو نے قریش کی زبان سے کہا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے" قاصد چلے جانے کے بعد قریش کو اپنی عاقبت نااندیشی پر ندامت ہوئی کیونکہ ان کو مستقبل کی تاریکیوں میں خطرات کے سیلاب امڈتے نظر آرہے تھے۔ انہوں نے ابوسفیان کو فوراً مدینہ بھیجا کہ وہ معاہدہ تجدید کرا آئے۔

ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اس نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے درخواست کی کہ معاہدہ کی تجدید کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سفارش کریں مگر کسی نے حامی نہ بھری۔ آخرکار بے نیلِ مرام واپس آیا۔

رسول اللہ کی مکہ پر چڑھائی کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اتحادی قبائل کی طرف پیغام بھیجے کہ تیار ہو جائیں۔ پوری احتیاط برتی گئی کہ قریش کو تیاری کی خبر نہ ہونے پاتے۔

ایک بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہؓ نے قریش کو مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دینے کے لئے ایک خط سارہ کنیز کے ہاتھ روانہ کیا۔ رسول اللہ کو اطلاع ہو گئی۔ آپؐ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت ابومرثد غنویؓ کو روانہ کیا کہ فلاں عورت قریش کے نام ایک خط لے جا رہی ہے۔ اس سے خط چھین لاؤ۔ انہوں نے روضہ خاخ میں پہنچ کر اس کو گرفتار کیا۔ اس کی تلاشی لی تو خط کا پتہ نہ چلا۔ حضرت علیؓ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول کریم صلعم کی خبر غلط ہو۔ چنانچہ انہوں نے ڈرایا اور دھمکایا تو اس نے اپنے جوڑے سے خط کو نکال کر دیا۔ قاصد خط اور عورت کو گرفتار کر کے رسول کریم صلعم کی خدمت میں لے آئے۔ تمام صحابہ کو حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بے تاب تھے۔ رسول کریم صلعم سے عرض کی کہ "حکم ہو کہ تو اس کی گردن اڑا دوں"۔ رسول کریم صلعم نے حضرت حاطبؓ سے وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے مکہ میں اعزہ و اقارب ہیں۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اہلِ مکہ پر احسان کے طور پر حملہ کی اطلاع دے دوں۔ اگر یہ معاملہ کسی دنیاوی بادشاہ کے سامنے آتا تو ملزم کی گردن زدنی کا فوراً حکم دے دیا جاتا۔ چونکہ یہ چڑھائی انتقامی نہ تھی بلکہ عفو کے لئے تھی پھر اپنے رفقا کی خطاؤں سے عفو کیوں نہ کیا جاتا۔ چنانچہ اس عفو کے سمندر میں کوئی غصہ کی لہر آئے بغیر حاطب کے عذر کو قبول فرما کر معاف کر دیا۔

مکہ کی طرف روانگی

۱۰ رمضان ۸ھ (یکم جنوری ۶۳۰ء) میں آپؐ دس ہزار قدسیوں کے جلو میں مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اور نہایت تیز رفتاری سے منزلیں طے کرتے جا رہے تھے۔ مقام جحفہ میں پہنچے کہ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ مع اہل و عیال مسلمان ہو کر مدینہ کی طرف آتے ہوئے ملے۔ آپؐ نے ان کے اہل و عیال کو تو مدینہ منورہ بھیج دیا اور حضرت عباسؓ کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ مرالظہران جو مکہ سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور مختلف دستے دور دور تک پھیل گئے۔ رات کو آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ ہر مسلمان مجاہد پڑاؤ پر آگ روشن کرے۔ چرواہوں کے ذریعے قریش کو خبر پہنچی کہ وادی مرالظہران میں ایک لشکر عظیم خیمہ زن ہے۔ قریش نے یہ خبر سن کر ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ خیمہ نبوی کے محافظ

دستہ نے ابوسفیان کو دیکھ لیا اور گرفتار کرکے بارگاہ نبوی میں لے آئے۔ تمام مسلمان ابوسفیان کے خون کے پیاسے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ کفر کے استیصال کا وقت آگیا ہے۔ حکم دیجئے کہ اس دشمن خدا کی گردن اڑا دوں۔ لیکن حضرت عباسؓ نے جان بخشی کی درخواست کی جسے رسول کریم صلعم نے قبول فرمالیا۔

اس حسن سلوک کا ابوسفیان پر اتنا اثر ہوا کہ صبح رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر دولت ایمان سے مالا مال ہوگیا۔

ابوسفیان کی عزت افزائی

حضرت عباسؓ نے رسول کریم صلعم سے کہا "یا رسول اللہ! ابوسفیان کو اس موقع پر خاص عزت بخشیں"۔ آپؐ نے فرمایا "اچھا جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے گا۔ اس کو امان دی جائے گی جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا۔ اس کو بھی امان دی جائے گی۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا وہ بھی امان میں رہے گا۔ جو شخص بغیر ہتھیار لگائے راہ میں ملے گا اس کو بھی امان دی جائے گی۔

اسی وقت قدوسیوں کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مختلف دستوں کے قائد مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہوئے۔ حضرت زبیر بن العوامؓ شمال سے حضرت خالد بن ولیدؓ جنوب سے مہاجر فوج کے قائد حضرت ابوعبیدہ بن جراح جبل ہند سے رسول کریم صلعم خود اور انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ مغرب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ تمام دستے بغیر کسی مزاحمت کے شہر میں داخل ہو گئے۔ البتہ عکرمہ اور صفوان بن اُمیہ نے چند نوجوانوں کے ساتھ حضرت خالد بن ولید کے دستہ کا مقابلہ کیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے جوابی حملہ کیا۔ اس جھڑپ میں تین مسلمان شہید ہوئے اور اٹھارہ کفار کے آدمی قتل ہوئے۔ رسول کریم صلعم نے تلواروں کی چمک دیکھی تو حضرت خالد بن ولید سے باز پرس کی۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ قتال کا آغاز دشمنوں کی طرف سے ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا قضا الٰہی یہی تھی۔

لوگوں نے رسول کریم صلعم سے دریافت کیا "حضور کسی کے گھر میں قیام فرمائیں گے یا اپنے قدیم مکان میں! چونکہ عقیل نے مکانات ابوسفیان کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہوئے تھے۔ اس بنا پر رسول کریم صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "عقیل نے گھر کہاں چھوڑا کہ میں اس میں اتروں" اس لئے مقام خیف میں ٹھہروں گا۔ جہاں قریش نے ہمارے خلاف کفر کی تائید میں باہم عہد و پیمان کیا تھا۔ تھوڑا سا استراحت کرنے کے بعد اپنی ناقہ قصوا پر سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف چلے گئے کسی جابر بادشاہ کی طرح نہیں کہ جب وہ اپنے دشمنوں پر قابو پا لیتا ہے۔ تو نشہ نخوت میں چور ہو کر اکڑتا ہوا اور سینہ تانتا ہوا چلتا ہے۔ بلکہ ابن ہشام کے قول کے مطابق "شرماتے بارگاہ خداوندی میں سر نیاز جھکائے اور بار بار اونٹنی کے کجاوے ہی پر سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے جا رہے تھے"۔ سواری پر ہی سات بار بیت اللہ کا طواف کیا۔ بیت اللہ کے اردگرد جتنے بت تھے ایک

ایک کو لکڑی کی ٹھوکر لگاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل بھاگ ہی جاتا ہے "

اس سے فارغ ہو کر عثمان بن ابی طلحہ کو طلب کیا اور ان کے خاندان میں مدت سے کعبہ کی کلید چلی آتی تھی ۔ کلید طلب کی ۔ دروازہ کھلوایا ۔ عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے ۔ جن کو قریش خدا مانتے تھے ۔ داخل ہونے سے قبل حکم دیا کہ سب کو نکلوا دیا جائے ۔ حضرت عمرؓ نے اندر جا کر سب تصاویر کو مٹا دیا ۔ جب بیت اللہ بتوں اور تصاویر سے پاک ہو گیا تو آپؐ حضرت بلالؓ اور حضرت طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی ۔ پھر کنجی عثمان کو واپس کر دی اور فرمایا کہ یہ ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس اور تمہاری نسل میں رہے گی ۔

اس کے بعد خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں توحید الٰہی اور نسل انسانی کی وحدت کو بیان کیا ہے وہ خطبہ یہ ہے ۔

" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اس کا کوئی شریک نہیں ۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا ۔ اس نے بندہ کی مدد کی ۔ تمام جتھوں کو تنہا شکست دی ۔ ہاں تمام مفاخر سارے انتقامات اور خون بہا میرے قدموں کے نیچے ہیں ۔ صرف بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کا شعبہ اس سے مستثنیٰ ہیں ۔

" اے قوم قریش اب جاہلیت کا تکبر اور نسب کا فخر اللہ تعالےٰ نے مٹا دیا ہے ۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں ۔ اور آدم مٹی سے ہے "

پھر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی ۔

" اے لوگو ! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیا کرو ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو ۔ خدا جاننے والا اور واقف کار ہے " اس کے بعد قریش کے ایک خاص مجمع سے خطاب کیا ۔ جن میں وہ بھی شقی القلب موجود تھے جن کی تیغ و سنان نے بےکس مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھائی تھی ۔ وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو دہکتے ہوئے انگاروں اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے ۔ وہ بھی کینہ پرور اور کور باطن تھے ۔ جنہوں نے سید البشرؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے ۔ سوشل بائیکاٹ کر کے شعب میں مصائب و آلام کی بھٹی میں جھونک دیا تھا وعظ و نصیحت کے وقت پتھر مار مار کر پنڈلیوں کو لہولہان کر دیا تھا جن کی زبانیں تمسخر اور گالیوں کے سوا کسی اور چیز سے آشنا نہ تھیں ۔ اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ غیظ و غضب کی آتش کو بجھانے کے لئے قتل کرنے کا منصوبہ بھی بنایا ۔ نصرت ایزدی سے بچ کر دوسری جگہ پناہ لینی چاہی تو ان ظالموں نے وہاں بھی تعاقب کیا ۔ بار بار حملہ آور ہو کر اسلام اور مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی یہ سب مجرم اسی سرزمین پر کھڑے تھے جو آپ کے خون کی پیاسی تھی ۔ اگر کوئی اور فاتح ہوتا تو عبرت کے طور پر بہتوں کی گردنیں سر سے الگ کر کر موت کی آغوش میں

ابدی نیند سلا دیتا۔ بہتوں سے جیل خانے بھر دیتا۔ لیکن قریش کے دل گواہی دیتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ سلوک نہیں کریں گے۔ جب آپؐ نے ان کے نادم اور شرمسار چہروں کی طرف دیکھا تو محبت بھرے لہجے میں پوچھا تم کو کچھ معلوم ہے۔ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں۔ وہ فوراً پکار اٹھے۔ "تو شریف بھائی ہے اور شریف بھائی کا بیٹا ہے"۔ آپ نے جواب سُن کر فرمایا "اچھا میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے مجرم بھائیوں کو کہا تھا" آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو"۔ اس رحمۃ للعالمین کے دل میں بنی نوع انسان کے لئے کتنی محبت ہے کہ مجرموں کو بھی ایک لفظ ملامت کا نہیں کہا اور ان سے یہ وعدہ بھی نہیں لیا کہ وہ آئندہ ایسی شرارتیں نہیں کریں گے۔ صرف یہی وسعت قلبی کا ثبوت نہیں دیا۔ کفار نے مہاجرین کی جن جائدادوں پر قبضہ کر لیا ہوا تھا ان کو بھی واپس نہیں مانگا۔ بلکہ مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ اپنی مملوکات سے دستبردار ہو جائیں۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ کفار رگ حمیت پھڑک اٹھی عتاب بن اسید نے کہا "خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو دنیا سے اٹھا لیا"۔ (اصابہ تذکرہ عتاب بن اسید)

آپؐ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور مسلمان ہونے والوں کی بیعت قبول کی۔

مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب:۔ مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ نصرت الٰہی — مسلمانوں کی فتح کا سبب اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی

۲۔ مسلمانوں کی تنظیمی برتری — مسلمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیر کمان ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکے تھے۔ وہ آنحضرت صلعم کے ہر حکم پر ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اس کے برعکس کفار کی صفوں میں انتشار اور افتراق تھا ۔۔۔ مسلمانوں کی اس تنظیمی برتری کی وجہ سے کفار نے شکست کھائی۔

۳۔ سردارانِ قریش کی موت — مختلف جنگوں میں کفار کے بڑے بڑے سردار قتل ہو چکے تھے ان کے قتل کی وجہ سے کفار میں بد دلی اور مایوسی پیدا ہو چکی تھی

۴۔ اعلیٰ سپہ سالاروں کا قبولِ اسلام — کفار کے اعلیٰ پایہ کے سپہ سالار دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جو مسلمانوں کی مضبوطی کا باعث بنے، خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۵۔ معاشی دباؤ — مدینہ کی حکومت نے شام اور عراق جانے والے تجارتی راستوں کی ناکہ بندی کر دی جس کی وجہ سے قریش کی اقتصادی حالت خراب ہو گئی

۶۔ اچانک حملہ

فتح مکہ کا فوری سبب لشکر اسلام کا اچانک حملہ ہے۔ اہل مکہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نہ تیاری کر سکے اور نہ حامی قبائل کو جمع کر سکے

فتح مکہ کے نتائج و اہمیت

۱۔ مکہ سے مدینہ کے خلاف مسلسل حملے ہو رہے تھے جب تک اس شہر پر قبضہ نہ کر لیا جاتا جنگوں کا یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہ آ سکتا تھا۔ چنانچہ جب آپ مکہ پر قابض ہو گئے تو اس کے بعد مکہ سے پھر مدینہ پر حملہ نہیں ہوا۔

۲۔ مکہ کو عرب میں مرکزیت حاصل تھی۔ خانہ کعبہ کی موجودگی میں تمام عرب اس شہر کو مقدس مرکز سمجھتے تھے یہود اور مشرکین اہل اسلام کو طعنے دیتے تھے کہ اگر تمہارا دین اتنا ہی سچا ہے تو تم کعبہ پر کیوں قابض نہیں ہو جاتے چنانچہ کعبہ پر قبضہ کے بعد یہودیوں اور مشرکین کو پھر یہ طعنے دینے کی نوبت نہ آئی۔

۳۔ بہت سے قبائل اسلام قبول کرنے سے اس لیئے رکے ہوئے تھے کہ وہ قریش کے حلیف تھے ان کے نزدیک اسلام لانا بمنزلہ عہد شکنی تھا۔ جب مکہ فتح ہو گیا۔ قریش کی طاقت ختم ہو گئی تو وہ قبائل جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔

۴۔ بہت سے قبائل کی رائے تھی کہ مکہ پہ وہی قابض ہو گا جس کے ساتھ تائید ایزدی ہو وہ اس بات کے منتظر تھے کہ آیا مسلمان مکہ پر قابض ہوتے یا کہ نہیں۔

۵۔ بہت سے قبائل قریش کے مقابلہ میں کمزور تھے۔ اسلام قبول کرنے سے اس وجہ سے رکے ہوئے تھے کہ وہ لوگ قریش کے غصہ کا مرکز بن جائیں گے۔

۶۔ فتح مکہ کے بعد جاہلی نظام کی عمارت پیوند خاک ہو گئی اور اسلام کے مذہبی اور سیاسی نظام کو تفوق حاصل ہو گیا۔

۷۔ فتح مکہ نے یہ عیاں کر دیا کہ رسول کریم صلعم کے سامنے کوئی بنیادی مقاصد نہیں تھے بلکہ صرف ایک ہی مقصد تھا کہ اللہ کی عبادت اور نیکی کو فروغ ہو۔

۸۔ بیت اللہ بتوں کی آلائش سے بالکل پاک ہو گیا۔

۹۔ فتح مکہ کے بعد سارا عرب متحد ہو گیا اور اسلام کی صداقت کی کرنیں دوسرے ملکوں کو منور کرنے لگیں البتہ شام اور ایران نے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ خود اس کی لہروں کی نذر ہو گئے۔ ان حملوں نے عربوں میں قوت اور اتحاد پیدا کر دیا اور وہ متحد ہو کر ان عظیم سلطنتوں سے ٹکرا گئے فتح مکہ کا ایک یہ نتیجہ نکلا کہ ملک میں یہودیوں کی اجارہ داری ختم ہو گئی اور انہوں نے عربوں کو جس معاشی لوٹ کھسوٹ کا شکار بنایا ہوا تھا اس کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۰۔ مکہ پہنچ کر باقی علاقوں میں شورشوں کا خاتمہ آسانی سے ممکن ہو گیا تبوک اور موتہ میں ان رہے سہے قبائل

اور ان کی سرکشی کا خاتمہ کر دیا جو ابھی تک اسلام کے خلاف سازشوں میں شریک تھے اور مسلمانوں کے خلاف محاذ بنانے میں مصروف تھے۔ ان علاقوں پر قبضہ کر لینے کے بعد اب جزیرہ نما عرب میں مسلمانوں کا کوئی مخالف باقی نہیں رہ گیا تھا۔

۱۱۔ فتح کے بعد رسول کریم صلعم نے تبلیغ دین کا کام نہایت تیزی سے شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں اردگرد کے ملکوں میں اسلام کا چرچا عام ہونے لگا اور بڑے بڑے عمائدین دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

۱۲۔ فتح مکہ سے مسلمانوں کے لئے سیاسی، تجارتی اور مذہبی میدان میں کامیابی کے راستے کھل گئے۔

۱۳۔ فتح مکہ تاریخ اسلام میں ایک شاندار انقلاب کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ اس معرکہ میں صرف تین مسلمان شہید ہوئے اور اٹھارہ کفار ہلاک ہوئے لیکن اس جانی نقصان کے مقابلہ میں جو عظیم فتح حاصل ہوئی اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

۱۴۔ کافر اور مشرک گروہ اگر اسلامی حکومت کا حلیف بننا چاہے تو بہ تقاضائے مسلم مفاد اس کو حلیف بنایا جا سکتا ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حلیف کے مال اور اس کی جان و آبرو سب کو اپنے جان و مال، آبرو کی طرح سمجھے۔

۱۵۔ اگر کسی نے دنیوی بادشاہ اور نبی الرحمۃ کے درمیان فرق معلوم کرنا ہو تو فتح مکہ اس کے لئے ایک واضح دلیل ہے۔ تاریخ سے یہ بات واضح ہے کہ جب کسی دنیوی بادشاہ نے کسی علاقہ کو بزور شمشیر فتح کیا تو اپنے دشمنوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ لیکن رحمۃ للعالمین جب اپنے دشمنوں پر غالب آتے ہیں تو ان کے سنگین جرائم کے باوجود سب دشمنوں کو معاف کر دیا۔

۱۶۔ مسلمان جب کسی غیر مسلم طاقت سے معاہدہ کریں تو جس مدت کے لئے معاہدہ ہوا ہے اس مدت کو پورا کریں اور معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کریں ہاں اگر معاہد خلاف ورزی کریں تو پھر مسلمان بری الذمہ ہیں بلکہ بعض حالات میں تو معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والی طاقت کا استیصال امن کی خاطر ضروری ہے۔

غزوہ حنین

شوال ۸ھ ۶۳۰ء فروری

جنگ کے وجوہ

۱۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو تمام قبائل نے رسول کریم صلعم کو سچا نبی مان کر اسلام قبول کرنا شروع کر دیا لیکن ہوازن اور ثقیف کے قبائل نے سوچا کہ اگر ہم مسلمانوں کو شکست دے دیں تو اہل مکہ کے جس قدر باغات و جاگیرات طائف میں ہیں وہ بلا دغدغہ ہمارے ہو جائیں گے۔

۲۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان فتح مکہ کے بعد ان پر حملہ کر کے ان کی ریاست اور امتیاز کو ختم کر دیں گے چنانچہ

ہوازن کے رئیس مالک بن عوف نے ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخوں کو جنگ پر آمادہ کیا۔ تاہم کعب اور کلاب الگ رہے۔ قبیلہ جشم کے کہنہ مشق درید بن الصمۃ کو بھی بحیثیت مشیر کے ساتھ لے لیا گیا۔ اس کی عمر اس وقت سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔

جنگ کی تیاری

رسول کریم صلعم کو ان واقعات کا علم ہوا تو آپؐ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد کو بھیجا انہوں نے دشمن کی فوج میں کئی دن تک رہ کر حالات معلوم کئے۔ پھر مکہ واپس آئے تو آپؐ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ آپؐ نے مجبوراً مقابلہ کی تیاری شروع کی۔ عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم قرض لئے۔ صفوان بن اُمیہ سے اسلحہ جنگ مستعار لیا اس نے سو زرہیں پیش کیں اور ساتھ ہی بقدر کفایت ہتھیار بھی مہیا کئے۔

شوال ۸ھ میں اسلامی لشکر جس کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ پورے ساز و سامان کے ساتھ حنین کی طرف بڑھا۔ اتنی تعداد اور اسلحہ کی وجہ سے بعض صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ الفاظ پسند نہ آئے۔ اب اللہ تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی فتوحات محض اس کی نصرت اور فضل سے تھیں۔ آغاز جنگ میں مسلمانوں کو پسپائی سے دوچار ہونا پڑا۔

حنین کی لڑائی جبل اوطاس کے دروں اور پرپیچ وادیوں کے قریب ہوئی تھی۔ دشمن لشکر اسلام کے آنے کی خبر سن کر پہاڑ کے دروں میں چھپ گیا تھا۔ جونہی مسلمان پیچیدہ گزرگاہوں میں ہو کر نشیب کی طرف اترے۔ اچانک لشکر کفار نے کمین گاہوں سے نکل نکل کر تیر اندازی شروع کر دی۔ اس غیر متوقع حملہ نے مسلمانوں کو سراسیمہ اور حواس باختہ کر دیا۔ دو ہزار طلقائے مکہ سب سے پہلے میدان چھوڑ کر بھاگے ان کو دیکھ کر مسلمانوں میں بے ترتیبی اور پسپائی کی صورت پیدا ہو گئی:

رسول کریم صلعم صرف چند صحابہ کے ساتھ میدان جنگ میں رہ گئے اور فرما رہے تھے "میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں"۔ آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔ انہوں نے آواز دی۔ اے انصار کے گروہ اے بیعت رضوان والو۔ جونہی یہ پکار اسلامی لشکر نے سنی۔ دفعتہً آواز کی طرف پلٹے آئے۔ ایسا سخت حملہ کیا کہ لڑائی کا رنگ ہی بدل گیا۔ بنو ہوازن کے میدان جنگ میں بہت سے آدمی مارے گئے۔ باقی بھاگ گئے۔ ثقیف کی ایک شاخ بنو مالک نے تھوڑی دیر میدان کارزار گرم رکھا۔ آخر ستر آدمیوں کو میدان جنگ میں چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ بھی مارا گیا۔

(مال غنیمت میں چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی تھے۔)

عارضی پسپائی کے اسباب

۱۔ مقدمۃ الجیش جو حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں تھا زیادہ تر فتح مکہ کے نو مسلم نوجوان تھے۔ وہ نخوت اور غرور

میں اسلحہ جنگ . . پہن کر نہیں تھے ۔

۲ ۔ لشکر میں دو ہزار ایسے لوگ تھے جن کے دلوں میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا۔ جب ان کے پاؤں اکھڑ گئے تو پرانے صحابہ میں بے ترتیبی پیدا ہو گئی ۔

۳ ۔ کفار نے میدان جنگ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا اور تیر انداز کمین گاہوں میں چھپ گئے تھے۔ جب اسلامی لشکر میدان جنگ میں اترا تو تیر اندازوں نے اچانک تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی ۔

۴ ۔ اس جنگ میں بعض لوگ محض اس لئے شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکہ دیں اگر موقع ملے تو آنحضرت کو قتل کر دیں ۔

غزوہ اوطاس

درید بن الصمة کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس آیا۔ حضرت رسول کریم صلعم نے ابو عامر اشعری کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا۔ محصورین نے مقابلہ کیا۔ ابو عامر اشعری شہید ہو گئے۔ ان کے بعد ابو موسےٰ اشعری نے علم سنبھالا۔ جلد ہی درید قتل ہو گیا اور دشمن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ بے شمار قیدی ہاتھ آئے ۔

محاصرہ طائف

حنین کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف میں جا کر محصور ہو گئی۔ سال بھر کا رسد کا سامان جمع کر لیا۔ چاروں طرف منجنیق اور تیر انداز متعین ہوئے۔ رسول کریم صلعم خود طائف کی طرف بڑھے۔ حضرت خالد بن ولید کو مقدمة الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیا گیا (غرض محاصرہ ہوا یہ پہلا موقعہ تھا کہ رسول کریم صلعم نے منجنیق ۔ دبابے اور اسی طرح قلعہ شکن آلات استعمال فرمائے) پھر مخالفین دباؤ ڈالنے کے لئے بیرون قلعہ ان کے باغات کو تباہ کرنے کی دھمکی دی۔ لیکن اہل طائف کی درخواست پر باغوں کی مزید قطع و برید روک دی گئی۔

آپ نے ایک تدبیر اختیار کی۔ وہ یہ کہ ایک اعلان کرا دیا کہ دشمن کے ملک سے جو غلام بھاگ کر آئے گا اور اسلام قبول کرے گا۔ وہ آزاد سمجھا جائے گا۔ اس اعلان کا بہت فائدہ ہوا ۔

ایک اور انتظام کیا وہ یہ کہ فصیل کے اطراف میں کانٹے بکھیر دیئے گئے۔

اہل طائف نے دبابوں پر لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور شدت سے تیروں کی بوچھاڑ کی چنانچہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ بیس دن تک محاصرہ جاری رہا لیکن شہر فتح نہ ہوا ۔

رسول کریم صلعم نے نوفل بن معاویہ کو بلا کر مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا۔ لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑی جائے گی لیکن چھوڑ دی گئی تو بھی کوئی نقصان نہیں۔

رسول کریم صلعم نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دیا ۔

تقسیم مالِ غنیمت

محاصرہ اٹھا کر آپ جعرانہ تشریف لائے اور مالِ غنیمت کی تقسیم کی۔ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے۔ چار حصے حسب قاعدہ فوج میں تقسیم کئے گئے۔ خمس بیت المال اور غربا و مساکین کے لئے رکھا۔

اس تقسیم میں نومسلموں کو پرانے صحابہ کی نسبت زیادہ حصہ ملا۔ ابوسفیان اور ان کے خاندان کو تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی۔ حکیم بن حزام کو دو سو اونٹ نضیر بن حارث بن کلاہ ثقفی کو ایک سو اونٹ۔ صفوان بن امیہ کو ایک سو اونٹ قیس بن عدی کو سو اونٹ سہیل بن عمرو کو سو اونٹ حویطب بن عبدالعزیٰ کو سو اونٹ دیئے گئے۔

قدیم مسلمانوں کے حصہ میں پیادہ کو فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں اور سوار کو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں آئیں۔

انصار میں سے بعض نوجوانوں کو یہ تقسیم پسند نہ آئی تو وہ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ رسولِ کریم صلعم کو علم ہوا تو انصار کو طلب فرمایا اور ایک خطبہ دیا۔ آخر میں آپ نے یہ الفاظ کہے۔

"اے انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ اپنے گھروں کو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر اپنے گھر جاؤ" انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ "ہم کو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہیں"۔ ان کا یہ حال تھا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی میدان جنگ کے قریب ہی ٹھہرے ہوئے تھے کہ قبیلہ ہوازن اور اور ثقیف کا ایک وفد رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ ——— اور انہوں نے رحم کی درخواست پیش کی اور کہا آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتی تھیں۔

رئیس قبیلہ ثقیف نے کھڑے ہو کر رسول کریم صلعم سے خطاب کر کے تقریر کی "ان اسیروں میں بعض عورتیں آپ کی پھوپھیاں ہیں بعض آپ کی خالائیں۔ خدا کی قسم! اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور آپ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں"

حضور نے فرمایا کہ میں خود تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ اسی انتظار میں تقریباً دو ہفتے ہو گئے کہ مالِ غنیمت تقسیم نہ کیا گیا آپ نے فرمایا کہ "میں خاندان عبدالمطلب کے قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد کرتا ہوں" (بخاری)

لیکن عام رہائی کی یہ تدبیر بتائی کہ "نماز کے بعد سب کے سامنے یہ درخواست کرو" چنانچہ نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست پیش کی کہ آپ نے فرمایا "مجھ کو صرف اپنے خاندان کے حصہ پر اختیار ہے لیکن تمام مسلمانوں سے اسیروں کی رہائی کی سفارش کرتا ہوں"۔ تمام مسلمان بول اٹھے ہمارا حصہ بھی حاضر ہے اس طرح چھ ہزار جنگی قیدی ایک لمحہ میں آزاد ہو گئے۔

دشمن کے جنگی قیدیوں سے ایسا نیک سلوک اور عمل برتاؤ کا واقعہ تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے۔

غزوہ تبوک یا جیش عسرت

(رجب ۹ھ بمطابق ۶۳۱ء) اکتوبر نومبر ۶۳۰ء

جب ملک عرب میں چاروں طرف اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو سلطنت روما نے اس ترقی کو حسد کی نظر سے دیکھا پہلی لڑائی موتہ کے مقام پر ہوئی۔ جس میں رومیوں کے لشکر جرار نے شکست کھائی اس ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے قیصر روم نے غسانی خاندان کو جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا اس مہم پر متعین کیا۔

شام سے قبطی سوداگر مدینہ آئے انہوں نے خبر دی کہ قیصر نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے لشکر گراں جمع کیا ہے اور فوج میں سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں اس فوج میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہیں۔ رسول کریم صلعم نے خیال کیا کہ حملہ آور فوج کی مدافعت دور سرحد پر ہونی چاہیئے تاکہ اندرون ملک امن کی فضا مکدر نہ ہو۔ اس بنا پر رسول کریم صلعم نے فوج کی تیاری کا حکم دے دیا مگر کئی ایک موانع اور روکیں تھیں۔ سفر لمبا تھا، شدت کی گرمی تھی، فصل پکی ہوئی تھی اور کاٹنے کا موسم تھا اس وجہ سے یہ وقت سخت آزمائش کا تھا۔

قرآن مجید نے سورۃ التوبہ میں "ساعت" "مشکل گھڑی" کہا ہے مگر رسول کریم صلعم کا ارشاد جان نثاران اسلام پر اثر کئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔

منافق رسول کریم صلعم کی خدمت میں آتے عذر تراشتے اور مدینہ میں رہنے کی اجازت طلب کرتے آپؐ کی عادت تھی کہ جب آپؐ کے سامنے کوئی عذر کرتا تو انکار نہ کرتے تھے اس کے علاوہ دوسروں کے حوصلے پست کرنے کے لئے منافق یہ کہتے یعنی گرمی میں نہ نکلو۔ ایک سویلم نام یہودی کے گھر میں منافق جمع ہوتے اور لوگوں کو لڑائی میں شمولیت سے روکنے کی تدابیر سوچتے۔

مالی اعانت

سفر لمبا تھا مسلمان بے سروسامان تھے۔ یہ دیکھ کر نبی کریم صلعم نے امرا سے اپیل کی کہ غریب وفادار مجاہدین کی مدد کریں۔ صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ نے ۹۰۰ سو اونٹ ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار چندہ میں دیئے ان کو مجہز جیش العسرۃ "کا خطاب ملا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چالیس ہزار درہم دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کا تمام اثاثہ لاکر رسول کریم صلعم کی خدمت میں پیش کر دیا اور کہا کہ اہل وعیال کو خدا کے سپرد کر آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے گھر کا نصف مال واسباب آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت ابوعقیل انصاری نے دو سیر چھوہارے لاکر

پیش کئے اور کہا "رات بھر پانی نکال نکال کر ایک کھیت کو سیراب کرکے چار سیر چھوہارے مزدوری میں کمائے ہیں۔ ان میں سے دو سیر بیوی کے لئے چھوڑ آیا ہوں اور دو سیر آپؐ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ "ان چھوہاروں کو جملہ سازوسامان پر بکھیر دو"۔

رسولِ کریم تیس ہزار کا لشکر لے کر رجب ۹ھ کو مدینہ سے تبوک کی طرف روانہ ہوئے اس لشکر میں دس ہزار سوار تھے۔

تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ اور دمشق کے وسط میں نصف راہ پر مدینہ سے چودہ منزل پر ہے لشکر میں سواریوں کی بڑی قلت تھی۔ ۱۸ مجاہدین کے لئے ایک اونٹ مقرر تھا۔ رسد کے نہ ہونے کی وجہ سے درختوں کے پتے کھانے پڑتے تھے جس سے ہونٹ متورم ہو گئے بعض جگہ پانی میسر نہ آیا تو اونٹوں کو ذبح کرکے ان کی امعاء کا پانی استعمال کیا۔

اس موقعہ پر حضرت علیؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا لیکن منافقین کے طعنے دینے کی وجہ سے راستہ میں ہی اسلامی فوج سے جا ملے۔

تبوک پہنچ کر آپؐ نے ڈیرہ ڈال دیا۔ حالات کا جائزہ لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے جرار لشکر کو دیکھ کر غسان۔ جذام اور لخم وغیرہ قبائل کے حوصلے پست ہو گئے اور قیصر روم نے حالات تذبذب میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا کوئی فیصلہ نہ کیا۔ غرض آپ نے سرحد کو امن میں پایا۔

اس اثناء میں ایلہ کے سردار یوحنا رسولِ کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا منظور کیا۔ جرباء اور اذرح کے عیسائی آئے اور انہوں نے بھی جزیہ ادا کرنے کا اقرار کیا اور آپ نے صلح نامہ لکھ دیا۔

دومۃ الجندل کا سردار اکیدر کے مقابلہ کے لئے حضرت خالد بن ولید کو چار سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے۔ چنانچہ وہ مدینہ آیا۔ آپؐ نے اس کو امان دی۔

تبوک میں بیس دن قیام کرکے واپس تشریف لائے۔

دوسرے اہم واقعات

۱۔ اسی سال تبوک کی مہم سے واپس آنے کے بعد آپ نے منافقین کی سازش گاہ جس کا نام مسجد ضرار تھا مسمار کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ اسی سال مسلمانوں نے اسلام کے زیر اہتمام حج کیا۔ اس حج کے امیر حضرت ابوبکرؓ تھے۔ اور نقیب حضرت علیؓ۔ حضرت علیؓ نے رسول کریم صلعم کا یہ اعلان پڑھ کر سنایا کہ اب کوئی مشرک کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اور نہ کوئی برہنہ طواف کر سکے گا اور سورہ توبہ کی آیات تلاوت کیں۔

۳۔ اسی سال رسولِ کریم صلعم کی خدمت میں سفارتی وفود آتے۔ اس سال کو عام الوفود کہا جاتا ہے۔ چند کا حال درج ذیل ہے۔

بت تھا۔ مشہور بت یہ تھے۔ لات، منات، عزیٰ، سواع، یغوث، نسر، یعوق، ھبل، اساف نائلہ، ود تھے۔

بت پرستی کے علاوہ عرب میں دہریت بھی تھی۔ اس کے پیرو خدا کی ہستی، بعث بعد الموت جزا و سزا وغیرہ کے قائل نہ تھے۔

جب مذاہب عالم پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مذاہب عالم توحید سے عاری ہو چکے تھے۔ ہندو کی مقدس کتاب وید کا مطالعہ کیا جائے تو وہ بھی توحید الٰہی سے بالکل خالی تھے۔ یجروید میں دیوتاؤں کی تعداد تینتیس ہے۔ رگوید میں دیوتاؤں کی تعداد ۳۳۴۰ ہے ہندو، روح، مادہ، اکاش اور زمانہ کو بھی خدا کے برابر ازلی ابدی سمجھتے ہیں، یہودی عزیر ابن خیال کرتے تھے عیسائی تثلیث کے قائل تھے۔ یعنی عیسائی باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں کو خدا خیال کرتے تھے۔ ان کے عقیدہ کی رو سے خدا باپ، خدا بیٹا، خدا روح القدس تینوں ایک اور ایک تین ہیں۔ ان حالات میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا نعرہ بلند کیا۔ مخالفتیں ہوئیں، ایذائیں دی گئیں۔ گھر سے ہجرت کرنی پڑی، مشرکین نے توحید کے درخت کو جڑھ سے کاٹ دینے کے لئے حملے کئے۔ تمام مخالفتوں کے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب سے بلکہ دنیا کی تمام مشہور تہذیبوں سے شرک کو مٹا دیا۔ عرب میں توحید کا پرچم لہرا دیا۔ وہ قوم جو دن رات بتوں کے سامنے سرنگوں رہتی تھی، وہی عرب قوم بتوں سے متنفر ہو کر خدائے واحد کے پرستار بن گئے اور اسی کی عبادت میں لذت محسوس کرتے تھے۔

تمام قرآن مجید توحید باری تعالےٰ کے اثبات اور شرک کے رد سے بھرا پڑا ہے قرآن مجید میں آتا ہے:

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (البقرہ آیت ۲۵۵) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (الحشر آیت ۲۴) وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(مسند احمد) لوگو! سنو تمہارا رب ایک ہے۔

اخلاقی اصلاح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اہل عرب میں زنا، چوری، قتل و غارت، شراب نوشی، امانت میں خیانت، ناحق الزام تراشی، غیبت و بہتان، تکبر، مکر و فریب، قمار بازی، وعدہ خلافی، غرض کہ ہر قسم کے اخلاق عیوب پائے جاتے تھے۔ آپ نے اہل عرب میں ان اخلاق سیئہ کی بجائے اخلاق حسنہ پیدا کئے وہ اہل عرب جو

ہر وقت جنگ و جدل میں مصروف رہتے تھے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ وہی عرب اخوت، مودّت کی لڑی میں منسلک ہو گئے وہ عرب جو ہر وقت زنا میں لذت لیتے تھے انہی عربوں نے عفت اور پاک دامنی کا شعار بنا لیا وہ عرب جن کا دن رات کا مشغلہ غصب و نہب، لوٹ مار تھا، وہی زکواۃ اور صدقات دے کر غربا کی خبر گیری کرنے لگے، وہ عرب جو تکبّر کے نشہ میں ہر وقت چور رہتے تھے وہی انکساری اور عاجزی کے پتلے بن گئے، وہ عرب جو خیانت کے عادی تھے وہی امین بن گئے غرض کہ ہر برائی اور عیب سے توبہ کر کے اخلاق فاضلہ کے زیور سے آراستہ ہو گئے۔

عربوں کی ان تمام برائیوں کی جڑ شراب نوشی تھی آپ نے اس کی تدریجاً اصلاح کی۔ جب آخری اعلان ہوا کہ آج شراب حرام ہو گئی ہے تو مسلمانوں کے گھروں سے شراب کے مٹکے اتنے ٹوٹے کے مدینہ کی نالیوں سے شراب بہنا شروع ہو گیا۔

معاشرتی اصلاح

اسلام سے قبل انسانیت کی مٹی پلید ہو رہی تھی۔ سماج طبقات میں منقسم تھا اور اس تقسیم کو قائم رکھنے کے لئے نئے نئے طریقے اور قوانین وضع کئے جاتے تھے۔

روما

ظہور اسلام سے قبل سب سے متمدن اور مہذب سلطنت روما کی تھی۔ اس مہذب سلطنت میں انسان کئی طبقات میں منقسم تھا اور دونوں کے درمیان متعدد طبقات تھے جن کے حقوق کا تعین رنگ، نسل، مذہب، وطن، صحت، دولت وغیرہ کے لحاظ سے کیا جاتا تھا جسٹی نین (JUSTINIAN) جس نے روما کا قانون مدون کیا تھا اس نے قانونی نقطہ نگاہ سے سماج کو اس طرح تقسیم کیا تھا۔

۱۔ HONESTIORES (ہنسٹریئیز) یعنی ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ جو امرا پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی

۲۔ HUMILIORES (ہومیلیرز) یعنی اس طبقہ کو بعض غیر معمولی حالات میں سزا دی جاسکتی تھی۔ ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔

۳۔ SERVI (سروی) سب سے ادنیٰ، نیچا اور فقیر طبقہ تھا جس کے افراد کو معمولی سی معمولی جرائم کی سزا میں قتل کیا جاتا تھا۔ زندہ آگ میں جھونک دیا جاتا تھا۔ وحشی جانوروں سے ہڈیاں چبوائی جاتی تھیں۔

ایران

ایران میں بھی سوسائٹی چار حصوں میں منقسم تھی۔

۱۔ مذہبی طبقہ (آذروان)

۲ - فوجی طبقہ (آر تشتیاران)

۳ - عمال حکومت (دبیران)

۴ - عوام پیشہ ور لوگ اور کاشت کار (استر پوشاں وستخشان) ایران میں سوسائٹی کی یہ تقسیم مستقل تھی۔ کوئی فرد ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں منتقل نہیں ہوسکتا تھا۔ آتش پرست حکومت میں با اثر با اقتدار تھے ان کو پیشہ ور طبقوں سے (بالخصوص کمہاروں) خاص عداوت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے عقیدے کے مطابق آگ اور پانی کو ملانے والا گناہ عظیم کا مرتکب ہوتا تھا[۱] اس طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنے کی غرض سے قانون وضع کیا گیا تھا۔ عوام کو حکومت کے معاملات میں مداخلت کا کوئی حق نہ تھا۔ نچی ذات کا کوئی شخص نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہوسکتا تھا[۲] اور نہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی جائیداد خرید سکتا تھا۔

ہندوستان ہندوستان کی سماجی حالت اس سے بھی خراب اور دگرگوں تھی ہندی سماج چار ذاتوں میں منقسم تھی۔

۱ برہمن - ۲ - چھتری ۳ - دلیش ۴ - شودر

ان چار ذاتوں کے بعد عوام کا شمار تھا۔ جن کر انتیجا (ANTYATA) ہدی (HADI) ڈوم (DOMA) چنڈالہ (CHANDALA) بدھاتو (BADHATU) وغیرہ نام دیئے گئے تھے[۱]

منو نے اس تقسیم کو قائم رکھنے کے لئے قانون وضع کیا اور اس میں شودر کے لئے صرف ایک ہی فرض مقرر کیا کہ وہ ان تینوں کی خدمت کرے[۲]

شودر کو دبا رکھنے کے لئے یہ قانون وضع کیا کہ شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے وہی عضو اس کا کاٹ دیا جائے۔ اگر برہمن کے برابر بیٹھے تو کمر پہ داغ لگا کر چوتڑ کٹوا کر ملک سے باہر نکال دیا جائے۔

مقدس کتابوں کا کوئی لفظ شودر کے کان میں اتفاقاً پڑ جاتا تو سیسہ پگھلا کر کان میں بھر دیا جاتا۔ چار ذاتوں کا ذکر ہی کیا ایک ہی ذات کے لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ منو اور یجنو کیہ کے قوانین اس عہد کی عام سماجی تقسیم کی برائیوں کے شاہد ہیں۔

سمیری تہذیب وادی دجلہ اور فرات کی قدیم اور مشہور تہذیب ہے۔ سمیری آبادی مندرجہ ذیل طبقات پر مشتمل تھی۔

۱ - فرمانروا۔ اس طبقہ کے ہاتھ میں عنان اقتدار تھا۔

۲ - کاہن و پجاری - یہ وہ مذہبی طبقہ تھا جو عوام اور خواص کا مرجع اور علوم و فنون کا واحد

اجارہ دار تھا۔ فرمانرواؤں کو بھی اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے کاہنوں کے سامنے جھکنا پڑتا تھا۔

۳ - امرا: یہ طبقہ بڑے بڑے زمینداروں، تاجروں، ساہوکاروں پر مشتمل تھا۔ لین دین، تجارت زراعت، بنکاری غرض کہ اپنی ہمہ گیر مساعی کی بدولت تمام مادی وسائل پر قابض تھے۔

۴ - اہل ہنر و اہل پیشہ۔ اس طبقہ میں اطباء قانون گو، صناع اور ملازمین شامل تھے۔

۵ - زرعی مزدور، کاشت کار، یہ طبقہ تہی دست اور مفلس تھا اس کی حالت غلاموں سے بہتر نہ تھی یہ طبقہ امرا کے طبقہ کے رحم و کرم پر تھا۔

۶ - غلام۔ سوسائٹی کا سب سے گرا ہوا طبقہ تھا تمام انسانی اور شہری حقوق سے محروم تھا۔

عرب

اگر پورے عرب اور حجاز پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی سوسائٹی میں ایک طبقہ دولت مند اور دوسرا نادار اور مفلس تھا اس مفلس طبقہ کی اکثریت غلاموں اور پسماندہ دیہاتی آبادی پر مشتمل تھی۔

عورتوں کی حالت

قرون وسطیٰ میں عورتوں کی سماجی حالت بہت ہی خراب اور گری ہوئی تھی ایران میں دو طرح کی بیویاں تھیں۔

۱ - زن پادشاہی ہا۔ اس قسم کی بیویوں اور ان کی اولاد کو جائیداد سے حصہ ملتا تھا۔

۲ - زن چکاری ہا، ان کی اولاد جائداد سے بالکل محروم رہتی تھی۔ قانون کی نظر میں عورتوں کا کوئی حق اور مرتبہ نہیں تھا۔ بیویاں آپس میں ادلی بدلی ہو سکتی تھیں۔ قانون نے غلام اور بیوی کو ایک درجہ پر رکھا تھا۔

عرب میں عورت وراثت میں حصہ دار نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ شوہر کے وارثوں کی ملک تصور کی جاتی تھی۔ تعدد ازدواج کی کوئی حد نہ تھی اور جتنی بیویاں کوئی شخص رکھنی چاہتا تھا۔ رکھتا تھا۔ دو حقیقی بہنوں سے ایک وقت میں شادی کر لیتے تھے۔ طلاق کا عام رواج تھا۔ خاوند جب چاہتا بیوی کو الگ کر سکتا تھا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کی رسم بھی عرب میں تھی اگر کسی کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تھی تو وہ شرم کے مارے گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا۔

عرب میں استبضاع کی رسم تھی۔ جس کی تشریح اہل لغت نے یہ کی ہے کہ عورت صرف خواہش اولاد کے لئے اپنے خاوند کے سوائے دوسرے سے تعلق پیدا کرے بلکہ لکھا ہے کہ مرد اپنی عورت یا لونڈی کو کہہ دیتا تھا۔ یعنی فلاں کو کہلا بھیجو اور اس سے اولاد حاصل کرنے کے لئے تعلق پیدا کرو۔

غلاموں کی حالت

قرون وسطیٰ میں غلام کی حالت بے حد زبوں تھی۔ اس کی حیثیت محض پالتو جانور کی تھی[۱] اگر کوئی ملازم یا غلام اپنے آقا کے خلاف عدالت میں

شکایت نے جاتا تو جسٹینین کے قانون کے مطابق اس جرأت پر سزائے موت دی جاتی تھی یہ غلامی وہ لعنت کا طوق تھا۔ اگر کوئی غلام اس طوق کو گردن سے آتارنے کی ہزار کوشش کرتا۔ تو قانونی دشواریوں کی بنا پر ایسا نہ کر پاتا۔ اگر ان دشواریوں کے باوجود کوئی غلام آزادی بھی حاصل کر لیتا تو سوسائٹی میں اس کا قانونی اور سماجی مرتبہ تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ آزادی حاصل کرنے لینے کے بعد بھی آقا کی تعظیم و تکریم میں کبھی کسی کا شائبہ بھی ہو جاتا تو غلامی کا طوق گردن میں ڈال دیا جاتا تھا۔

مزدور کا حال بہت پتلا تھا۔ سارا دن کام میں لگا رہتا لیکن پیٹ بھر کر اس کو کھانا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ بغیر مزدوری ادا کئے جبراً کام لیا جاتا غرض کہ عالمی سطح پر دنیا کی متمدن اقوام اور ممالک میں غلام ور آقا۔ غریب اور امیر، آجر اور اجیر، کسان اور زمیندار کے امتیازات قائم ہو چکے تھے جس طرح مویشیوں ور مصنوعات کی نمائش لگتی تھی۔ اسی طرح غلاموں کی نمائش لگتی تھی اور ان کو نیلام کیا جاتا تھا۔ ان معاشرتی برائیوں کی تاریک رات میں آفتاب رسالت طلوع کرتا ہے اور ضیا فاش کرنوں سے تمام معاشرتی برائیوں کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی تفریقات ختم کرنے اور اصلاح معاشرہ کے لیے تین اصول وضع کئے۔

عالمگیر اخوت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امتیازات اور تفریقات کو ختم کرنے کے لئے عالمگیر اخوت کا جانفزا پیغام سنایا۔ ارشادِ الٰہی ہے

• (النساء ۴: ۱) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو! جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یعنی ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے

غیر مسلم اہلِ فکر بھی اسلامی اخوت کے معترف ہیں چنانچہ ریورینڈ مرے ٹائیٹس بیان کرتا ہے "اخوت اسلامی ایک معاشرتی اور روحانی حقیقت ہے اسلام صرف ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ یہ حق ہے ایک قانونی نظام ہے اور معاشرتی نظام بھی۔ اسلام میں واقعی ایسی اخوت موجود ہے جو رنگ و نسل، طبقے اور قومیت میں اتحاد کی حامل ہے۔"

بھارت کے راجیہ سبھا کے سابق صدر رادھا کرشن نے ایک مقالہ "مشرق، مغرب۔ مذہب کے معاملے میں" سپردِ قلم کیا اس میں اسلامی اخوت کی تعریف میں رقمطراز ہے" ہم اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ اسلام کا نظریہ اخوت نسل اور قومیت کی تمام رکاوٹوں سے بالاتر ہو جاتا ہے یہ ایسی خصوصیت ہے جو کسی مذہب میں نہیں۔"

عالم گیر مساوات اخوت کا لازمی نتیجہ مساوات ہے۔ اسلام نوع بشری کو نفرت، کینہ، تفرقہ اور تعصب سے نجات دلا کر مساوات کا سبق دیتا ہے مسئلہ

ذات پات کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ پامال شدہ لوگوں کو اٹھا کر بڑوں کے دوش بدوش کھڑا کرتا ہے۔ عبادات سے یکسانیت اور مساوات کا کام لیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے

(الحجرات ۴۹ : ۱۳) اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک شریف وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے اللہ جاننے والا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اس میں اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا "لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ سے"۔

دنیا کا مشہور مورخ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے "ایک ناقابلِ فراموش انقلاب جسے کرہ ارض کی تمام قوموں پر ایک نئے اور دائمی طرز کی اثر اندازی کی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالمگیر برادری اور مساوات کا جو کلی اصول پیش کیا ہے وہ اتنا عالم آشکارا ہے کہ یہاں اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔

تکریم انسانیت

اسلام نے اصلاحِ معاشرہ کے لئے تکریم انسانیت کا سبق دیا ارشادِ الٰہی ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۷۰) یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے۔ معاشرتی تفریقات اور امتیازات ختم کر دیئے اور تفریقات اور امتیازات ہی معاشرتی زندگی کو گھن کی طرح کھائے جا رہے تھے۔

عورت کا درجہ

عورت معاشرتی زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری تہذیبوں کے برعکس عورت کو سوسائٹی میں ایک بلند مقام دیا اور عورتوں کو بھی سوسائٹی کا قابلِ احترام فرد سمجھا جانے لگا۔ روحانی حیثیت سے عورت کو مرد کے برابر قرار دیا۔ ارشادِ الٰہی ہے

(آل عمران ۳ : ۱۹۵) میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے سے ہو۔

دوسری جگہ آتا ہے

(المومن ۴۰ : ۴۰) اور جو نیک عمل کرتا ہے مرد ہو یا عورت تو وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ مادی لحاظ سے بھی عورت کے حقوق کو مرد کے برابر قرار دیا ہے وہ مرد کی طرح روپیہ کما سکتی ہیں اور جائیداد کی مالک ہو سکتی ہیں ارشادِ الٰہی ہے

(النساء ۴: ۳۲) مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

عورتوں کو مردوں کی طرح ورثہ کا حق دار ٹھہرایا ارشاد الٰہی ہے

(النساء ۴: ۷) عورتوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور قریبی رشتے دار چھوڑیں۔

اسلام نے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے۔ دو حقیقی بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنے۔ عورتوں کو بے وجہ مارنے، بار بار طلاق دینے اور رجوع کرنے۔ لاتعداد عورتوں کو نکاح میں رکھنے۔ اولاد حاصل کرنے کے لئے غیر مرد سے ہم بستری کروانے۔ روپیہ کمانے کے لئے لونڈیوں کو پیشہ کروانے کو حرام قرار دیا اسی طرح اسلام نے بحیثیت لڑکی، بیوی، ماں وغیرہ کے حقوق متعین کئے۔

ایک مستشرق اسلام میں عورت کے رتبہ کے بارہ میں لکھتا ہے "آپ نے عورت کو ملوکیت کے درجہ سے نکال کر مالکیت کا درجہ بخشا۔ اور اس کو پہلا شرعی وارث قرار دیا جس کے اغراض کی حفاظت قانون اسلام پر واجب ہے۔"

غلام — معاشرہ کا ایک مظلوم رکن غلام تھا۔ اسلام کی تعلیم کو مسئلہ غلامی کے متعلق دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اول۔ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی آزادی کا بندوبست

دوم۔ مستقبل میں ہمیشہ کے لئے غلامی کو ختم کرنے کے متعلق تعلیم۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی آزادی کا انتظام — قرآن مجید میں آتا ہے "اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قریبیوں کے ساتھ بھی، اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی اور دور کے پڑوسی اور پاس والے ساتھی اور مسافر اور ان کے ساتھ بھی جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے (غلام) (النساء ۴: ۳۶)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں خدا نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے تو جس بھائی بہن کو اللہ تعالیٰ اس کے ماتحت کرے اس کو چاہیئے کہ جیسا وہ خود کھاتا ہے ویسا ہی ان کو کھلائے اور جیسا خود پہنتا ہے ویسا ہی ان کو پہنائے اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دے جو ان کی طاقت سے باہر ہو اور کبھی ایسا کام دو تو پھر اس کام میں خود ان کی مدد کرو (بخاری)

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا "تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ" (ابن سعد)

وسائل آزادی اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کے متعلق دو طریقے اختیار کئے ہیں۔

ا۔ طوعی۔

ب۔ جبری۔

طوعی طریقہ قرآن مجید میں آتا ہے
(البلد ۹۰: ۱۲-۱۳) تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے کسی گردن کا آزاد کر
حدیث میں آتا ہے "جو شخص کسی ایک نفس کو آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو غلام کے ہر
عضو کے بدلے میں دوزخ کی آگ سے آزاد کرے گا (بخاری، مسلم)
ایک اعرابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ!
آپ کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو جنت میں داخل کر دے آپ نے فرمایا تم نے لفظ تو مختصر کہے ہیں مگر
بہت بڑی دریافت کی ہے۔ غلام کو آزاد کرو اگر اکیلے آزاد نہ کر سکو تو دوسروں کے ساتھ مل کر آزاد کرو

جبری طریقے اسلام نے غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے بعض گناہوں کے کفارہ میں غلام آزاد
کرنے کا حکم دیا ہے۔ ا۔ قتل خطا (غلطی سے قتل کر دینا) ۲۔ قسم کھا کر توڑ
۳۔ روزہ توڑنا۔

اسی طرح اسلام نے غلاموں کو آزاد ہونے کے لئے سہولتیں مہیا کر دی تھیں۔

مکاتبت یعنی جو غلام آزاد ہونا چاہے اسلام نے اس کو یہ حق دیا ہے کہ وہ آقا کو ایک مقررہ رقم
دے کر جو دونوں میں طے ہو جائے۔ آزادی حاصل کر سکتا ہے۔

تدبیر تدبیر سے مراد یہ ہے کہ آقا غلام سے کہے "تو میری موت کے بعد آزاد ہے" تدبیر سے
بھی غلام لازماً آزاد سمجھا جاتا ہے۔

غلاموں کی آزادی کے لئے بیت المال میں حصہ اسلام نے صرف افراد کو آزاد کرنے کی
ترغیب نہیں دی بلکہ بیت المال میں
غلاموں کی آزادی کے لئے ایک مستقل مد مقرر کر دی ہے۔

مستقبل میں ہمیشہ کیلئے غلامی کو ختم کرنے کے متعلق تعلیم اسلام نے غلامی کو ہمیشہ کے
لئے ختم کرنے کے لئے غلام
بنانا حرام قرار دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
"برے لوگ وہ ہیں جو انسانوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں" (ترمذی)
"بہت برے لوگ وہ ہیں جو آدمیوں کو فروخت کرتے ہیں (بخاری)

جنگی قیدیوں کے متعلق اسلام نے یہ تعلیم دی ہے اگر جنگ میں قیدی پکڑے جائیں تو ان کی قید عارضی ہوگی۔ اختتام جنگ پر یا تو ان کو احسان رکھ کر چھوڑ دینا ہوگا یا فدیہ لے کر۔ قرآن مجید میں آتا ہے " سو جب تمہاری کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے تو گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان پر غالب آ جاؤ تو قیدیں مضبوط باندھ لو۔ پھر بعد میں یا تو احسان کے طور پر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (ختم ہو جائے (محمد، ۴۷: ۴)

اس آیت میں جنگی قیدیوں کے متعلق واضح حکم دیا گیا ہے کہ یہ قید عارضی ہوگی جب جنگ ختم ہو جائے یا تو ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا ہوگا یا احسان کے طور پر۔

مزدور: اسلام سے قبل مزدور کی حالت بہت ہی دگرگوں تھی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح کی۔ فرمایا " اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین قسم کے آدمی ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا، ایک وہ شخص جس نے مجھ کو اپنا عہد دیا اور پھر غداری کی اور ایک وہ شخص جس نے آزاد کو غلام بنا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی، ایک وہ شخص جس نے کسی شخص سے اجرت پر کام لیا اور پورا کام کرا لیا مگر اس کو واجبی اجرت نہ دی۔ (بخاری)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ مزدور اور اجیر کو اس کی اجرت طے کئے بغیر کام پر لگایا جائے۔ (بیہقی)

فرمایا " مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو " (ابن ماجہ)

سیاسی اصلاح: اسلام سے قبل تمام متمدن ممالک میں بادشاہت تھی۔ اور بادشاہوں کو عام انسانی سطح سے اٹھا کر خدا کے قریب پہنچا دیا تھا۔ آپ نے بادشاہت کے دستور کو ختم کر کے جمہوری نظام حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ہر شخص بلا امتیاز مذہب و ملت، رنگ و نسل ملک کے نظام میں حصہ لے سکتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ (وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ ۴۲: ۳۸) یعنی ان کا کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے۔

معاشی اصلاح: قرون وسطیٰ میں اقتصادی نظام پر نظر ڈالئے۔ تو چند برائیاں خاص طور پر نظر آتی ہیں۔ (۱) سود خوری (۲) قمار بازی (۳) تقسیم ترکہ کے قوانین نہ ہونا۔ (۴) مزدور سے بغیر مزدوری ادا کئے جبراً کام لینا۔

آپ نے ان تمام برائیوں کو ختم کر کے ایک متوازن اقتصادی نظام کی بنیاد ڈالی۔

ملتِ نو کی تعمیر: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی قوتِ قدسیہ سے عربوں میں وہ عظیم انقلاب پیدا کیا جس کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ کی بعثت سے قبل عرب ہر قسم کی برائی میں مبتلا تھے۔ اس کا اندازہ اس تقریر سے ہو سکتا ہے۔ جو حضرت جعفر بن

طیار نے بادشاہ حبش کے دربار میں کی تھی۔ "اے بادشاہ! ہم جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ اپنے ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بدافعالیاں کرتے تھے۔ کمزوروں کا مال چھینتے تب خدا نے ہم میں ایک نبی کو مبعوث کیا۔ جس کی شرافت، صداقت، دیانت اور پاک بازی ہم سب پر روشن تھی۔ اس نے ہمیں خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلایا اور ان بتوں اور پتھروں کی پوجا کرنے سے روکا۔ جن کو ہمارے آباء پوجا کرتے تھے۔ اس نے صرف ایک خدا کی اطاعت کا حکم دیا کہ اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نماز، زکوٰۃ اور روزہ ہم پر فرض قرار دیا۔ سچ بولنے، امانت کو دیانت کیساتھ واپس کرنے، رشتہ داروں اور ہمسایوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے برائیوں سے بچنے، عیاشی اور خونریزی سے احتراز کرنے کا حکم دیا۔ اس نے ہمیں نصیحت کی۔ کہ جھوٹ ہرگز نہ بولو جھوٹی گواہی نہ دو۔ یتامیٰ کا مال نہ کھاؤ اور نہ عورتوں پر شبہ کرو۔ نہ ان پر سوء ظن رکھو۔ ہم نے اس کی تعلیم پر عمل کیا۔ ہم اس کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ اور احکام الٰہی کی پابندی کی۔ اور اس کی توحید پر ایمان لائے۔ ہم منہیات سے محترز ہیں۔ اور اوامر پر کاربند ہیں۔

یہ تقریر ظاہر کرتی ہے۔ کہ عرب کن کن برائیوں میں مبتلا تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ نے ایک قلیل عرصہ میں ایک ایسی ملتِ نو کی تعمیر کی۔ جو ہر قسم کی برائیوں سے پاک تھی جس کا اقرار سر ولیم میور بھی کرتا ہے۔ محمد (صلعم) کی تعلیم بہت مختصر اور سادہ تھی ان کی تعلیم نے حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی۔ اور اہل مسیحیت سے لے کر تا ایں دم لوگوں میں ایسی روحانی بیداری کسی وقت بھی پیدا نہیں ہوئی۔ نہ لوگوں کے اندر ایسا ایمانی جوش پیدا ہوا۔ کہ وہ اپنے ضمیر کی خاطر ہر قسم کی جانی، مالی قربانیاں گوارا کر سکتے۔

وفات سنہ ۱۱ھ

حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے خطبہ میں یہ اعلان فرما دیا تھا کہ "مجھے امید نہیں کہ آئندہ سال تم سے مل سکوں۔ موت کا یقین ہو جانے کی وجہ سے آپ ضروری کاموں اور وصایا سے فارغ ہوتے رہے۔ ایک دن آپؐ اُحد تشریف لے گئے اور شہداء کی قبروں پر دعا فرمائی صفر سنہ ۱۱ھ کو نصف شب کو آپ جنت البقیع تشریف لے گئے۔ وہاں دعا فرمائی۔

آغاز علالت سے ایک دن پہلے آپؐ نے حضرت اسامہ کی سرکردگی میں شام کی سرحد کی طرف لشکر روانہ کیا۔ ۲۹ صفر سنہ ۱۱ھ کو رسول کریم صلعم ایک جنازہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راستہ میں ہی درد شروع ہو گیا۔ پھر شدید بخار ہو گیا۔ گیارہ دن تک خود نماز پڑھاتے رہے۔ آخری نماز مغرب کی پڑھائی۔ اس کے بعد آپؐ مسجد میں تشریف نہیں لے گئے اور حضرت ابو بکرؓ کو اپنی جگہ امام مقرر کر دیا ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کو طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ چاشت کے وقت روح پاک جسدِ اطہر سے جدا ہو کر عالم قدس میں پہنچ گئی۔

تجہیز و تکفین

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب حضرت علیؓ حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے قثم اور فضل اسامہ بن زید اور شقران نے انجام دی۔ انصار کے اصرار پر حضرت علیؓ نے اوس بن خولی انصاری کو حجرہ میں بلا لیا تھا۔ پانی کا گھڑا بھر کر لاتے تھے۔ حضرت علیؓ نے جسد اطہر کو سینہ سے لگا رکھا تھا۔ حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے۔ اسامہ اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ آپ کے جسد اطہر کو تین سوتی کپڑوں میں کفنایا گیا۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ تکفین سے فارغ ہونے کے بعد جسد مبارک کی آخری زیارت کرنے کے لئے پردہ ہٹا دیا گیا۔ مغموم مسلمان آخری دیدار کرنے کے لئے آنے لگے اور چشم پرنم کے ساتھ واپس لوٹنے لگے۔

نماز جنازہ پہلے قرابت داروں نے پھر مہاجرین نے پھر انصار نے پھر عورتوں اور پھر بچوں نے ادا کی۔ رحلت کے ۳۲ گھنٹے کے بعد حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں دفن کر دیا گیا۔

اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد

اسلامی تعلیمات

عقائد

۱۔ اللہ پر ایمان:۔ اس کی پہلی بنیاد توحید الٰہی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ یٰایھا الذین آمنوا آمنوا باللہ۔ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو۔ اللہ پر ایمان لاؤ۔ اللہ کی توحید کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ اپنی ذات، اپنی صفات اور اپنے افعال میں ایک ہے۔

رسولوں پر ایمان

انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا اصول دین میں سے ہے۔ یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کے دلوں پر جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے احکام لے کر اترا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔

فرشتوں پر ایمان:۔ رسولوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغام لانے والے کو فرشتہ کہتے ہیں۔ ان فرشتوں کا ماننا اور ان کو اللہ کے پیام پہنچانے میں سچا ماننا ضروری ہے۔

خدا کی کتابوں پر ایمان:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعلیم کے لئے رسولوں کو کتابیں دی ہیں۔ ان کتابوں میں اللہ کے حکم اور بھلائی کی باتیں لکھی ہیں۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے پر کتب سماوی پر ایمان لانا فرض ہے۔

آخرت پر ایمان:۔ ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھے۔ کہ ایک دن ہماری دنیا مٹ جائے گی۔ اور ہم اپنے اللہ کے سامنے جائیں گے۔ اور اپنے اعمال کا

حساب دیں گے۔ اچھے عمل کرنے والے جنت میں جائیں گے۔ اور برے کام کرنے والے دوزخ میں جائیں گے۔

ارکانِ اسلام

۱۔ کلمہ توحید:۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

۲۔ نماز:۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۔ نماز قائم کرو۔ ہر مسلمان کو دن میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ قرآن میں ہے۔ جو نمازی اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ ان پر پھٹکار ہے۔ کافروں سے پوچھا جائے گا۔ کہ تم دوزخ میں کیوں ہو۔ وہ کہیں گے کہ ہم بے نمازی تھے

۳۔ زکوٰۃ:۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اگر وہ اس نصاب تک پہنچ جائے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیان کیا ہے۔ تو اس سے ایک خاص رقم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ معاشرے میں تقسیم دولت کو درست رکھنے کے لئے زکوٰۃ بہترین ذریعہ ہے۔

۴۔ روزہ:۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کا آتا ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ کہ مسلمان اس مہینہ میں روزہ رکھیں۔ روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ دن بھر نہ کچھ کھائیں نہ پیئیں۔ زبان سے بری بات بھی نہ نکالیں۔ دوسری منع کی ہوئی چیزوں سے رکیں۔

۵۔ حج:۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ ۔ اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا۔ صاحب حیثیت مسلمانوں پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے۔ مسلمانوں کا یہ بین الاقوامی اجتماع ہے۔ جو ملت اسلامیہ میں اخوت اتحاد کا رشتہ مضبوط کرتا ہے۔

سیرت و اخلاقِ نبوی

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

رسولِ کریم صلعم کے اخلاق کی تصویر حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:۔

کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن ۔ یعنی آپ کا ...... خلق قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید میں کوئی حکم ایسا نہیں جس کی تفسیر عملی طور پر آپؐ نے نہ فرما دی ہو۔

اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں آپؐ کی سیرت کو مسلمانوں کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات آپ لوگوں کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ آپؐ کی حیات طیبہ ہر شخص کے لئے ایک کامل نمونہ ہے۔ یتیم، تاجر، ہمسایہ، بیٹا، خاوند، مہاجر، فاتح، قاضی، متقن، جنگ آزما سپہ سالار، رئیس مملکت، رشد، غرض کہ تمام حالات مختلفہ میں آپؐ کی زندگی ہر قسم کے لوگوں کے لئے کامل نمونہ ہے۔ اس لحاظ سے تاریخ عالم میں فرد واحد ہیں۔ دنیا کا کوئی آدمی بھی اپنے مذہب کے بانی کو اس حیثیت سے پیش نہیں کر سکتا کہ اس کی زندگی تمام لوگوں کے لئے اسوہ حسنہ بن سکتی ہو۔ کسی کی زندگی میں شان عالمگیریت نہیں پائی جاتی۔ اس لحاظ سے آپؐ کی زندگی تمام انبیاء علیہم السلام سے ممتاز نظر آتی ہے اور آپؐ ان تمام اخلاق فاضلہ کے جامع ہیں، جو انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں۔

آپ کے چند ایک اخلاق فاضلہ بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۔ صداقت

صداقت سب نیکیوں کی جڑ ہے۔ قرآن مجید نے صدق پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کو قائم رکھنے والے اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے رہو۔ گو معاملہ تمہاری ذات یا ماں باپ یا قریبیوں کے خلاف ہو۔ اگر امیر ہو یا غریب تو اللہ کا دونوں کی نسبت تم پر زیادہ حق ہے۔ سو تم خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ اگر تم پیچ دار بات کرو یا سچ سے اعراض کرو تو اللہ تعالےٰ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔"

آپ کی صداقت سارے عرب میں مشہور تھی۔ یہی وجہ ہے جب آپؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو کفار میں جو لوگ آپؐ سے واقف تھے۔ انہوں نے آپؐ کو کاذب نہیں کہا بلکہ آپؐ کو مجنوں اور ساحر اور شاعر کہا۔

آپ کے شدید دشمن ابوجہل کا اعتراف ہے جب اس نے رسول کریم صلعم سے کہا ہم آپؐ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اس پیغام کو جھوٹا کہتے ہیں جو آپ لائے۔

ایک روز قریش بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول کریم صلعم کے خلاف مشورہ کرنے لگے تو نضیر بن حارث نے کہا "محمدؐ تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا۔ وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، صادق القول اور امین تھا اور جب وہ بوڑھا ہوگیا ہے اور تمہارے پاس پیغام لایا ہے تو تم اسے ساحر، کاہن شاعر، مجنون کہتے ہو۔ خدا کی قسم وہ ساحر نہیں۔"

جب خداوند تعالیٰ نے رسول کریم صلعم کو حکم دیا کہ اپنے اہل خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو آپؐ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا۔ یا معشر قریش جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر جرار آرہا ہے تو تم یقین کر لو گے؟" سب نے کہا

ہاں کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔

۲۔ انصاف پسندی

قرآن مجید میں آتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل) اللہ انصاف اور بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ انصاف پسندی کو شعار بنانا بہت مشکل ہے۔ جبکہ فریقین میں سے ایک فریق دشمن ہو اور دوسرا دوست لیکن قرآن مجید میں آتا ہے اور یقیناً اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی فریق کی دشمنی تم کو جادہ انصاف سے منحرف کر دے۔ خبردار انصاف کو مدِ نظر رکھو۔ کیونکہ معدلت تقویٰ سے قریب ہے" (قرآن مجید)

انصاف کے معاملہ میں آپؐ ایسے اعلیٰ اصول پر قائم تھے کہ دشمن اور دوست میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔

ایک دفعہ خاندان مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔ حضرت اسامہ بن زید کو رسول کریم صلعم کے پاس سفارش کے لئے بھیجا۔ آپؐ نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی وجہ سے تباہ و برباد ہوئی کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے اور امراء سے درگزر کرتے تھے ابن ابی حدرد ایک صحابی تھے۔ ان پر ایک یہودی کا قرض تھا۔ صحابی بالکل مفلس اور نادار تھا۔ انہوں نے یہودی سے مہلت طلب کی وہ نہ مانا ان کو پکڑ کر رسولِ کریم صلعم کی خدمت میں لے گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کا قرض ادا کر دو۔ انہوں نے عذر کیا۔ آپؐ نے فرمایا انہوں نے پھر وہی جواب دیا عرض کیا یا رسول اللہ خیبر کی مہم قریب ہے۔ شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آجائے تو میں ادا کر دوں۔ آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کر دو۔ آخر اپنا تہبند اس یہودی کو قرض میں نذر کیا۔ دوسرے عمامہ کھول کر کمر سے لپیٹ لیا۔

۳۔ مہمان نوازی

مہمان نوازی کی صفت آپؐ میں کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ مہمان نوازی میں کافر اور مسلمان میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔ آپ نے بکری کا دودھ پلایا۔ وہ سارے کا سارا پی گیا۔ آپؐ نے دوسری بکری کا دودھ پلایا وہ بھی پی گیا غرض سات بکریوں کا دودھ پلایا۔ جب تک وہ سیر نہ ہوا۔ آپؐ پلاتے گئے۔

حضرت خدیجہؓ نے آغاز نبوت میں رسولِ کریم صلعم کی ان الفاظ میں تعریف کی۔ آپؐ قرابت داروں سے نیک سلوک کرنے والے ہیں۔ آپؐ درماندوں کو سواری دیتے ہیں۔ آپ ناداروں کی مدد کرتے ہیں۔ آپ مہمانوں کی خاطر مدارت کرتے ہیں اور آپؐ مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت فرمانے والے ہیں"

رسول کریم صلعم نے مہمان نوازی کو اس قدر اہمیت دی کہ اس کو ایمان کا جزو قرار دیا اور فرمایا کہ جو

شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے مہمان کا جائزہ عزت کے ساتھ دے" کہا گیا رسول اللہ اس کا جائزہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن اور ایک رات اور مہمانی تین دن کی ہے۔ اس کے آگے مہمان پر صدقہ ہے۔

۴۔ جُود و کرم | قرآن مجید میں آتا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ (بقرہ) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اس میں سے کچھ خرچ کرو جو ہم نے تم کو دیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے "اور سوالی کو نہ ڈانٹ" آپ سائل کو کبھی رد نہ فرماتے اور اگر کچھ بھی دینے کے لئے پاس نہ ہوتا تو سائل سے عذر کرتے گویا کوئی شخص معافی چاہتا ہے۔ ایک شخص نے بارگاہ نبوت میں آکر سوال کیا آپ نے فرمایا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں۔ تم میرے نام پر قرض لے لو۔ میں پھر اسے اتار دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ خدا نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ طاقت سے بڑھ کر کام کریں۔ آپ خاموش رہے ایک انصاری نے پاس سے کہہ دیا یا رسول اللہ داد و دہش کیجئے۔ رب العرش مالک ہے عسرت کا کیا ڈر آپ ہنس پڑے۔ روئے مبارک پر مسرت و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ اور فرمایا مجھے یہی حکم ملا ہے۔ ایک مرتبہ عین اقامت نماز کے وقت ایک بدو آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک حاجت باقی رہ گئی ہے خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں۔ اس کو پورا کر دیجئے۔ چنانچہ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اس کی حاجت پوری کر کے آئے اور نماز پڑھی۔

۵۔ صبر | ارشاد الٰہی ہے وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (آلِ عمران) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف) پس صبر کر جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا۔ انسان کا بہترین وصف صبر ہے وہی دنیا میں ترقی کر سکتا ہے جو ایذاؤں اور دکھوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کے لئے تیار ہو۔ یہ وصف آپ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ ذاتی طور پر بہت صدمات اٹھائے۔ آپ کی ساری اولاد سوائے حضرت فاطمہ کے آنکھوں کے سامنے فوت ہوئی۔ نہایت صبر سے کام لیا کوئی کلمہ شکایت دگلا زبان پر نہیں آیا۔

دعوت اسلام میں دکھوں اور مصیبتوں سے سامنا کرنا پڑا۔ دشمنوں سے دشنام سنیں ساحر کاہن مجنوں کہلوایا اپنے اعزہ اقارب اور دوستوں کو قتل ہوتے دیکھا مگر یہ سب کچھ خدا کی راہ میں برداشت کرتے اور انتقام کا خیال تک دل میں نہ لاتے۔

۶۔ شجاعت | قرآن مجید میں آتا ہے "اے ایمان والو! جب تم کافروں سے میدانِ جنگ میں مقابل ہو تو ان کو پیٹھ مت دو (انفال) شجاعت انسان کا قیمتی جوہر ہے اس جوہر سے رسول کریم صلعم بدرجہ اتم متصف تھے۔ مصائب کی آندھیوں میں بھی گھبراہٹ اور اضطراب آپ سے کوسوں دور رہا۔ جب آپ کو مکہ سے ہجرت کر جانے کا حکم ہوا تو آپ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ غار ثور میں پہنچے

بیٹھے تھے - دشمن کھوج لگا کر غار کے منہ پر چلا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دشمن کے پاؤں دیکھے تو پریشانی اور اضطراب کے آثار ان کے چہرہ پر ظاہر ہوئے ۔ رسول کریم صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو گھبراہٹ میں دیکھ کر نہایت ہی اطمینان کے عالم میں کہا ۔ "گھبرائیے نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" یہ وہ موقعہ تھا جب بڑے بڑے بہادروں کے دل بیٹھ جاتے ہیں ۔

اس طرح جب سراقہ آپؐ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑا کر قریب پہنچا تو حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ آپ نہایت اطمینان کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے جا رہے تھے میں بار بار پیچھے دیکھتا تھا کہ کہیں دشمن قریب تو نہیں آگیا ۔

جنگِ اُحد میں جب کفار نے پیچھے سے دفعتہً حملہ کر دیا مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے ۔ اس وقت بھی آپؐ کوہ گراں کی طرح نہایت شجاعت کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہے ۔ جنگ حنین میں جب تیر اندازوں نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کر دیا اور مسلمان میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے ۔ لیکن رسول کریم صلعم اپنی جگہ پر کھڑے ہیں اور آواز دے رہے ہیں کہ "میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں "

کسی سفر میں اکیلے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے کہ ایک دشمن تلوار لے کر آپؐ کے سر پر آن پہنچا اور جگا کر کہا ۔ اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے ۔ آپؐ ذرا بھر بھی نہیں گھبرائے ۔ نہایت پُر رعب آواز سے کہا اللہ ۔ دشمن کے ہاتھ سے تلوار نیچے گر گئی ۔ تب آپؐ نے تلوار اٹھا کر کہا ۔ اب تم کو میری تلوار سے کون بچا سکتا ہے تو اس نے عاجزی کا اظہار کیا ۔ آپؐ نے اسے چھوڑ دیا ۔

۷ - امتیازی سلوک سے نفرت

صحابہ کرام کو رسول کریم صلعم کے ساتھ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کے وضو کے پانی کو زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے اس عقیدت کے باوجود آپؐ نے کبھی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا ۔ جنگ خندق کے موقعہ پہ آپؐ نے صحابہ کے ساتھ مل کر خندق کی کھدائی کی ۔ ایک دفعہ سفر میں کھانا پکانے کا وقت آگیا ۔ ہر آدمی کے سپرد کام ہوا ۔ آپ نے اپنے ذمہ لکڑیاں اکٹھا کرنے کا کام کیا ۔ صحابہ کرام نے ہر چند کہا کہ حضور آپؐ کے خادم حاضر ہیں ۔ لیکن آپؐ نے صحابہ کرام کے ساتھ برابر کا کام کیا ۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت آپؐ نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر کام کیا ۔

۸ - انکساری و تواضع

رسول کریم صلعم کی طبیعت میں انکساری اور تواضع کوٹ کوٹ کر بھری تھی ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا لیکن نبوت کا رعب اس قدر طاری ہوا کہ لرزنے لگا ۔ آپؐ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں بادشاہ نہیں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھاتی تھی ۔ ایک دفعہ رسول کریم صلعم گھر سے باہر تشریف لائے لوگ تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوئے

فرمایا اہلِ عجم کی طرح تعظیم کے لئے نہ اٹھو۔

ایثار: رسول کریم صلعم کی زندگی میں صفت ایثار ایک نمایاں حیثیت رکھتی تھی ایک روایت ہے کہ حضرت زبیرؓ کی دو صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہؓ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے افلاس کی شکایت کی اور عرض کیا کہ غزوہ میں کنیزیں آئی ہیں۔ ان میں سے دو ہم کو مل جائیں۔ آپ نے فرمایا بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں۔

ایک صحابی نے شادی کی۔ سامان ولیمہ کے لئے گھر میں کچھ نہ تھا۔ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ صحابی گیا اور ٹوکری آٹے کی لے آیا حالانکہ گھر میں اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔

ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا۔ رات کو کھانے کے لئے صرف بکری کا دودھ تھا۔ وہ آپ نے مہمان کو دے دیا اور آپؐ تمام رات فاقہ میں بسر کی۔ حالانکہ اس سے پہلی شب بھی آپ نے فاقہ میں کاٹی تھی۔

۹۔ سادگی

روزمرہ کے معمولات میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ اپنے ہاتھ سے کپڑے میں پیوند بھی لگا لیتے تھے۔ عدیؓ آپ سے ملنے کے لئے مدینہ آئے۔ وہ پہلے عیسائی تھے اور قبیلہ کے سردار، رسولِ خدا اس وقت مسجد میں تھے۔ انہوں نے مسجد میں آکر سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا۔ نام پوچھا اور ساتھ لے کر گھر کی طرف چلے۔ راستے میں ایک بڑھیا ملی۔ اس نے آپ کو روک لیا۔ اور بات چیت شروع کر دی۔ یہ باتیں کافی دیر تک جاری رہیں۔ عدیؓ حیرت میں تھے کہ یہ کیسا فرمانروا ہے۔ ایک عام عورت سے اس طرح پیش آتا ہے۔ عدیؓ خود بھی رئیس تھے اور رومیوں کا جاہ و حشم والا دربار دیکھا تھا، دل نے گواہی دی کہ یہ شخص بادشاہ نہیں ہے گھر پہنچے تو چمڑے کا ایک گدا تھا۔ رسولِ خدا نے گدی کی طرف اشارہ کیا اور خود اس کے ساتھ اس گدے پر بیٹھ گئے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ کی عادت تھی کہ کسی کو بُرا نہ کہتے تھے۔ جب آپؐ کو کسی دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں سے جو آسان ہوتی اسے اختیار کرتے، بشرطیکہ اس میں گناہ کا شبہ نہ ہو۔ کیونکہ گناہ سے آپؐ دور رہتے تھے۔ کبھی اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہ لیا لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا اس کے خلاف کارروائی کا حکم دیتے۔ یعنی احکام ربانی کے مطابق آپؐ اس کی سزا مقرر کرتے تھے۔ آپؐ نے نام لے کر کبھی کسی شخص پر لعنت نہیں کی اور کسی غلام یا لونڈی اور کسی عورت یا خادم یا جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ کسی کی درخواست رد نہ کرتے تھے۔ بشرطیکہ وہ ناجائز نہ ہو۔ آپؐ جب گھر میں تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے آتے۔ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں

ٹھہر ٹھہر کر کرتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ سکے۔

۱۰۔آدابِ گفتگو حضرت علی کا قول ہے کہ آپؐ خندہ جبیں تھے اور نرم خو، سخت مزاج اور سنگدل نہ تھے، نہ شور وغل کرتے، نہ کوئی بُرا کلمہ مُنہ سے نکالتے، نہ عیب جُو اور سخت گیر تھے۔ کوئی بات ناپسند ہوتی تو اغماض فرماتے، آپؐ کے نفس سے یہ تین باتیں بالکل خارج کر دی تھیں۔

۱۔ بحث ومباحثہ (۲) بے ضرورت باتیں (۳) بے مطلب بات میں پڑنا۔

آپ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے۔

۱۔ کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے (۲) کسی کی عیب گیری نہ کرتے (۳) کسی کی ٹوہ میں نہ لگتے۔

دوسروں کی خوشامد پسند نہ کرتے، نہایت فیاض، نہایت راست گو۔ نہایت حلیم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے اگر کوئی دفعتاً سامنے آجاتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہو جاتا، آپؐ سے محبت کرنے لگتا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ نرم خُو تھے۔ سخت مزاج نہ تھے کسی کی توہین روا نہ رکھتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار تشکر کرتے۔ کسی چیز کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ کھانا جس قسم کا آتا تناول کرتے اور اس کو بُرا نہ کہتے۔ اگر کوئی کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپؐ پسند نہ کرتے، لیکن ذاتی معاملہ میں آپؐ کو کبھی غصہ نہ آتا۔ نہ کسی سے انتقام لیتے۔

۱۱۔مروّت آپؐ مروت سے پیش آتے، ایک کافرہ عورت آپؐ کو ہر روز پریشان کرتی تھی ایک روز وہ نظر نہ آئی۔ آپؐ نے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ بیمار ہے۔ آپؐ اس کی عیادت کے لئے گئے وہ عورت آپؐ کی مروت اور اخلاق سے اتنا متاثر ہوئی کہ اسلام قبول کر لیا

ابن عباس سے روایت ہے کہ قریش کے سردار آپؐ سے کہتے کہ یہ بلال صہیب، عمار، خبّاب اور ابن مسعود جیسے غریب لوگ جو آپؐ کی صحبت میں بیٹھتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہم نہیں بیٹھ سکتے انہیں ہٹائیں تو ہم آپؐ کی مجلس میں آسکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے سرداران قریش کی یہ بات ماننے سے انکار کر دی۔ امام احمد نے اپنی مُسند میں ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ ایک اور شخص آپؐ کی موجودگی میں ابو بکرؓ کو بے تحاشہ گالیاں دینے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ وہ گالیاں سن کر مسکراتے رہے۔ آخر کار انہوں نے ایک سخت بات کہہ دی۔ رسول خدا وہاں سے فوراً ہٹ گئے، ابو بکر پیچھے پیچھے ہو لیے اور آپؐ سے پوچھا کہ پہلے وہ گالیاں دیتا رہا تو آپؐ مسکراتے رہے میں نے اسے ایک بات کہہ دی تو آپؐ وہاں سے اُٹھ آئے۔ حضورؐ نے جواب دیا کہ جب تک تم خاموش تھے۔ ایک فرشتہ تمہارے ساتھ رہا جو تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا لیکن

جب تم نے جواب دیا تو فرشتے کی جگہ شیطان آگیا۔ میں شیطان کے ساتھ تو نہ بیٹھ سکتا تھا۔

غزوہ حنین کے مال غنیمت میں حلیمہ کی بیٹی شیما بھی تھیں۔ ۔ ۔ ۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے نبی کی رضاعی بہن ہوں۔ وہ اسے آپؐ کے پاس لے آئے۔ حضورؐ نے شیما کو پہچان لیا اور ان کے بیٹھنے کے لئے خود چادر بچھائی۔ آپؐ کی آنکھوں میں فرط محبت سے آنسو بھر آئے اور آپؐ نے اپنی رضاعی بہن کو چند اونٹ اور بکریاں عنایت فرمائیں اور کہا جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور گھر جانا چاہو تو وہاں چلی جاؤ۔ چنانچہ عزت واحترام سے انہیں ان کی خواہش کے مطابق گھر بھیج دیا۔

۱۲۔ خوراک اور لباس

آپؐ کی خوراک نہایت سادہ تھی۔ پُرتکلف نہ تھی جو کھانے کے لئے آتا کھا لیتے۔ اس میں نقائص نہ نکالتے تھے۔ لیکن طبیعت میں نفاست تھی۔ بٹری اور بدبُودار چیز نہ کھاتے۔ برتن صاف ستھرے پسند کرتے۔ منہ سے بدبو آنے والی چیز نہ کھاتے تھے۔ آپؐ سفید لباس زیب تن کرتے لیکن ریشمی لباس کو مردوں کے لئے پسند نہ کرتے تھے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن لیتے۔ لیکن غلیظ اور بدبودار کپڑے نہ پہنتے تھے۔ مسواک کا روزانہ استعمال کرتے خوشبو کا استعمال شوق سے کرتے۔ سر میں کنگھی کرنے کا بدستور شوق رہا۔ کھانے کی دعوت قبول کر لیتے۔ لیکن بلا دعوت کسی کے گھر نہ جاتے۔ کھانا کھاتے وقت تکیہ کا استعمال نہ کرتے اور نہ زیادہ بات چیت کرتے۔ رکابی میں اپنے سامنے سے کھاتے۔ شہد خاص طور پر مرغوب تھا۔

۱۳۔ استقامت

ارشاد الٰہی ہے وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (شوریٰ) اور قائم رہ جیسا کہ تجھے فرما دیا حضورؐ اپنے قول وفعل پر قائم رہتے۔ ان کی ساری زندگی استقلال سے عبارت تھی۔ جب آپؐ نے اعلان نبوت کیا تو اہل مکہ نے ابوطالب سے عرض کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو اس نئے دین کی تعلیم سے باز رکھیں۔ ورنہ ہم دونوں فریقوں میں سے ایک ہلاک ہو جائے گا۔ اسی دھمکی نے ابوطالب کو پریشان کر دیا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ قریش اپنی بات کے پکے ہیں انہوں نے آپؐ کو بلایا اور بڑے درد انگیز لہجے میں کہا کہ اتنا بوجھ مجھ پر نہ ڈالو کہ جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔ اس پر آپؐ نے جواب دیا کہ اے چچا۔ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں۔ تب بھی میں اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہاں تک کہ خدا اسے پورا کر دے یا میں خود اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔ یہ کہتے کہتے حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہاں سے اٹھ کر چلے ہی تھے کہ ابوطالب نے آواز دی اے بھتیجے ادھر آ۔ حضورؐ واپس آئے تو آپ نے کہا کہ تمہارا جو جی چاہے کرو۔ میں ہرگز تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ قریش نے عمارہ بن مغیرہ کو ابوطالب کے پیش کیا اور کہا "تم اس لڑکے کو اپنی فرزندی میں لے لو۔ اور اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو۔" ابوطالب نے کہا کہ خوب مشورہ ہے کہ میں اپنے فرزند کو تو تمہارے ہاتھوں ہلاک ہونے کے لئے چھوڑ دوں اور تمہارے لڑکے

کی پرورش کروں۔ اہلِ مکّہ نے آپؐ کو دولت کا لالچ دیا۔ شادی کے لیے حسین عورت کی پیش کش کی اور کہا اگر تم پہ کوئی جن یا آسیب ہے تو بتاؤ ہم عرب کے بہترین کاہنوں، طبیبوں اور جھاڑ پھونک کرنے والوں کو تمہارے علاج کے لئے بلاتے ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا کہ میں نہ مال و دولت جمع کرنا چاہتا ہوں نہ مجھے سرداری اور بادشاہت کی تمنّا ہے نہ کسی عورت پر مائل ہوں نہ بیمار ہوں نہ آسیب زدہ ہوں۔ مجھے تو اللہ نے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔ میں تمہیں اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں، تم میرے پیغام کو قبول کر لو۔ اسی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

قریش اپنی تمام کوششوں میں ناکام ہو گئے تو آپؐ کو اپنے خاندان سمیت شعب ابو طالب میں محصور کر دیا۔ لیکن آپؐ کو لغزش نہ آئی اور اپنے ایمان میں استقامت قائم رکھی۔

۱۴۔ ایفائے عہد

قرآن مجید میں ایفائے عہد کے متعلق آتا ہے "اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی حفاظت کرتے ہیں" (۲۳ : ۸) "اپنا عہد پورا کرو۔ (قیامت کے دن) عہد کی پوچھ ہوگی" (بنی اسرائیل) آپؐ وعدہ کے پکے اور اس سے انحراف نہ کرتے تھے جو شخص اپنا وعدہ پورا نہ کرے اس کو دوست نہ رکھتے تھے۔ قیصر روم نے جب ابو سفیان سے آپؐ کے متعلق پوچھا تو اس نے بھی جواب دیا تھا کہ آپؐ نے کبھی بدعہدی نہیں کی۔ ابو رافع ایک غلام تھے۔ زمانہ کفر میں قریش کا کوئی پیغام لے کر مدینہ آئے اور یہاں سے جانے سے احتراز کرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں عہد شکنی نہیں کر سکتا اور نہ قاصد کو روک سکتا ہوں۔ تم ایک مرتبہ مکہ جاؤ۔ اگر پھر تمہارا دل چاہے تو مدینہ چلے آنا۔ صلح نامہ حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کا کوئی شخص مدینہ گیا تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ ابھی معاہدہ کی تفصیلات طے ہو رہی تھی کہ ابو جندلؓ مکہ سے بھاگ کر آپؐ کے پاس آن پہنچا، وفد مکہ نے مطالبہ کیا کہ اسے ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ ابھی معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئے تھے لیکن آپؐ نے کہا کہ چونکہ ہم زبانی عہد کر چکے ہیں۔ اس لئے ابو جندلؓ کو واپس کر دیا۔ عبداللہ ابن حمسا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے آپؐ سے کوئی تجارتی معاملہ طے کیا اور تین دن کا وعدہ کر لیا تیسرے دن آیا تو آپؐ اس جگہ موجود تھے۔ ایفائے عہد نہ کیا جائے تو عہد و پیمان کی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی اسی لئے اسلام کے اجتماعی نظام میں اس کی قدر و منزلت کے لئے آپؐ نے اپنی زندگی کے نمونے پیش کئے۔

۱۵۔ امن پسندی

اسلام نے امن و سلامتی کا راستہ قائم کیا ہے۔ آپؐ نے ہمیشہ امن پسندی کی تبلیغ کی۔ معاہدہ مدینہ صرف امن و امان قائم رکھنے کے لئے طے کیا گیا تھا۔ حضورؐ نے فتح مکہ تک جتنی جنگیں لڑیں وہ جارحانہ نہ تھیں بلکہ مدافعانہ تھیں۔ البتہ جب مخالفین اور یہودیوں نے سازشیں کیں تو بعض امن و امان کی خاطر ان کے خلاف جنگیں لڑی گئیں غزوہ تبوک

کے موقع پر آپؐ تیس ہزار فوج لیے آگے بڑھے۔ لیکن جب دشمن مقابلہ کے لئے نہ آیا تو اس کے علاقہ پر جارحانہ حملہ نہیں کیا۔ بلکہ آپؐ خاموشی سے واپس آگئے۔ یہ اسلام کی امن دوستی تھی جس نے دوسروں کو قائل کر لیا تھا۔ آپؐ بلا وجہ جنگ سے گریز کرتے اور اسے طول نہ دیتے تھے۔ آپؐ کا حکم تھا کہ میدانِ جنگ میں بھی پہل نہ کی جائے بلکہ جب دشمن حملہ کے لیے للکارے اور خود ہتھیار اٹھائے تو اس وقت جوابی کارروائی کی جائے۔ میدان جنگ میں قیدیوں کے لئے اعلیٰ سلوک کا حکم تھا جو لوگ جنگ بدر میں ہاتھ آئے۔ ان میں سے اکثر کو تعلیم دینے کے عوض رہا کر دیا گیا۔

۱۶۔ اخوت اور مساوات

قرآن میں آتا ہے "اِنَّمَا المومِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" (الحجرات: آیت ۵) مومن بھائی بھائی ہیں۔۔۔۔ آپؐ کی مساوات قابلِ تقلید ہے۔ آپؐ عجمی اور عربی، گورے اور کالے کے درمیان کوئی امتیاز نہ کرتے۔ آپؐ کہا کرتے تھے کہ سب لوگ ایک آدم کی اولاد ہیں۔ جن کا خمیر مٹی سے اٹھایا گیا۔ مرنے کے بعد سب مٹی میں دفن ہو جائیں گے۔ کسی انسان کی بزرگی اور عظمت اگر کسی چیز سے واضح ہو سکتی ہے تو وہ ہے "تقویٰ" آپؐ نے اپنے حسنِ اخلاق اور تقویٰ کی ایسی مثالیں پیش کیں کہ پورے تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی حضورؐ اسیرانِ جنگ اور غلاموں کو تہہ تیغ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان سے درگزر سے کام لیتے۔ آپؐ نے ہر انسان کے بنیادی حقوق تسلیم کئے اور انہیں قانون کی نظروں میں مساوی درجہ دیا۔ آپؐ نے امیری اور غریبی کا امتیاز ختم کیا۔ اور اسلام کا عادلانہ نظام رائج کیا۔ جہاں ہر شخص کا جان اور مال محفوظ تھا۔ آپؐ نے بلند منصب پر فائز ہونے کے باوجود آپؐ روزمرہ کے کاموں میں برابر کا حصہ لیتے۔ جنگ خندق کے موقع پر دوسروں کے ساتھ کھدائی کے کام میں شرکت کی مسجد نبوی کی تعمیر میں آپؐ بھی دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرتے۔۔۔

۱۷۔ عفو

قرآن میں آتا ہے خُذِ الْعَفْوَ (اعراف: ۹۹) معاف کرنے کی عادت ڈالو۔ عبداللہ بن ابی مدینہ کا سب سے بڑا منافق تھا اور رسول خداؐ کے خلاف قریش مکہ سے ساز باز جاری رکھتا تھا۔ قریش نے اسے لالچ دیا تھا کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو گے تو ہم تمہیں مدینہ کا بادشاہ بنا دیں گے۔ اس نے جنگ احد میں کافی تعداد میں لوگوں کو گمراہ کیا اور جب فوجیں میدان جنگ کی طرف بڑھی تھیں تو ان کا ایک حصہ گمراہ کر کے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کا لڑکا مسلمان ہو گیا۔ اور ایک دن آپؐ کے حضور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ اگر اجازت دیں تو میں اپنے باپ کو قتل کر دوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے کچھ نہ کیا تو کوئی دوسرا میرے باپ کو قتل کر دے گا۔ اس وقت مجھے جوش غیرت میں اس آدمی کو قتل کرنا پڑے گا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا نہیں میں تمہارے باپ کو قتل نہیں کرانا

چاہتا۔ بلکہ اسے موقع دوں گا کہ وہ اپنی اصلاح کرے۔ عبداللہ بن ابی راہ راست پر نہ آیا۔ جب وہ مرا تو حضور کی شان دیکھئے کہ انہوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور مبارک کرتا اس کے کفن کے لئے عنائت فرمایا۔

فتح مکہ کے موقع پر جب آپ تقریر کر رہے تھے تو آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ اے اہل مکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ سلوک کرنے والا ہوں (یعنی جو سلوک تم میرے ساتھ کرتے رہے ہو تمہیں پتہ ہے کہ اس کا بدلہ لیا جائے گا) اہل مکہ موقع شناس تھے۔ کہنے لگے ہم جانتے ہیں۔ آپؐ کریم ہیں اور کریم باپ کے بیٹے ہیں اس پر آپؐ نے فرمایا کہ پھر جاؤ۔ تم سے آج کوئی بازپرس نہ ہوگی۔ تم سب کے سب آزاد ہو۔

۱۸۔ میانہ روی

قرآن مجید میں آتا ہے "وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل) اور اس کے درمیان راہ ڈھونڈ"۔ آپؐ کو میانہ روی بہت پسند تھی۔ آپؐ کا قول ہے "خیرالامور اوسطہا" تمام امور میں میانہ روی بہتر ہے۔ آپ کھل کر ہنستے بھی نہ تھے بلکہ صرف مسکرا دیتے تھے۔ طویل گفتگو نہ کرتے تھے۔ ضرورت سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔ عبداللہ بن عمرو روزانہ روزہ رکھتے اور ساری رات عبادت میں گزار دیتے۔ آپؐ نے انہیں میانہ روی اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو۔ اور کچھ وقت کے لئے چھوڑ بھی دو۔ رات کو عبادت کرو۔ لیکن سونے کا وقت ضرور نکال لو۔ دیکھو تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھ کا بھی کچھ حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی کچھ حق ہے۔" اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون نے جب راتیں نماز میں دن روزہ میں بسر کرنا شروع کیا تو آپؐ نے ان کو روکا اور فرمایا تمہارے ذمہ اور بھی حقوق ہیں۔

۱۹۔ خوش مزاجی

حضور اعلیٰ ذہانت کے مالک تھے۔ آپؐ خوش مزاج تھے۔ لیکن مزاج کا درجہ قائم رکھتے ایک مرتبہ ایک عورت نے آپؐ سے التجا کی کہ میرے لئے جنت کی دعا فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں نہ جائیں گی۔ وہ عورت غمگین ہو گئی۔ آپؐ نے محسوس کیا کہ اس کی دل آزاری ہوئی ہے۔ فوراً فرمایا کہ جنت میں جانے سے پہلے سب کو جوان کیا جائے گا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے ازراہ مذاق حضرت سودہ کے منہ پر آٹا مل دیا۔ آپؐ مسکرائے اور حضرت سودہؓ سے کہا کہ تم بھی عائشہؓ کے منہ پر آٹا مل دو تاکہ حساب برابر ہو جائے۔ آپؐ ہر انسان سے خوش خلقی سے پیش آتے اور سلام میں پہل کرتے۔

۲۰۔ ایثار

قرآن مجید میں آتا ہے۔ "وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (حشر ۵۹ : ۹) اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو۔ دوسروں کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔

دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھنا بھی ایثار ہے۔ خود بھوکا رہے دوسروں کو کھلائے۔ خود تکلیف اٹھائے دوسروں کو آرام دے۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک چادر آپ کو تحفہ پیش کی اور آپ نے قبول فرمالیا۔ آپ کو تحفہ پیش کی اور آپ نے قبول فرمالیا۔ آپ کو اس چادر کی اشد ضرورت تھی۔ جب آپؐ زیب تن فرما چکے تو ایک شخص نے کہا۔ کیسی اچھی چادر ہے۔ آپؐ نے اتار کر اس کو دے دی۔ لوگوں نے ملامت کی اور کہا تم جانتے ہو کہ حضور کو چادر کی ضرورت تھی اور آپؐ نے کبھی سائل کے سوال کو رد نہیں کیا۔ پھر تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے جواب دیا۔ ہاں میں یہ دونوں باتیں جانتا ہوں۔ لیکن میں نے حصول برکت کی غرض سے کیا ہے میں وصیت کر جاؤں گا کہ میرے مرنے کے بعد اس چادر کا مجھ کو کفن دیا جائے اور اس میں دفن کیا جائے (بخاری)

۱۲۔ شرم وحیا قرآن مجید میں رسول کریم صلعم کی مدح میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ (الاحزاب ۳۳:۵۳) یعنی تمہاری اس بات سے رسول کو ایذا پہنچتی ہے تو تم سے شرماتا ہے۔

ابو سعید خدری رضؓ کہتے ہیں کہ پردہ نشین لڑکی سے بڑھ کر نبی کریم صلعم میں حیا تھی (صحیح بخاری)

جب کوئی عذرخواہ سامنے آکر معافی کا طالب ہوتا تو رسول کریم صلعم شرم سے گردن جھکا دیتے (شفاء ص۵۲)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلعم کو برہنگی میں کبھی نہیں دیکھا۔

رسولِ کریم صلعم کا نظامِ حکومت

رسولِ کریم صلعم کی بعثت سے قبل تمام عرب قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ ہر قبیلہ کا سردار الگ الگ ہوتا تھا۔ عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی۔ تمام قبائل ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے۔ لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا۔

رسول کریم صلعم نے دعوت نبوت کے بعد تمام عرب کو اتحاد اور اخوت کی لڑی میں منسلک کر دیا۔ اور خدا سے الہام پاکر ایک مکمل ضابطہ حیات دیا جس کا دائرہ ایک فرد کی انفرادی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی تک پھیلا ہوا ہے۔

مکہ میں کفار کی سخت مخالفت کی وجہ سے ایسے حالات نہیں تھے کہ اجتماعی زندگی کا آغاز کیا جا سکے۔ جب رسول کریم صلعم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اسلامی مملکت کی بنیاد پڑ گئی۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی میثاق مدینہ تھا۔ یہ معاہدہ یہود مدینہ اور مسلمانوں کے درمیان ہوا

جس کی بنیاد مذہبی آزادی، مشترکہ دفاع باہمی اتحاد اور مشترکہ مفاد کی نگہداشت کے اصولوں پر رکھی گئی تھی۔

رسولِ اکرم صلعم کے عہد مبارک میں اسلامی سلطنت کے نظام کے اہم خدوخال حسب ذیل ہیں:۔

اسلامی قانون کا سرچشمہ

۱۔ قرآن مجید اسلامی قانون کا سرچشمہ قرآن مجید تھا۔ جو وقتاً فوقتاً عندالضرورت اللہ تعالیٰ رسول کریم صلعم پر جبرائیل کے ذریعہ لفظاً اور معناً نازل فرماتا تھا۔ قرآن مجید تقریباً ۲۳ سال آپ پر نازل ہوتا رہا۔ اس میں اصولی طور پر ان تمام امور کو بیان کر دیا گیا ہے جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔

۲۔ حدیث اسلامی قانون کا دوسرا سرچشمہ رسول کریم صلعم کی اپنی ذات تھی۔ جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو رسولِ کریم صلعم خود اس کو حل کر دیتے تھے۔ صحابہ کرام کا بھی یہی عمل تھا کہ کسی مسئلہ کے حل کرنے کے لئے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے اگر وہاں سے کوئی واضح حکم نہ پاتے تو پھر رسول کریم صلعم کے اقوال کی طرف رجوع کرتے۔

۳۔ اجتہاد رسولِ کریم صلعم نے صحابہ کرام کو اجتہاد کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ جب مجھے رسول کریم صلعم نے یمن بھیجا تو فرمایا اگر تمہارے سامنے کوئی فیصلہ پیش آجائے تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا کتاب اللہ کی روشنی میں اس کا فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ہو انہوں نے کہا جو رسول نے فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا وہ فیصلہ ان میں سے بھی نہ ہو۔ جس کا رسول نے فیصلہ کیا ہو تو پھر کیا کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ رسول کریم صلعم کے عہد مبارک میں اسلامی قانون کے تین سرچشمہ تھے۔ پہلا قرآن مجید دوسرا حدیث۔ تیسرا اجتہاد۔

۴۔ مقتدر اعلیٰ اس کائنات کے رنگ و بو کا خالق کون ہے؟ یہ دنیا وجہاں کس کے اشارے پر قائم ہے۔ رات دن صبح شام، دھوپ، بارش، سورج اور چاند کا طلوع ہونا اور غروب ہونا۔ انسان کی موت و حیات آخر کس کے قبضہ میں ہے؟۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ (الا لہ الحکم (۶۲:۶) مخلوق اللہ تعالےٰ کی ہے اس لئے حکم بھی اسی کا چلے گا۔ چونکہ وہ خود

خالق ہے۔ اسی لئے اس کے حکم کے مطابق ہی۔۔۔۔ کائنات کا ہر ذرہ حرکت میں آتا ہے اس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا۔ پوری دنیا اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی ساری کائنات کا منتظم اور مالک، مدبر اور فرمانروا ہے۔" تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ہی زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔۔۔۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہی ہے (لقمٰن) وہ آسمان اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے (سبا) کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ کوئی معبود اس کے سوا نہیں (فاطر) تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے جو زمین اور آسمان کا اور تمام ان چیزوں کا مالک ہے جو زمین و آسمان میں ہیں (الصّٰفّٰت) اللہ ہے اکیلا اور سب پر غالب ہے، (الزمر) آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے، وہ اسی کا ہے، وہ برتر اور عظیم ہے (الشوریٰ) وہی زندگی عطا کرتا ہے۔ وہی موت دیتا ہے (الدخان) پس تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو زمین اور آسمانوں کا مالک ہے اور سارے جہان والوں کا پروردگار ہے۔ زمین اور آسمانوں میں بڑائی اسی کے لئے ہے اور وہی زبردست اور دانا ہے"

زمین و آسمان کی مخلوقات کا کوئی خبرگیر اس کے سوا نہیں اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا (الکھف) وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں (الفرقان)

کلام پاک میں خدا کی جو صفات بیان کی گئی ہیں۔ ان کو احاطۂ علم میں لانے کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات خالق ہے۔ اس نے اس کائنات کو تخلیق کیا۔ اس لئے اس کے اپنے حکم کے مطابق وہی اسلامی ریاست (اور وہ اس لئے کہ اس کے اس مذہب کو پسند کیا۔ اور رسولؐ کو اسی کے لئے مبعوث کیا) کا مقتدر اعلیٰ ہے۔ سارے اختیارات اسی کے پاس ہیں۔ اس نے ان اختیارات کو زمین پر استعمال کرنے کے لئے اپنا آخری نبیؐ یہاں بھیجا۔

۵۔ سربراہِ مملکت

نبیؐ خدا کی طرف سے مبعوث کئے گئے۔ اس نے اپنے رسولؐ کے ذریعے رشد و ہدایات جاری کیں۔ یہ احکامات وحی کے ذریعے نازل ہوئے۔ جو آیات مقدسہ آپؐ پر نزول ہوئیں۔ وہ سب کی سب کلام پاک میں درج ہیں۔ اللہ نے اپنے احکامات جاری کرنے کا اختیار رسول پاکؐ کو دیا۔ اس لئے حکم ربی ہے کہ اطاعت کرو میری اور میرے رسولؐ کی۔ مزید کہا کہ" خدا کی قسم یہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے باہمی تنازعات میں رسولؐ کو فیصلہ کن حیثیت نہ دے دیں اور اس کے فیصلہ کو نہ مان لیں" اس طرح سے قرآنی احکامات کی روشنی میں دنیا میں رسولؐ خدا کی حیثیت خلیفۃ اللہ کی بھی جو

منتظم بھی تھا۔ منصف بھی تھا اور فوج کا سپہ سالار بھی تھا۔ ان تمام اختیارات کا وہی سرچشمہ تھے اور وہ ان اختیارات کو اپنی مرضی سے نہیں، بلکہ خدا کے ارشاد کی روشنی میں استعمال کرتے تھے موجودہ اصطلاح میں خدا کے رسول مطلق العنان آمر، جابر اور سلطان نہ تھے بلکہ ان کی حیثیت ایک نائب خدا کی تھی، وہ صرف خدا کے بھیجے ہوئے رسول تھے۔ وہ خدا جو مقتدر اعلیٰ ہے۔ جو خالق کائنات ہے اس لئے رسول کی ذات کو چیلنج نہ کیا جا سکتا تھا کیونکہ ان کا اسوۂ حسنہ قابل رشک اور قابلِ تقلید تھا۔ احکام خداوندی کی تشریح اور وضاحت آپ ہی کے ذمہ تھی۔ کیونکہ وہی ان امور کو جانتے تھے۔ خدا کی جانب سے جو ہدایات جاری ہوتیں۔ پہلے وہ خود اس پر عمل کرتے اور پھر نمونہ بن کر دوسروں کو اس کے اتباع کی تلقین کرتے۔ رسول کی اطاعت اسی لئے لازمی قرار دی گئی کہ ان کے ذریعہ ہی خدا کے احکام اور فرائض لوگوں تک پہنچتے تھے۔ پھر اگر مسلمانوں کے درمیان یا حکومت اور رعایا کے درمیان کسی وقت نزاع پیدا ہو جائے تو اس میں فیصلہ کے لئے قرآن اور سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۶۔ شوریٰ

قرآن مکمل ضابطۂ حیات ہے، اللہ کی ذات مکمل اور با اختیار ہے، رسول اس کے آخری نبی ہیں اور سربراہِ مملکت ہیں۔ ان تین چیزوں کی موجودگی میں شوریٰ کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی جب تمام احکامات بالکل واضح موجود تھے تو پھر کسی مسئلہ کے بارے میں مشورہ کی ضرورت کیوں لاحق ہوتی ہے۔ کلام پاک نے خود ہی اس کا جواب دیا ہے آل عمران میں ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران آیت ۱۵۸) اور ان سے باتوں (کاموں) میں مشورہ لیتے رہا کیجئے، دوسری جگہ آتا ہے۔ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ آیت ۳۸) اور ان کا حکم آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے رسول کریم صلعم فرماتے ہیں جس قوم نے باہمی مشورہ لیا اس قوم نے فلاح پائی شوریٰ کا قیام ہی اسلام میں جمہوریت کی راہ ہموار کرتا ہے۔ خدا اس کے قرآن اور اس کے نبیؐ کی موجودگی میں صلاح و مشورے دنیاوی امور میں ضروری تھے لیکن احکامات خداوندی میں ترمیم و تنسیخ کے لئے جگہ نہ تھی۔ جنگ بدر کے موقع پر آپ نے شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور دوسری تمام جنگوں میں اصحاب سے مشورہ لیا اور ٹھیک سمت میں جنگی کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔ لیکن دین کے معاملہ میں کسی کے صلاح و مشورہ کی ضرورت نہ تھی۔ وہ صرف احکامات خداوندی تھے۔ جن میں شبہ کی گنجائش ممکن نہ ہو سکتی تھی۔ مجلس شوریٰ کے اجلاس مسجد نبوی میں منعقد کئے جاتے تھے۔ اس کے لئے پہلے سے باقاعدہ اعلان کر دیا جاتا۔ حضورؐ سب کی باتیں بڑے غور سے سنتے اور ان کے قابلِ عمل پہلوؤں کا جائزہ لیتے پھر کوئی فیصلہ کرتے۔ کلام پاک میں واضح کیا گیا ہے کہ مومنین کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ (وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ) لیکن صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر آپ نے جو فیصلہ کیا

و اس پر قائم رہے اور صلح نامہ کی شرائط پر دستخط کر دیئے۔ جہاں تک جنگوں کی تیاری کا تعلق تھا۔ سب سے رائے لی جاتی اور امداد طلب کی جاتی۔ لیکن میدانِ جنگ میں آپؐ ایک اعلیٰ کمانڈر کی حیثیت سے فوجوں کی خود کمان کرتے تھے۔

۷۔ اصول سلطنت آپؐ سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے امت کو ۵ چیزوں کا حکم دیا ہے۔

۱۔ الجماعتہ : اجتماعی نظم کو قائم کرو۔
۲۔ والسمع : امیر کے حکم کی فرمانبرداری کرو۔
۳۔ والطاعتہ : حکم کی تعمیل اور اطاعت کرو۔
۴۔ والہجرۃ : اجتماعی مطمح نظر کے لئے وطن سے ہجرت کرو۔
۵۔ والجہاد : خدائے واحدہ لاشریک کے راستہ میں جہاد کرو۔

آپؐ نے فرمایا کہ جو فرد جماعت سے ایک بالشت بھی علیٰحدہ ہوگا، وہ رشتۂ اسلام سے کٹ جائے گا جو زمانۂ جاہلیت کی طرف لوٹ جاتے گا۔ اس کا مقام جہنم ہے۔

۸۔ فرمانروا قرآن مجید اسی صراحت اور تکرار کے ساتھ بکثرت مقامات پر یہ بات بھی کہتا ہے کہ نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حاکم و فرمانروا تھے۔ اور آپ کو یہ منصب بھی رسولؐ نبی کی حیثیت سے عطا ہوا تھا۔

"ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی" (النساء ۶۴)

"جو رسولؐ کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی" (النساء: ۸۰)

"(اے نبیؐ) یقیناً جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں" (الفتح - ۱۰)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کر لو" (محمد - ۳۳)

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسولؐ کر دے تو پھر ان کے لئے اپنے اس معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کر لینے کا اختیار باقی رہ جائے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا" (الاحزاب ۔ ۳۶)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی۔ جو تم میں سے اولی الامر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اس کو

پھیر دو اللہ اور رسولؐ کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اللہ اور روز آخر پر"۔
(النساء - ۵۹)

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ رسولؐ کوئی ایسا حاکم نہیں ہے جو خود اپنی قائم کردہ ریاست کا سربراہ بن بیٹھا ہو۔ یا جسے لوگوں نے منتخب کر کے سربراہ بنایا ہو۔ بلکہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے مامور کیا ہوا فرمانروا ہو۔ اس کی فرمانروائی اس کے منصب رسالت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا رسولؐ ہونا ہی اللہ کی طرف سے اس کا حاکم مطاع ہونا ہے۔ اس کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ اس سے بیعت دراصل اللہ سے بیعت ہے۔ اس کی اطاعت نہ کرنے کے معنی اللہ کی نافرمانی کے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس آدمی کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں مقبول نہ ہوگا جو ایمان لانے کے بعد رسول کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر نہیں رکھتا۔

ان تمام تصریحات سے بڑھ کر صاف اور قطعی تصریح آخری آیت کرتی ہے۔ جس میں یکے بعد دیگرے تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔

سب سے پہلے اللہ کی اطاعت۔ اس کے بعد رسولؐ کی اطاعت پھر تیسرے درجے میں اولی الامر کی اطاعت۔

پھر تو خدا بھی اولی الامر نہ ہوا حالانکہ فرمان الٰہی ہے کہ الا لہ الخلق والامر

اس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ رسولؐ اولی الامر میں شامل نہیں ہے بلکہ انؐ سے الگ اور بالاتر ہے اور اس کا درجہ خدا کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ دوسری بات جو اس آیت سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ اولی الامر سے نزاع ہو سکتا ہے۔ مگر رسولؐ سے نزاع نہیں ہو سکتا۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نزاعات میں فیصلے کے لئے مرجع دو ہیں۔ ایک اللہ۔ دوسرا اس کے بعد اللہ کا رسولؐ۔ ظاہر ہے اگر مرجع صرف اللہ ہوتا تو صراحت کے ساتھ رسولؐ کا ذکر محض بے معنی ہوتا پھر جبکہ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے مراد کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو رسولؐ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ عہد رسالتؐ میں خود ذات رسولؐ کی طرف اور اس عہد کے بعد سنت رسولؐ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۹۔ قانون کے تابع

اسلامی حکومت میں رئیس مملکت سے لے کر عام رعایا تک قانون کے تابع زندگی بسر کرتی ہے حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قانون کے تابع رہنے کی ہدایت کی ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ آیت ۴۹) پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

أُولٰئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ (المجادلہ آیت ۲۰) جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں ایک اور جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ (المائدہ آیت ۴۴) اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

۱۰۔ مرکزی حکومت رسولِ خدا کو فرمانروائی کا منصب رسولؐ کی حیثیت میں ہی حاصل ہوا تھا آپؐ عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ کے افسرِ اعلیٰ تھے۔ حکومت نسلی قبائلی نظام پر نہیں بلکہ دینی وحدت اور اسلامی مساوات پر قائم ہوئی تھی، مدینہ دارالحکومت قرار پایا۔ اس شہر کا نظم و نسق آپؐ کے ہاتھ میں تھا۔ جب کبھی آپؐ مدینہ سے باہر گئے تو آپؐ کسی نہ کسی صحابی کو اپنا قائم مقام مقرر فرما جاتے۔ مسجد نبویؐ سے ملحقہ رہائش گاہ آپؐ کی سرکاری اقامت گاہ تھی۔ تمام فیصلے مسجد نبویؐ میں طے پاتے یہی پارلیمنٹ تھی۔ اور یہی سول سکرٹریٹ اہم فیصلوں کے لئے شوریٰ کا اجلاس طلب کیا جاتا اور آپؐ ان کے فیصلوں کا احترام کرتے اور انہیں عملی جامہ پہناتے۔ جنگِ احد کے وقت آپؐ شہر میں دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن عوام کی رائے کے مطابق آپؐ کھلے میدان میں جنگ لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ مجلس شوریٰ کے فیصلے احکام خداوندی پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ ان دنوں کوئی باقاعدہ دفتر قائم نہ تھا لیکن وحی قلم بند کرنے کے لئے متعدد صحابہ کی خدمات حاصل کی جاتیں۔ زبیرؓ صدقات اور زکوٰۃ کا حساب رکھتے۔ مغیرہؓ معاہدے تحریر کرتے۔ زیادہؓ غیر ملکی خط و کتابت کے انچارج تھے۔ حضرت حنظلہؓ کے پاس مہر نبوتؐ رہتی۔

۱۱۔ عدلیہ مدینہ میں عدلیہ کے جملہ امور رسولؐ خدا انجام دیتے۔ مقدمات کا فیصلہ قرآن کی روشنی میں کیا جاتا۔ دوسرے علاقوں میں مقدمات کا فیصلہ قاضی کیا کرتے تھے جن کا تقرر رسولؐ خدا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبل کو حضور نے خود یمن کا قاضی مقرر کیا تھا۔ رسول کریم صلعم کی زندگی بے داغ اور مثالی تھی۔ اس لئے کسی کو آپؐ پر انگشت نمائی کا موقع نہ ملتا۔ آپؐ خود ساختہ جج نہ تھے بلکہ رسولؐ کی حیثیت سے ہی یہ منصب آپؐ کے ہاتھ میں تھا۔ آپؐ کے فیصلے عوام پر نافذ العمل تھے۔

۱۲۔ افتاء افتاء کے فرائض آپؐ خود انجام دیتے تھے لیکن بعض صاحب علم بھی اس خدمت کو بجا لاتے تھے۔

۱۳۔ مصالحت جہاں نزاع ہوتی وہاں فریقین میں مصالحت کرا دی جاتی تھی، چنانچہ قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے درمیان نزاع پیدا ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ چند صحابہ کے ساتھ مصالحت کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔

ایک دفعہ اہلِ قبا کے درمیان نزاع ہوئی اور لوگوں نے ایک دوسرے پر سنگ باری کی حضور کو اطلاع ملی تو آپؐ صحابہ کے ساتھ کافی دور پیدل تشریف لے گئے۔

۱۴۔ پولیس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ابتدائی شکل پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ قیس بن سعد اس فریضہ کو انجام دیتے تھے اور ہمیشہ آپؐ کے ساتھ ہوتے تھے۔ باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی قائم نہیں ہوا۔ اس کی ابتداً بنو امیہ کے عہد میں ہوئی۔

۱۵۔ جلاد مجرموں کی گردن مارنے کے لئے حضرت زبیر، حضرت علی، مقداد بن الاسود، محمد بن مسلم، عاصم بن ثابت، ضحاک بن سفیان کلابی کے سپرد تھی۔

۱۶۔ محکمہ احتساب اس محکمہ پر کوئی خاص آدمی تو بطور محتسب مقرر نہیں تھا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بازار میں ناپ تول اور اشیا فروخت کا معائنہ فرماتے۔ ایک دفعہ آپؐ بازار میں تشریف لے گئے وہاں غلہ کا انبار لگا ہوا تھا۔ اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس ہوئی۔ دکان دار سے فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگا ہوا ہے ارشاد ہوا کہ اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا تاکہ ہر شخص کو نظر آتے پھر فرمایا جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔

گورنروں۔ عمال کا محاسبہ بھی فرماتے تھے، جب وہ زکوٰۃ اور صدقات وصول کر کے آتے تو آپؐ ان کا جائزہ لیتے کہ انہوں نے ناجائز طریقہ تو استعمال نہیں کیا۔ ایک بار ابن اللبتہ کو صدقہ کی وصولی کے لئے مامور فرمایا۔ وہ کام سے واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ فلاں مال مجھے ہدیہ میں ملا ہے آپؐ نے فرمایا "گھر بیٹھے تم کو ہدیہ کیوں نہیں ملا" اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں آپؐ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی۔

۱۷۔ فوجی نظام رسولِ خدا ایک بہترین فوجی جرنیل تھے۔ آپ میدان جنگ میں خود فوج کی قیادت کرتے۔ آپ نے بدر، اُحد، احزاب، حنین، خیبر اور مکہ کی اہم جنگوں میں حصہ لیا۔ جن جنگوں میں آپؐ نے خود حصہ لیا ....

انہیں غزوہ کہتے ہیں، اور جن میں خود شرکت نہ کی۔ انہیں سریہ کہتے ہیں۔ فوجی دستے انصار اور مہاجرین پر مشتمل تھے۔ یہ فوجیں وقتی طور پر فراہم کر لی جاتی تھیں۔ زیادہ لوگ جوشِ جہاد میں جنگوں میں شرکت کرتے، کامیابی کے بعد فوجیوں کو مالِ غنیمت میں باقاعدہ حصہ دیا جاتا تھا۔ فوجی اپنے ساز و سامان خود فراہم کرتے تھے، جنگوں میں تلوار، نیزہ، برچھا، ڈھال، تیر کمان اور زرہ بکتر استعمال کئے جاتے تھے۔ اسلامی فوج کے پاس سامان جنگ اور سامانِ رسد کی ہمیشہ کمی رہی، لیکن اس کے

باوجود تائیدالٰہی سے انہوں نے اپنے کئی گنا دشمن پر کامیابی حاصل کی۔

۱۸۔ ذرائع آمدن رسولِ خدا نے اسلامی حکومت کا جو ڈھانچہ مرتب کیا تھا۔ اس کے لئے آمدن کے ذرائع بھی مہیا کئے گئے۔ آپؐ کے عہد میں آمدن کے ذرائع حسب ذیل تھے۔

۱۔ مالِ غنیمت :۔ جنگ جیتنے کے بعد میدان جنگ میں جو سامان حاصل ہوتا اس کا ۴/۵ حصہ شرکائے جنگ میں تقسیم کر دیا جاتا۔ ۱/۵ حصہ سرکاری خزانہ میں جمع کیا جاتا۔ سوار کو پیدل سپاہی کے مقابلہ پر دوگنا حصہ ملتا۔ ۱/۵ حصہ کی آمدنی سربراہِ مملکت کے اخراجات کے لئے مخصوص تھی۔

۲۔ زکواۃ :۔ بالغ اور صاحب حیثیت افراد پر زکواۃ فرض قرار دی گئی۔ یہ رقم نقد، پھل، پیداوار مویشی اور اسباب تجارت پر وصول کی جاتی تھی۔

۳۔ صدقات :۔ یہ وہ رقم تھی جو مالدار افراد رضاکارانہ طور پر ادا کیا کرتے تھے۔

۴۔ جزیہ :۔ غیر مسلم رعایا سے ان کے جان و مال کی حفاظت کے بدلے ایک برائے نام رقم جزیہ کے طور پر وصول کی جاتی تھی، لیکن اپاہج، یتیم، بے کس اور گداگر جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے۔

۵۔ خراج :۔ یہ مالیہ تھا جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا۔ خیبر کی فتح کے بعد اس کا رواج شروع ہوا جب یہودیوں سے پیداوار کا نصف بطور خراج وصول کیا جانے لگا۔

۶۔ فئے :۔ وہ مال جسے مرعوب دشمن چھوڑ جاتا ہے اور جنگ کے بغیر بیت المال کے قبضہ میں آتا ہے۔

۱۹۔ جمع صدقات قاضی کے فرائض میں صدقات جمع کرنا بھی تھا، چنانچہ معاذ بن جبل کو یمن کے ایک حصہ یعنی جند کا قاضی مقرر کیا اور جو عمال یمن میں تھے ان کے صدقات جمع کرنے کی خدمت بھی ان کے سپرد تھی۔

رسولِ خدا نے جو انتظام سلطنت قائم کیا۔ اس کی بنیاد تین نظریات ۱۔ اخلاقی نظریہ ۲۔ معاشی نظریہ ۳۔ انتظامی نظریہ پر قائم تھی، آپؐ کے اہل اور تجربہ کار صحابہ نے اس نظام سلطنت کو اپنی نظروں سے قائم ہوتے دیکھا تھا۔ اس لئے آپؐ کے انتقال کے بعد انہی خطوط پر انہوں نے نظم و نسق قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی، چنانچہ خلفائے راشدین کے دورِ خلافت میں اسلامی ریاست کے واضح اور نمایاں خدوخال قائم ہو گئے تھے لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور دیگر عوامل اسلامی ریاست اور معاشرت میں داخل ہو گئے۔ اصلاحی اصول ہائے سلطنت کے عملی نفاذ میں